علمی و تحقیقی مجلہ

ISSN 2221-1659

سہ ماہی

نور معرفت

قرآن نمبر

اہم گذارشات

☆ مقالہ نگار حضرات سے درخواست ہے کہ اپنے تحقیقی مقالات مدیر نور معرفت کے نام ارسال کریں۔

☆ بہتر ہے کہ مضمون کمپوز شدہ ہوں اور ان کی ضخامت بیس/ پچیس صفحات سے زائد نہ ہو۔ ممکن ہو تو مضمون کی سافٹ کاپی بھی ارسال کریں یا مدیر کے ای۔میل پر ارسال کی جائے۔

☆ ممکن ہے کہ ادارہ ہر شمارے کے لیے محققین کو اپنی طرف سے جدید تحقیق طلب موضوعات کے نام ارسال کرے کہ ان پر تحقیق کی جائے۔

☆ حواشی اور حوالہ جات کے لیے اصلی مآخذ کو اختیار کیا جائے اور تفصیل سے لکھے جائیں اس طرح کتاب مصنف، طبع.....سن طباعت.....ج.....ص ..... کے ساتھ مضمون کے آخر میں نمبر لگا کر دیے جائیں۔

☆ رسالہ نور معرفت میں

علوم قرآن وحدیث، فقہ واصول فقہ، کلام وفلسفہ اور اسلامی تاریخ، تقابل ادیان، تعلیم وتدریس، ادبیات، معاشیات، عمرانیات، سیاسیات، اقبالیات، ثقافت وتمدن، قانون واصول قانون

وغیرہ پر اسلامی نقطہ نظر سے مقالات شایع کئے جاتے ہیں۔

☆ نور معرفت میں شائع شدہ مقالات کسی اور جگہ طبع کرانے کی صورت میں ''نور معرفت'' کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

☆ علمی کتابوں پر تبصرے کے لیے مدیر نور معرفت کو کتابوں کی دو کاپیاں ارسال کی جائیں۔

فہرست مطالب

	اداریہ		صفحہ
	قرآن فہمی کے فروغ میں دینی مدارس کی ذمہ داری	ادارہ	۵
	مقالہ جات		
	اصول کافی میں امام جعفر صادق ؑ سے منقول تفسیری روایات	سید حسنین عباس گردیزی	۹
	محکم متشابہ اور تأویل، علامہ طباطبائی کی نظر میں	ڈاکٹر شیخ محمد حسنین	۳۳
	قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت	سید رمیز الحسن موسوی	۵۵
	قرآن میں نسخ	سید مزمل حسین نقوی	۷۱
	آداب تلاوت	محمد حسین مبلغی	۸۵
	قرآن اور عقیدہ و رائے کی آزادی	ثاقب اکبر	۹۷
	قرآن نہج البلاغہ کی نظر میں	محمد اصغر عسکری	۱۰۷
	قرآن کریم کے انسانوں سے خطابات	ڈاکٹر ساجد علی سبحانی	۱۱۷
	حفاظت قرآن	ملک آفتاب حسین جوادی	۱۳۳
	کتاب شناسی		
	تفسیر نمونہ کا تعارف	سید رمیز الحسن موسوی	۱۴۱
	برصغیر کے شیعہ علما کی تفسیری تالیفات	سید زوار حسین نقوی	۱۵۱
	قرآن کریم کا بلتی زبان میں ترجمہ	محمد حسین	۱۸۳

☆☆☆☆

اہلِ قلم سے اپیل

سہ ماہی ''**نور معرفت**'' علمی وتحقیقی جریدہ ہے جسے دینی مدارس اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ وطلاب کے درمیان علمی وتحقیقی شوق وجستجو پیدا کرنے کی غرض سے شائع کیا جارہا ہے۔ یہ جریدہ تمام مدارس اوراساتذہ وطلاب سے متعلق ہے۔لہٰذا اس سلسلے میں آپ کا علمی تعاون اور قیمتی آراء ہمیں اس جریدہ کو بہتر سے بہتر بنانے میں مددگار ثابت ہوں گی۔ آپ سے گزارش ہے کہ اپنی دینی وعلمی تحقیقات اور نگارشات اس جریدہ کیلئے ارسال کریں۔

تحقیقی اور علمی تحریروں کا دل کھول کر استقبال کیا جائے گا۔تمام تحریریں،فرقہ وارانہ مواد سے پاک اور علمی حوالوں سے مزین ہونی چاہیں۔

مدیر

سہ ماہی نور معرفت،شعبہ ترجمہ وتحقیق

نورالہدیٰ ٹرسٹ (رجسٹرڈ) سادات کالونی،بارہ کہو،اسلام آباد

فون 051-2231937

ای میل noor.marfat@gmail.com

ویب www.nooremarfat.com

اداریہ

قرآن فہمی کے فروغ میں دینی مدارس کی ذمہ داری

دین اسلام کی بنیاد قرآن مجید ہے۔قرآن مجید وہ آسمانی کتاب ہے جس میں تا قیامت بشریت کی ہدایت ورہنمائی موجود ہے۔اس رہنمائی اور ہدایت کے بغیر کوئی بھی انسان، انسانیت کے مراحل کی تکمیل نہیں کرسکتا۔اسی لئے قرآن مجید کتاب ہدایت ہے اور انسانیت کی تعمیر فقط اسی میں منحصر ہے۔لہٰذا پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ کے آخری ایام میں تا قیامت آنے والے اپنے تمام پیروکاروں کو قرآن مجید اور اس کے حقیقی معلمین سے تمسک کی وصیت فرمائی ہے۔اس حدیث کے مطابق قرآن واہل بیتؑ سے تمسک کے بغیر انسان کی دنیوی واُخری نجات خام خیالی ہے۔اس لحاظ سے حدیث ثقلین پر عمل تمام مسلمانوں پر واجب ہے۔

یہ وہ باتیں ہیں جن سے تمام باشعور مسلمان آگاہ ہیں۔اس لئے قرآن مجید سے تمسک اُمت مسلمہ کے فرد فرد پر واجب ہے۔مسلمانوں کی فردی واجتماعی زندگی میں اگر قرآن مجید نہیں ہے تو اُن کا اسلام پر ایمان مشکوک ہے۔عائلی زندگی کے عام سے مسائل سے لے کر حکومت وسیاست تک، تمام اُمور زندگی میں قرآن مجید کا اس قدر عمل دخل ہونے کے باوجود اگر یہ الٰہی کتاب ہمارے معاشرے میں اجنبی ہے تو اس میں پورا مسلمان معاشرہ بارگاہ الٰہی میں جوابدہ ہے؛ لیکن اس سلسلے میں سب سے زیادہ جوابدہ، وہ طبقہ ہے جو دین اسلام کے علوم ومعارف کی تبلیغ کا علمبردار کہلاتا ہے۔

اسلامی معاشروں میں جس طبقے کے وجود کا فلسفہ ہی دین اسلام کی نشرواشاعت اور علوم قرآن کی ترویج وتبلیغ ہے، یہ طبقہ علمائے دین کا ہے۔یہ علمائے دین اور اُن کی سرپرستی میں چلنے والے دینی مدارس ہیں کہ جو معاشرے میں قرآنی تعلیمات کے فروغ اور قرآن فہمی کی ترویج کے ذمہ دار ہیں۔یہ دینی مدارس ہی ہیں کہ جن کا سب سے اہم مقصد قوم وملت کے بچے بچے کو قرآن مجید سے آشنا کرانا ہے۔اگر علمائے دین اور دینی مدارس یہ ذمہ داری پوری نہیں کرتے اور اس کے نتیجے میں معاشرہ دین کے معاملے میں لاأبالی، حکمران سیکولر، نظام معیشت حلال وحرام کی تشخیص سے عاری اور ہماری عائلی زندگیاں معنویت سے خالی ہوجاتی ہیں تو اس کی

مسؤلیت سبھی پر ہے، لیکن علماء اور مدارس کے ذمہ داروں پر زیادہ ہے۔

اس وقت ہم اگر اپنے معاشرے کو دیکھیں، اپنا سیاسی وحکومتی نظام دیکھیں، اپنی جوان نسل کی تعلیم وتربیت کو دیکھیں اور اپنی خاندانی زندگیوں پر حاکم رسوم ورواج کا مشاہدہ کریں تو ہمیں کہیں بھی قرآن مجید کی تعلیمات کے اثرات نظر نہیں آتے۔ حکمران ہیں تو عالمی کفر وشرک سے وابستہ، نظام تعلیم ہے تو لادینیت کی ترویج کرنے ولا، نظام معیشت ہے تو سود ور با پر مبنی، عائلی زندگی کے رسم ورواج ہیں تو ہندوانہ رسموں کے تابع اور شہر اور محلے ہیں تو ہرج ومرج کا شکار۔ ان سب باتوں کو دیکھ کر ہم کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا معاشرہ ایک قرآن فہم معاشرہ ہے اور ہماری زندگیاں قرآن مجید کی تعلیمات کے مطابق گذر رہی ہیں۔

ہمارے نظام زندگی میں اس وقت جتنی بھی پیچیدگیاں پائی جاتی ہیں، وہ قرآن فہمی سے دوری کا نتیجہ ہیں۔ بظاہر قرآن ہمارے معاشروں میں زندہ ہے، لیکن احیائے قرآن، سوز وگداز اور خوش الحانی کے ساتھ تلاوت وقرائت کا نام نہیں ہے۔ یہ اس کا ابتدائی ترین مرحلہ ہے۔ ہمارا معاشرہ، اُس وقت قرآنی معاشرہ بن سکتا ہے جب اس میں قرآن فہمی کا اہتمام ہوگا۔ قرآن فہمی اسی وقت ممکن ہے جب قرآن واسلام کے علمبردار، اس کی طرف توجہ دیں گے۔ دینی مدارس میں ہفتے میں تجوید وقرائت کے چند دروس اور قیل وقال پر مبنی تفسیر کی چند کلاسوں سے قرآن نہیں سمجھا جا سکتا۔ اس کے لئے فلسفہ تعلیم وتربیت کے مطابق قرآن مجید کی نصاب سازی کی ضرورت ہے۔ جب تک ہماری فقہ، اُصول، حتیٰ ادبیات اور عقلی علوم، قرآنی فلسفہ تعلیم کے مطابق نہیں ہوں گے، ہم قرآن فہمی کی شاہراہ پر قدم نہیں رکھ سکتے۔

ہمارے معاشرے کا سب سے بڑا درد ہمارا سیاسی وحکومتی نظام ہے۔ جس کی وجہ سے ہم قرآن مخالف سمت میں حرکت کر رہے ہیں۔ قرآن ہمیں واضح طور پر حکم دیتا ہے کہ ہم کفار ومشرکین کو اپنا ولی وسرپرست نہ بنائیں لیکن ہمارے ملک کی تمام سیاسی تبدیلیاں، قرآن مجید کے اسی حکم کی مخالفت میں ہوتی ہیں اور ہمارے حکمران عالمی استکباری قوتوں کے اشاروں پر معین ہوتے ہیں۔ یہ ہمارے معاشرے میں قرآن فہمی کے فقدان کی سب سے بڑی مثال ہے۔ اس کا گلہ ہم حکمرانوں اور ارباب سیاست سے نہیں کر سکتے چونکہ اُن کی اکثریت سیکولر اور نام نہاد مسلمان ہے۔ یہ حقیقت اُن کے فعل وکردار سے عیاں ہے۔ سیاسی مسائل میں قرآن سے بے توجہی کے سب سے بڑے ذمہ دار علمائے دین اور دینی مدارس ہیں جنہوں نے عوام کو وہ قرآنی شعور نہیں دیا کہ جس کے مطابق وہ استکبار وکفار سے غیر وابستہ حکمرانوں کا انتخاب کر سکتے۔

بہر حال، پورے معاشرے میں قرآن فہمی کے فروغ کے لئے ایک ہمہ گیر تحریک کی ضرورت ہے۔ جس کا اہتمام فقط علمائے دین اور دینی مدارس ہی کر سکتے ہیں۔ اس میں شک نہیں ہے کہ سینکڑوں علمائے دین قرآن فہمی کی ترویج کے لیے کوشش کر رہے ہیں اور ''نور معرفت'' کا یہ شمارہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، لیکن ہمارے خیال میں ابھی تک قرآن فہمی کے فروغ کا حق ادا نہیں کیا گیا۔ لہٰذا اس سلسلے میں جس قدر ہو سکتا ہے ہمیں اپنے خطابات، تقاریر اور مجالس و محافل میں قرآن کو محور گفتگو بنانا چاہیے اور اپنی تحریروں اور دینی تحقیقات کو قرآن مجید کے گرد متمرکز کرنا چاہیے۔ اسی ہدف کے تحت ''نور معرفت'' کی مجلس ادارت نے ''**قرآن نمبر**'' پیش کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ گو کہ یہ اہتمام ناقص سعی ہے لیکن قرآن فہمی کی تحریک میں ایک ادنیٰ سی کوشش ضرور ہے جسے کامل کرنے کی سعی آئندہ بھی جاری رہے گی۔ اس سلسلے میں ہم علمائے کرام اور دانشور حضرات سے علمی تعاون کی امید رکھتے ہیں۔

مومن کو چاہیے کہ مرنے سے پہلے قرآن کی تعلیم حاصل کرے یا اگر اسے موت آئے تو وہ قرآنی تعلیم حاصل کر رہا ہو۔

(امام جعفر صادقؑ ۔ بحار الانوار)

اصول کافی میں امام جعفر صادق - سے منقول تفسیری روایات

سید حسنین عباس گردیزی ☆

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب اور رہتی دنیا تک لوگوں کے لیے سرچشمہ ہدایت ہے۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا خود ذمہ لیا ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهُ لَحٰافِظُون (الحجر/۹)

یعنی:''یقیناً اس ذکر کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

تمام شیعہ وسنی علماء کا اجماع ہے کہ قرآن ہر قسم کی لفظی تحریف سے مبرا ہے لیکن معنی کے اعتبار سے ہر شخص اپنے فہم اور عقیدے کے مطابق اس کی تفسیر کرتا ہے لہٰذا مذاہب باطلہ کے علماء اپنے عقیدے کے حق میں قرآن مجید کی آیات سے ہی استدلال کرتے ہیں۔

اس بنا پر قرآن مجید کے لیے ایک ایسے مفسر مبین اور تشریح کرنے والے کی ضرورت ہے جس کی پیش کردہ تفسیر کو الٰہی تائید حاصل ہو، عصر رسولؐ میں یہ مفسر خود حضرت رسول اکرم ﷺ تھے۔جب تک رسول اللہؐ موجود تھے صحابہ کرام انہی سے قرآن کی تفسیر، تشریح اور وضاحت پوچھ لیتے تھے۔آنحضرتؐ نے اپنی رحلت کے بعد یہ فریضہ اہلبیت کے سپرد کیا ہے۔اور چند مقامات پر حدیث ثقلین کی صورت میں اس کی تاکید فرمائی۔

انی تارک فیکم خلیفتین (الثقلین) کتاب الله حبل ممدود مابین السماء والارض وعترتی اهل بیت وانهما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض (۱)

یعنی''میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں اور جانشین چھوڑ کر جا رہا ہوں، ایک، اللہ کی کتاب ہے، جو کہ آسمان سے زمین تک کھینچی ایک رسی ہے، اور دوسری، میری اہلبیت، یہ

☆ چیئرمین نور الہدیٰ ٹرسٹ، پرنسپل جامعۃ الرضا، بہارہ کہو، اسلام آباد

دونوں کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچ جائیں گے۔''

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

علی مع القرآن و القرآن مع علی لن یفترقا حتی یردا علی الحوض (۲)

یعنی: ''علیؑ قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہیں؛ یہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گے یہانتک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچ جائیں۔''

قرآن اور اہل بیت کا یہ ساتھ اور عدم جدائی کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے کسی ایک سے دوسرے کے بغیر ہدایت وراہنمائی لینا ممکن نہیں ہے ہدایت وراہنمائی میں ان دونوں کا کردار ایک ہے۔اہل بیت÷ پیغمبر اکرم ﷺ کی طرح قرآن مجید کی تفسیر وتشریح بیان کرتے رہے ہیں اور قرآن کے تشریع شدہ اصولوں کی تفصیل بتاتے رہے ہیں۔

رسول خدا ﷺ کے بعد قرآن مجید کے سب سے بڑے عالم حضرت علی ابن ابی طالب - تھے، حضرت علی -اپنے خطبہ میں فرماتے ہیں:

سلونی فوالله لا تسالونی عن شیئی الا اخبر تکم ،سلونی عن کتاب الله فوالله ما من آیة الا وانا اعلم بلیل نزلت اما بنهار ام فی سهل ام فی جبل (۳)

یعنی: ''مجھ سے پوچھو اللہ کی قسم! تم جس چیز کے بارے میں پوچھو گے تمہیں جواب دوں گا مجھ سے کتاب الٰہی کے متعلق پوچھو! اللہ کی قسم! اس کی کوئی بھی آیت ہو میں جانتا ہوں کہ رات میں نازل ہوئی ہے یا دن میں، میدانی علاقے میں نازل ہوئی ہے یا پہاڑ پر۔''

ایک اور مقام پر قسم کھا کر فرماتے ہیں:

والله ما نزلت آیة الاّ وقد علمت فیم انزلت واین انزلت ان ربی وهب لی قلبا عقولا ولسانا سوولا (۴)

یعنی: ''اللہ کی قسم کوئی آیت ایسی نہیں اتری جس کا مجھے پتہ نہ ہو کہ یہ آیت کس کے بارے میں اتری، اور کہاں اتری۔ بے شک میرے رب نے مجھے فہم قلب اور سوال طلب زبان عطا کی ہے۔''

حضرت علی ابن طالب- کے علم کا سرچشمہ نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی تھی اور ان کے ذریعے یہ علم دیگر ائمہ ÷ تک منتقل ہوا ہے۔

امام جعفر صادق -فرماتے ہیں؛

اِنَّ اللّٰہ عَلّمَ نَبِیَّہُ التنزیل و التأویل فعلَّم رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ علیاً وعَلَّمنَا (۵)

یعنی ''حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے تنزیل اور تاویل کا علم اپنے نبیؐ کو سکھایا اور رسول ﷺ نے یہ علم علیؑ کو اور انہوں نے ہمیں اس کی تعلیم دی ہے۔''

اس لحاظ سے ائمہ ہدیٰ ÷ قرآن کی تفسیر کا سرچشمہ ہیں اور ان کے علم کا سرچشمہ رسول اللہ ﷺ کی ذات ہے۔

امام صادق -نے بہت سے مقامات پر آیات قرآنی کی تشریح اور تفسیر بیان فرمائی ہے۔ان سے منقول تفسیری روایات میں قرآن کی معنوی تفسیر پر زیادہ زور دیا گیا ہے اور ان میں لفظی تفسیر کے متعلق بہت ہی کم روایات ہیں،اس کی دلیل یہ ہوسکتی ہے کہ لفظی اور لغوی تفسیر زیادہ مشکل اور پیچیدہ کام نہیں تھا بلکہ اہل لغت غور وفکر کے نتیجے میں اس تک پہنچ جاتے ہیں لیکن قرآن کی معنوی تفسیر کے لیے دین کے عمیق علم،روح قرآن سے آگاہی اور الٰہی بصیرت کی ضرورت ہے اور یہ ایسی چیز نہیں جو ہمیشہ بشری علوم اور انسان تجربات سے حاصل ہو سکے بلکہ کتاب الٰہی کی معنوی تفسیر انہی افراد کا خاصہ ہے۔

قرآن ''**اولو الباب**'' ''**اھل الذکر**'' (۷)اور''**مطھرون**''(۸)

کے نام سے یاد کرتا ہے۔اور اہل بیت ÷ ان عناوین کے کامل اور اکمل مصداق ہیں۔

کیونکہ پیغمبر اکرم ﷺ نے اپنی مشہور اور متواتر حدیث ثقلین میں اہل بیت÷ اور قرآن کو لازم و ملزوم قرار دیا ہے۔

امام صادق -اہل بیت÷ میں سے ایک ہستی ہیں جو تمام مذاہب کے لیے یکساں طور پر قابل احترام ہیں۔

قرآن کی تفسیر میں آپؑ سے بہت سی روایات نقل ہوئی ہیں لیکن ہم نے اس مقالے میں فقط''اصول کافی'' کی کتاب التوحید سے آپؑ کی روایات کا انتخاب کیا ہے۔

آیت:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ (الفاتحہ/۱)

یعنی: ''بنام خدائے رحمٰن ورحیم''

روایت:

عن عبد الله بن سنان قال: سالت ابا عبد الله عليه السلام عن تفسير بسم الله الرحمن الرحيم قال :الباء بها ء الله و السين سنا ء الله و الميم مجد الله ،وروى بعضهم:الميم ملک الله، و الله اله كل شى الرحمن بجميع خلقه و الرحيم بالمومنين خاصة (۹)

یعنی: ''عبداللہ بن سنان نقل کرتے ہیں کہ امام صادق -سے ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' کی تفسیر پوچھی تو انہوں نے فرمایا: با سے مراد بهاء الله یعنی اللہ کی خوبصورتی ہے سین سے مراد سناء اللہ یعنی روشنی یا رفعت و بلندی ہے میم سے مراد اللہ کی عظمت اور بزرگی ہے بعض نے روایت کی ہے کہ میم سے مراد خدا کا ملک ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا معبود ہے اپنی تمام مخلوق پر مہربان ہے اور مومنین پر بطور خاص رحمت کرنے والا ہے۔''

آیت:

''لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ شَیۡءٌ (الشوری/۱۱)

یعنی: ''اس جیسی کوئی چیز نہیں ہے۔''

روایت:

عن زرارة بن اعين قال: سمعت ابا عبد الله عليه السلام يقول :اِنَّ اللّٰه خلو من خلقه وخلقه خلو منه و كل وقع عليه اسم شى ما خلا الله فهو مخلوق والله خالق كل شى، تبارک الذى ليس كمثله شئ وهو السميع البصير

یعنی: ''زرارۃ بن اعین بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام صادقؑ کو فرماتے ہوئے سُنا:

بے شک اللہ تعالیٰ مخلوق سے خالی اور مبرا ہے اور مخلوق اس سے خالی ہے ہر وہ چیز جس پر لفظ شی کا اطلاق ہوتا ہے اور اللہ سے خالی ہے پس وہ مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے، بابرکت ہے وہ ذات جس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سمیع بھی ہے اور بصیر بھی۔''

آیت:

لاتُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ

یعنی: ''نگائیں اُسے پا نہیں سکتیں جب کہ وہ نگاہوں کو پالیتا ہے، وہ نہایت باریک بین اور بڑا باخبر ہے۔'' (الانعام/۱۰۳)

روایت:

عن ابی عبد الله علیه السلام فی قوله ''لا تدرکه الا بصار'' قال: احاطة الوهم الا تری الی قوله: ''قد جاء کم بصائر من ربکم'' لیس یعنی بصر العیون ''فمن ابصر فلنفسه'' لیس یعنی من البصر بعینه ''ومن عمی فعلیها'' لیس یعنی عمی العیون انما عنی احاطة الوهم کما یقال فلان بصیر بالشعر . وفلان بصیر بالفقه ،وفلان بصیر بالدارهم ،وفلان بصیر باالثیاب، الله اعظم من ان یری بالعین. (۱۰)

امام صادق -اس آیت (الانعام/۱۰۳) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ

یعنی: ''اس سے مراد یہ ہے کہ وہ وہم وخیال میں نہیں سماتا، کیا تم نے ایک اور آیت (الانعام/۱۰۴) کو ملاحظہ نہیں کیا جس میں ارشاد الٰہی ہوتا ہے ''تحقیق تمہارے پروردگار کی طرف سے بصیرت افروز دلائل آئے ہیں'' اس سے مراد آنکھوں سے دیکھنا نہیں ''جس نے دیکھا اپنے لیے دیکھا ہے'' اس کا مقصد بھی آنکھوں سے دیکھنا نہیں ''اور جو بھی اندھا ہے اس کا نقصان اُسی کے لیے ہے'' اس کا مطلب بھی آنکھوں سے اندھا ہونا نہیں پس اس کا معانی وہی وہم وخیال میں احاطہ کرنا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص شعروں کا بصیر ہے یعنی اس کی سمجھ بوجھ رکھتا ہے یا فلاں فقہ کا بصیر ہے، فلاں دارھم یعنی روپے کا

بصیر یعنی آگاہی رکھنے والا ہے اور فلاں شخص کپڑے کا بصیر ہے یعنی کپڑے کی خوب پہچان رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بڑا اور بلند ہے کہ وہ آنکھ سے دیکھا جا سکے۔''

آیت:

وَما قَدَرُو اللّٰہ حقَ قَدْرِہٖ

یعنی: ''اور انہوں نے اللہ کو ایسے نہیں پہچانا جیسے اُسے پہچاننے کا حق ہے۔'' (الانعام/۹۱)

روایت:

عن فضیل بن یسار قال: سمعت ابا عبد اللہ علیہ السلام یقول : ان اللہ لا یوصف و کیف یوصف ؟وقد قال فی کتابہ"وما قدرو اللہ حق قدرہ "فلا یوصف بقدر الا کان اعظم من ذلک. (۱۱)

یعنی: ''حضرت صادق -نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی توصیف بیان نہیں کی جا سکتی اور اس کی توصیف کیسے کی جا سکتی ہے حالانکہ خود اُس نے فرمایا ہے ''اور انہوں نے اللہ کو ایسے نہیں پہچانا جیسے پہچاننے کا حق ہے'' اللہ تعالیٰ کی جتنی بھی توصیف کی جائے پھر بھی وہ ذات اس سے بھی اعلیٰ اور بلند تر ہے۔''

آیت:

ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاھِرُوالْبَاطِنُ وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ

یعنی: ''وہی اول اور وہی آخر ہے نیز وہی ظاہر اور وہی باطن ہے اور وہ ہر چیز کا خوب علم رکھنے والا ہے۔'' (الحدید/۳)

روایت:

ابن ابی یعفور بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادقؑ سے اس ارشاد الٰہی ''**ھو الاول و الاخر**'' کی تفسیر پوچھی میں نے عرض کیا کہ اول کو تو ہم جانتے ہیں لیکن الآخر کی تفسیر ہمارے لیے بیان کریں، انہوں نے فرمایا:

انہ لیس شی الا یبید اویتغیر اویدخلہ التغیر والزوال او ینتقل من لون الی

لون ،ومن هيئة الى هيئة،ومن صفةالى صفة ،ومن زيادة الى نقصان ومن نقصان الى زيادة الا رب العالمين فانه لم يزال ولا يزل بحالة واحدة ،هو الا ول قبل كل شي ء وهو الا خر على ما لم يزل ،ولا تختلف عليه الصفات والا سما ء كما تختلف على غيره ،مثل الا نسان الذى يكون تراباً مرة ،ومرة لحماً ودماً ،ومرة رفاقا ورميماً ،وكابُسر الّذى يكون بلحاً ومَرّبُسراً ومَرّةً رطبا ومرة تمراً،فتبدل عليه الا سما ء والصفات والله جل وعز بخلاف ذلک .(۱۲)

یعنی:''اس کا مطلب یہ کہ خدا کے سوا ہر چیز نابود یا دگرگوں ہوجائے گی ، یا اس میں تغیر و تبدل یا زوال وقوع پذیر ہوگا یا وہ رنگ بدلے گی یا ایک شکل سے دوسری شکل اختیار کرے گی یا ایک صفت سے دوسری صفت میں تبدیل ہوگی یا پھر زیادتی سے کمی میں منتقل ہوگی یا کمی سے اضافے میں بدلے گی صرف عالمین کا رب ہے جو ازل سے ابد تک ایک حالت میں ہے وہ ذات ہر چیز سے پہلے اول ہے اور وہی سب سے آخر ہے اور ہمیشہ سے ہے اس کی صفات نہیں بدلتیں اور اس کے اسماء میں تغیر وتبدل نہیں ہوتا ،جیسا کہ اس کے علاوہ چیزوں میں ہوتا ہے مثلا انسان کبھی مٹی ہوتا ہے کبھی گوشت اور خون ہوتا ہے اور کبھی بوسیدہ ہڈی اور خاک ہوتا ہے،اسی طرح کھجور کی مثال ہے کبھی وہ کچی کھجور ہوتی پھر پک جاتی ہے اور خشک ہوجاتی ہے،اس کے نام اور صفات بدلتی رہتی ہیں ،لیکن اللہ تعالی ان سب چیزوں کے بر عکس ہے۔''

ایک اور روایت میں میمون البان نقل کرتے ہیں کہ میں نے امام صادق -سے الاول والآخر کے بارے میں پوچھے گئے سوال کے جواب میں سُنا کہ انہوں نے فرمایا:

الاول لا عن اول قبله ،ولا عن بدء سبقه والآخر لا عن نهاية كما يعقل من صفة المخلوقين ،ولكن قديم اول آخر لم يزل ولا يزول بلا بدء ولا نهاية،لا يقع عليه الحدوث ولا يحول من حال الى حال،خالق كل شيء (۱۳)

یعنی: ''ایسا اول کہ اس سے پہلے کوئی اول نہ تھا، کسی پہل کرنے والے نے اس پر سبقت نہیں لی اور ایسا آخری ہے کہ جس کی کوئی انتہا نہیں ہے جیسا کہ مخلوق کی توصیف سے ذہن میں آتا ہے لیکن وہ قدیم ہے اول و آخر ہے، ہمیشہ تھا اور ہمیشہ رہے گا، اس کا نہ کوئی آغاز ہے اور نہ کوئی انجام اور انتہا ہے اس پر کوئی چیز حادث نہیں ہوتی اور وہ ایک حالت سے دوسری حالت میں نہیں بدلتا، وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔''

آیت:

مَایَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَۃٍ اِلَّا ھُوَرَابِعُھُمْ وَلَا خَمْسَۃٍ اَلَّا ھُوَ سَادِسُھُمْ

یعنی: ''کبھی تین آدمیوں کی سرگوشی نہیں ہوتی مگر یہ کہ ان کا چوتھا اللہ ہوتا ہے اور نہ پانچ آدمیوں کی مگر یہ کہ ان کا چھٹا اللہ ہوتا ہے۔'' (المجادلۃ/۵۸)

روایت:

عن ابی عبد الله علیه السلام فی قوله تعالیٰ :''مَایَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَۃٍ اِلَّا ھُوَرَابِعُھُمْ وَلَا خَمْسَۃٍ اَلَّا ھُوَ سَادِسُھُمْ'' فقال هو واحد و احدی الذات بائن من خلقه وبذاک وصف نفسه ''وهو بکل شی محیط'' بالا شراف والا حاطة والقدرة **''لا یعزب عنه مثقال ذرّة فی السماوات ولا فی الارض ولا اصغر من ذلک ولا اکبر''بالا حاطة والعلم لا بالذات لان الا ما کن محدود تحویها حدود اربعة فاذاکان بالذات لزمها الحواية''(۱۴)**

اس آیت کی تفسیر میں حضرت صادق -نے فرمایا:

یعنی: ''اللہ تعالیٰ یکتا ہے اور یکتا حقیقت ہے۔ اپنی مخلوق سے الگ اور جدا ہے۔ اُس نے اپنے آپ کا تعارف یوں کرایا ہے کہ وہ ہر چیز پر اپنی قدرت وطاقت نگرانی اور قبضے کے ساتھ محیط ہے ذرے کے برابر بھی کوئی چیز آسمانوں اور زمین میں اس کے علم سے خارج نہیں ہے نہ ہی اس سے چھوٹی اور نہ ہی اس سے بڑی چیز، ان پر احاطہ علم کے لحاظ سے ہے نہ ذات کے اعتبار سے، کیونکہ مکان اپنی ذات میں محدود ہوتے ہیں اور ان کی چار حدود

ہوتی ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے لحاظ سے ان کو گھیرے ہوئے ہو تو پھر وہ محدود ہو جائے گا اور احاطہ میں آ جائے گا۔''

آیت:

فی قولہ: الرّحمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی(الطہ/۵)

یعنی: ''وہ رحمٰن جس نے عرش پر اقتدار قائم کیا۔''

روایت:

۱.عن ابی عبد اللہ علیہ السلام انہ سئل عن قول اللہ عزوجل "الرحمن علی العرش استوی علی کل شی ،فلیس شیی اقرب الیہ من شیی (۱۵)

یعنی: ''امام صادق -سے جب اس آیت کے بارے میں سوال ہوتو انہوں نے فرمایا: ہر چیز اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے وہ ہر چیز پر مسلط اور حاوی ہے کوئی بھی چیز کسی دوسری کی نسبت اس کے قریب تر نہیں ہے۔''

۲.عن عبد الرحمن بن الحجاج قال :سالت ابا عبد اللہ علیہ السلام عن قول اللہ تعالیٰ الرحمن علی العرش استوی''فقال استوی فی کل شیئ فلیس شیی اقرب الیہ من یشی ،لم یبعد منہ بعید ،ولم یقرب منہ قریب ، استوی فی کل شیئ(۱۶)

اس آیت کی تفسیر میں انہوں نے فرمایا:

یعنی: ''اللہ تعالیٰ سے ہر چیز کی نسبت برابر ہے کوئی چیز، دوسری چیز سے زیادہ اس کے قریب نہیں ہے کوئی دور اس سے دُور نہیں ہے اور کوئی نزدیک اس سے قریب نہیں ہے ہر چیز سے اس کی نسبت برابر ہے۔''

آیت:

وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ(البقرہ/۲۵۵)

یعنی: ''اس کی کرسی آسمانوں اور زمین پر چھائی ہوئی ہے۔''

روایت:

۱ .عن الفضیل بن یسار قال : سالت ابا عبد الله علیه عن قول الله جل وعز "وسع کرسیه السماوات والارض"فقال:یا فضیل کل شی فی الکرسی السماوات والا رض و کل شی فی الکرسی (۱۷)

یعنی: ''امام صادق -نے فرمایا: اے فضیل! ہر چیز کرسی میں ہے، آسمان، زمین اور ہر چیز سب کرسی کے اندر ہے۔''

۲ .عن زرارة **بن اعین قال سالت ابا عبد الله علیه السلام عن قول الله جل و عز "وَسِعَ کُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ"السماوات والارض وسعن الکرسی ام الکرسی وسع السماوات والارض ؟ فقال بل الکرسی وسع السماوات والارض والعرش کُلُّ شیئ وسع الکرسی .**

یعنی: ''اس قول الٰہی کی تفسیر کے بارے میں حضرت صادق -سے میں نے سوال کیا کہ کیا آسمانوں اور زمین نے کرسی کو اپنے اندر لیا ہوا ہے یا کرسی نے آسمانوں اور زمین کو اپنے اندر لیا ہوا ہے امام صادق -نے فرمایا مراد یہ ہے کہ کرسی آسمانوں اور زمین سے وسیع ہے اور اس نے ان کو اپنے اندر سمویا ہوا ہے، عرش اور ہر چیز کرسی میں سما جاتی ہے۔''

اسی باب میں حدیث ۵ میں بھی امامؑ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ کرسی کے اندر ہر چیز سمائی ہوئی ہے۔

آیت:

وَهُوَ الَّذِی فِی السَّماءِ اِلٰهٌ وَفِی الارضِ اِلٰهٌ (الزخرف/۸۴)

یعنی: ''اور وہ وہی ہے جو آسمانوں میں بھی الہ (معبود) ہے اور زمین میں بھی الہ۔''

روایت:

عن هشام بن الحکم قال : قال ابو شاکر الدیصانی : ان فی القرآن آیة

هی قولنا ،قلت: ماهی؟ فقال :"وَهُوَ الّذِی فِی السَّماءِ اِلٰهٌ وَفِی الارضِ اِلٰهٌ" فلم أدربما اجیبه ،فحججت فخبرت أباعبد الله علیه السلام فقال : هذا کلام زندیق خبیث ،اذا رجعت الیه فقل له : ما اسمک بالکوفة ؟ فانه یقول فلان فقل له : ما اسمک بالبصرة ؟ فانه یقول : فلان . فقل، کذلک الله ربنا ،فی السماء اله ،وفی الارض اله ،وفی البحار اله ،وفی القفار اله ، وفی کل مکان اله ،قال : فَقَدِمت فاتیت ابا شاکر فاخبرته ،فقال :هذه نقلت من الحجاز .(۱۸)

یعنی:''ہشام بن حکم بیان کرتے ہیں کہ ابوشاکر دیصانی نے کہا کہ قرآن میں ایک آیت ہے جو ہمارے نظریے پر دلالت کرتی ہے، میں نے پوچھا: کونسی آیت؟ اس نے کہا''وَهُوَ الّذِی فِی السَّماءِ اِلٰهٌ وَفِی الارضِ اِلٰهٌ ''میں نہیں جانتا تھا کہ اُسے کیا جواب دوں میں حج پر گیا اور امام صادق -سے اس بات کو بیان کیا، آپ نے فرمایا: یہ خبیث زندیق کی بات ہے۔ جب تم واپس جاؤ تو اس سے پوچھو کوفہ میں تمہارا کیا نام ہے وہ کہے گا فلاں پھر پوچھو بصرہ میں تمہارا کیا نام ہے تو وہ کہے گا وہی نام ہے؟ اس کے جواب میں کہو کہ ہمارا رب اللہ عزوجل بھی ایسے ہے، اُسے آسمانوں میں الہ کہتے ہے، زمین بھی اُسے الہ کہا جاتا ہے وہ سمندروں میں الہ ہے اور صحراؤں میں الہ ہے اور ہر جگہ الہ ہے، راوی کہتے ہیں کہ میں کوفہ واپس پہنچ کر ابوشاکر کو جواب دیا تو اس نے کہا یہ جواب حجاز سے آیا ہے۔''

آیت:

وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ(هود/۷)

یعنی:''اور اس کا عرش پانی پر ہے۔''

روایت:

عن عبد الرحمن بن کثیر عند اود الرقی قال: سالت ابا عبد الله علیه السلام عن قول الله عزوجل :"وکان عرشه علی الماء" فقال ما یقولون؟ قلت :

یقولون :ان العرش کان علی الما ء والرب فوقه ،فقال کذبوا ،من زعم هذا فقد صیّر الله محمولا ووصفه بصفة المخلوق ولزمه ان الشی الذّی یحمله اقوی منه ،قلت بیّن لِی جعلت فداک؟ فقال : ان اللّٰه حمّل دینه وعلمه الماء قبل ان یکون ارض اوسما ء اوجن او انس اواشمس اوقمر ، فلما أرادالله ان یخلق الخلق نثرهم بین یدیه فقال لهم :من ربکم؟ فاول من نطق: رسول اللهؐ وامیر المومنین علیه السلام والائمة صلوات الله علیهم فقالوا: انت ربنا ،فحمّلهم العلم والدین ،ثم قال للملائکة : هولاء حملة دینی وعلمی واومنائی فی خلقی وهم المسؤولون ،ثم قال لبنی آدم:أقّروا الله بالر بوبیة ولهو لا ء النفربالولایة والطاعة ،فقالوا:نعم ربنا أقررنا،فقال الله للملائکة: اشهدوا .فقالت الملائکة شهدنا علی أن لا یقولوا غداً:"انا کنا عن هذا غافلین أو یقولو ا انما أشرک آباؤنا من قبل وکُنَّا ذرّیّة من بعد هم أفتهلکنا بما فعل المبطلون "یاداود ولا یتنا مؤ کدة علیهم فی المیثاق.(۱۹)

یعنی:''داؤدرقی نقل کرتے ہیں کہ میں نے امام صادق -سے اس آیت''وکان عرشه علی الماء '' کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے پوچھا کہ دوسرے لوگ اس آیت کے بارے میں کیا کہتے ہیں میں نے جواب دیا۔دوسرے کہتے ہیں کہ عرش پانی پر ہے اور رب اس کے اوپر ہے۔امامؑ نے فرمایا:وہ جھوٹ بولتے ہیں،جس کا بھی یہ نظریہ ہے اس نے اللہ کو محمول (اٹھایا ہوا) شمار کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ایسی صفت سے توصیف کی ہے جو اس کی مخلوق سے مختص ہے اور اس کا لازمہ ہے کہ جس چیز نے اُسے اٹھایا ہوا ہے وہ اس سے قوی اور مضبوط ہو۔راوی نے عرض کیا: میں قربان جاؤں آپ میرے لیے وضاحت فرمائیں انہوں نے فرمایا :(اس کا مطلب یہ ہے کہ)اللہ تعالیٰ نے زمین،آسمانوں جنوں ، انسانوں ،سورج اور چاند کے ہونے سے پہلے اپنے دین اور علم کو پانی پر رکھا اور جب اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق (انسانوں) کو خلق کرنے کا ارادہ فرمایا تو انہیں اپنے سامنے

پھیلا دیا اور ان سے پوچھا: تمہارا رب کون ہے؟ سب سے پہلے جنہوں نے اپنی زبان کھولی وہ رسول اکرمؐ امیر المومنین - اور آئمہ ہدیٰ ÷ تھے۔ انہوں نے کہا تو ہمارا رب ہے پس اللہ عزّ وجلّ نے علم اور دین ان کے سپرد کر دیا پھر ملائکہ سے فرمایا: یہ ہستیاں میرے دین اور علم کی حامل، میری مخلوق میں میرے امین اور یہی مسئول ہیں (جن سے پوچھا جائے) پھر اللہ عزّ وجلّ نے بنی آدم سے فرمایا: اللہ کے لیے ربوبیت کا اقرار کرو اور ان افراد کے لیے ولایت اور اطاعت کا اقرار کرو انہوں نے جواب دیا: ہاں! اے ہمارے رب! ہم نے اقرار کیا اس کے بعد اللہ جل شانہ نے ملائکہ سے فرمایا: گواہ رہنا۔ فرشتوں نے کہا: ہم اس بات کے گواہ ہیں کہ کل یہ نہ کہیں کہ تحقیق ہم تو اس بات سے غافل اور بے خبر تھے یا یہ کہیں کہ بے شک اس سے پہلے ہمارے آباءُ واجداد مشرک ہوئے اور ہم تو ان کے بعد ان کی اولاد اور ذریت ہیں اور ہم ان کی خلاف ورزی نہ کر سکے تو کیا تو ہمیں ان باطل پرستوں کے عمل کی وجہ سے ہلاک کرے گا۔ اے داود! اس میثاق میں ہماری ولایت کی ان پر بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے۔''

آیت:

فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ (الحجر ۲۹/)

یعنی: ''پھر جب میں اس کی تخلیق مکمل کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں۔''

روایت:

۱۔عن الاحول قال: سالت ابا عبد الله عليه السلام عن الروح التی فی آدم عليه السلام قوله "فاذا سويته ونفخت فيه من روحی" قال: هذه روح مخلوقة والروح التی فی عيسى مخلوقة (۲۰)

یعنی: ''احول کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جعفر بن محمد الصادق - سے اس روح کے بارے میں پوچھا جو حضرت آدم - میں پھونکی گئی اور جس کا تذکرہ اس آیت (الحجر ۲۹/) میں ہوا ہے، تو انہوں نے فرمایا: یہ روح مخلوق ہے اور وہ روح جو حضرت عیسی - میں تھی وہ

بھی مخلوق ہے۔''

۲.عن حمران قال: سألت ابا عبد الله علیه السلام عن قول الله عزوجل ''وروح منه ''قال هی روح الله مخلوقة خلقها الله فی آدم وعیسی(۲۱)

یعنی:''ایک اور روایت میں حمران نے جب''روح منہ'' کے بارے میں سوال کیا تو امام صادق -نے فرمایا: یہ روح خدا ہے جو کہ مخلوق ہے اُسے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم -اور حضرت عیسی -کے جسم میں پھونکا تھا۔''

۳.عن محمد بن مسلم قال : سألت ابا عبد الله علیه السلام عن قول الله عزوجل '' ونفخت فیه من روحی'' کیف هذا النفخ؟ فقال ان الروح متحرک کالریح وانما سمی روحا لانه اشتق اسمه من الریح وانما اخرجه عن لفظة الریح ،لان الارواح مجانسة الریح وانما اضافه الی نفسه لانه اصطفاه علی سائر الارواح ،کما قال لبیت من البیوت بیتی،ولرسول من الرسل :خلیلی واشباه ذلک وکل ذلک مخلوق مصنوع محدث مربوب مدبرٌ (۲۲)

یعنی:''محمد بن مسلم کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادق -سے قرآن کی آیت ''ونفخت فیه من روحی ''(حجر۲۹) کے متعلق پوچھا: کہ یہ روح کیسے پھونک گئی؟ انہوں نے جواب میں فرمایا روح ہوا کی طرح متحرک ہے اسی لیے اِسے روح کہا گیا ہے کیونکہ اس کا نام ریح (ہوا) سے مشتق ہے۔اور اشتقاق کی وجہ یہ ہے کہ ارواح ہوا کی ہم جنس ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت اپنی طرف دی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اسے باقی ارواح سے برگزیدہ کیا ہے جیسا کہ اس نے ایک گھر کو اپنا گھر کہا ہے اور رسولوں میں سے ایک کو اپنا خلیل کہا ہے اور اس طرح کی دیگر مثالیں ہیں، یہ سب مخلوق ایجاد شدہ پرورش شدہ اور مُدَبَّر ہیں۔''

آیت:

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَآ اِلٰهَ اِلَّاهُوَ كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهُ

یعنی:''اور اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکارو، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہر چیز فنا ہونے

والی ہے۔سوائے اس کے چہرے کے۔''(القصص/۸۸)

روایت:

عن الحارث بن المغیرة النصری قال : سئل ابو عبدالله علیه السلام عن قول الله تبارک وتعالی:''کُلُّ شیٔ هالِک اِلَّا وَجْهَهُ'':فقال : ما یقولون فیه ؟ قلت : یقولون: یهلک کل شی الا وجه الله ،فقال : سبحان الله لقد قالو قولا عظیماً،انما عنی بذلک وجه الله النبی یوتی منه (۲۳)

یعنی:''حارث بن مغیرہ نصری روایت کرتے ہیں کہ حضرت صادق -سے اللہ تعالیٰ کے اس قول''کُلُّ شیٔ هالِک اِلَّا وَجْهَهُ'' کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: اس بارے میں وہ لوگ کیا کہتے ہیں؟ میں نے کہا: وہ کہتے ہیں کہ''یهلک کُلُّ شیٔ هالِک اِلَّا وَجْهَهُ''اللہ کے چہرے کے سوا ہر چیز نابود ہو جائے گی انہوں نے فرمایا: ''**سبحان الله لقد قالوا قولا عظیما انما عنی بذلک وجه الله الذی یوتی منه**''

یعنی:''سبحان اللہ ان لوگوں نے بہت بڑی بات کہی ہے،اس آیت میں''وجہ اللہ'' سے مراد وہ ہے جس کے ذریعے سے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں حاضر ہوا جاتا ہے۔''

اسی طرح ایک اور حدیث میں صفوان جمال نے مذکورہ آیت''کُلُّ شیٔ هالِک اِلَّا وَجْهَهُ'' کے بارے میں امام صادق -کے قول کے بیان کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

من اتی الله بما امر به من طاعة محمد صلی الله علیه و آله وسلم فهو الوجه الذی لا یهلک وکذلک قال:''مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ '' (النسا/۸۰) (۲۴)

یعنی:''ہر وہ شخص جو محمد ﷺ کی اطاعت بجالائے جس کا اُسے حکم دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ وہ بارگاہ الٰہی میں آئے تو یہ وہی وجہ (چہرہ) ہے جو نابود نہیں ہوگا۔اسی طرح اس کا ارشاد ہے: جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی ہے۔''

آیت:

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاء الحُسْنَی فَادْعُوهُ بِهَا (الاعراف/۱۸۰)

یعنی: ''اور زیبا ترین نام اللہ ہی کے لیے ہیں پس تم اُسے انہی (اسماء حسنی) سے پکارو۔''

روایت:

معاویہ بن عمار عن ابی عبد اللہ علیہ السلام فی قول اللہ عزوجل : ''وللہ الاسماء الحسنی فادعوہ بھا '' قال نحن واللہ الا سما ء الحسنی التی لا یقبل اللہ من العباد عملا الا بمعر فتنا (۲۵)

یعنی: ''معاویہ بن عمار نقل کرتے ہیں کہ حضرت امام صادق -نے اس آیت کے بارے میں فرمایا: اللہ کی قسم: اسماء حسنی ہم ہیں، وہ اسماء کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے کسی عمل کو قبول نہیں کرتا مگر ہماری معرفت کے ساتھ۔''

آیت:

فَلَمَّا آسَفُونَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُم اَجْمَعِيْنَ(الزخرف ۵۵/)

یعنی: ''پھر جب ان لوگوں نے ہمیں غضب ناک کر دیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا پھر ان سب کو غرق کر دیا۔''

روایت:

اس کی تفسیر میں حضرت صادق آل محمد ÷ نے فرمایا:

ان اللہ عزوجل لا یاسف کاسفنا ولکنہ خلق اولیا ء لنفسہ یاسفون ویرضون وھم مخلوقون مربوبون ،فجعل رضاھم رضا نفسہ وسخطھم سخط نفسہ لا نہ جعلھم الدعاۃ الیہ والا دلا ء علیہ فلذلک صاروا کذلک ولیس أن ذلک یصل الی خلقہ الی اللہ ما یصل الی خلقہ لکن ھذا معنی ما قال من ذلک وقد قال :''من اھان لی ولیا فقد بارزنی بالمحاربۃ ودعانی الیھا ' وقال ''ومن یطع الرسول فقد اطا ع اللہ '' وقال ''ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ یداللہ فوق اید یھم ''فکل ھذا وشبھہ علی ماذکرت لک وھکذالرضا والغضب وغیر ھمامن الا شیا ء

مما یشا کل ذلک ولو کان یصل الی الله الا سف والضجر ،وھو الذی خلقھا وانشاھما لجاز لقائل ھذا ان یقول : ان الخالق یبید یوما ما ،لانه اذا دخله الغضب والضجر دخله التغییر ،واذا دخلھالتغییرلم یومن علیه الا بادة چم لم یعرف المگون من المکوِّن ولا القادر من المقدور علیه ،ولا الخالق من المخلوق ،تعالیٰ الله عن ھذا القول علوا کبیرا ،بل ھو الخالق للاشیاء لا لحاجة ، فاذا کان لا لحاجة استحال الحدُّ والکیف فیه ؛فافھم ان شاء الله تعالیٰ(۲۶)

یعنی: ''بے شک اللہ تعالیٰ ہماری طرح غصہ اورافسوس نہیں کرتا لیکن اس نے اپنے دوست اوراولیاء خلق فرمائے ہیں وہ غصے ہوتے ہیں اورخوش ہوتے ہیں باوجوداس کے کہ وہ اس کی مخلوق اوراس کے پرورش شدہ ہیں ان کی رضا اورخوشنودی کواللہ عزوجل نے اپنی رضا اور خوشنودی قرار دیا ہےاوران کے غصے کواپنا غصہ قرار دیا ہے کیونکہ اس نے انہیں اپنی طرف دعوت دینے والے اوراپنی طرف راہنمائی کرنے والے قرار دیا ہے۔اس وجہ سے وہ اس مقام تک پہنچے ہیں اورایسا نہیں ہے کہ جس طرح نافرمانی سے مخلوق کونقصان پہنچتا ہے اسی طرح اللہ کونقصان ہوتا ہے۔اوراس بارے میں جوکہا گیا ہےاس کا مطلب یہ ہے۔تحقیق خداوندمتعال نے ارشادفرمایا ہے:''جس کسی نے میرے دوست کی اہانت کی اُس نے مجھے جنگ کے لیے لکارا ہےاور جنگ کی دعوت دی ہے''اوراُس نے ارشادفرمایا ہے:''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی ہے''اسی طرح فرمایا:بے شک جنہوں نے تیری بیعت کی ہےانہوں نے اللہ کی بیعت کی اوراللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں سے اوپر ہے''یہ سب کچھ اوراس طرح کی اور باتوں کا مطلب یہی ہے جو میں نے تمہارے سامنے بیان کیا ہےاسی طرح رضا اورغضب ہیں اوران دو کے مشابہہ دوسری چیزیں،اگراللہ تعالیٰ پر افسردگی اورغم وغصے کی کیفیت کا طاری ہونا جائز ہوجبکہ وہ ان دو کا خالق اورایجاد کرنے والا ہے،تو پھرکوئی کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ ایک دِن خالق دوجہاں نیستی میں بدل جائے گا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرغصہ اورافسردگی کی حالت اس پرطاری ہوجائے تواس میں تغییروتبدیلی

رونما ہوگئی اور جس میں تغیر وتبدل ہوگیا وہ نیستی اور فنا ہونے سے نہیں بچ سکتا ایسی صورت میں پیدا کرنے اور پیدا ہونے والے میں، قادر اور مقدور علیہ میں اور خالق اور مخلوق میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ اللہ تعالی ایسی باتوں سے بہت زیادہ بلند و برتر اور مبرا ہے۔ بلکہ وہ تمام اشیاء کا خالق ہے بغیر اس کے کہ ان کی اُسے ضرورت ہو، جب اس کی خلقت کی بنیاد اس کی مخلوق سے بے نیازی پر مبنی ہے لہذا حد اور کیفیت اس کے لیے محال ہے۔ اچھی طرح سمجھ لو انشااللہ تعالیٰ۔''

آیت:

يَمحُو اللّٰه مايَشَاءُ وَيُثْبِتُ وعِنْدَهُ أُمُّ الكِتابِ

یعنی: ''اللہ جسے چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جسے چاہتا قائم رکھتا ہے اور اسی کے پاس ام الکتاب ہے۔'' (الرعد/۳۹)

روایت:

اس آیت کے بارے میں امام صادق -سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

وهل يمحى الا ما كان ثابتا وهل يثبت الا ما لم يكن ؟(۲۷)

یعنی: ''کیا وہ چیز جو ثابت اور موجود ہے اس کے علاوہ کوئی محو ہوتی ہے یا مٹائی جاتی ہے؟ اور جو موجود نہ ہوا اس کے علاوہ کوئی وجود میں آتی ہے؟''

آیت:

أَوَلايَذْكُرُ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُنْ شَيْئًا (مريم/ ٦٧)

یعنی: ''کیا اس انسان کو یاد نہیں کہ ہم نے اسے پہلے اس وقت پیدا کیا جب وہ کچھ بھی نہ تھا۔''

مالک جہنی نے اس آیت کے بارے میں حضرت امام صادق -سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا:

لامقدرا! ولا مكوناً

یعنی: ''نہ ہی وہ تقدیر میں تھا اور نہ ہی وجود میں آیا ہوا تھا۔''

پھر اُس نے آیت:

هَلْ اَتٰی الْاِ نْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا

یعنی: ''کیا انسان پر ایسا وقت نہیں گزرا جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔'' (دھر/۱)

کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا:

''کان مقدراً غیر مذکور''

یعنی: ''وہ مقدر شدہ ہوتا ہے لیکن قابل ذکر اور اس کا نام نہیں ہوتا۔''

آیت:

وَهَدَیْنَاهُ النَّجْدَیْنِ(البلد/ ۱۰)

یعنی: ''اور ہم نے دونوں راستے (خیر و شر) اسے دکھائے ''

روایت:

عن ابی عبد الله علیه السلام قال :سالته عن قول الله عزوجل:''وَهَدَیْنَاهُ النَّجْدَیْنِ''قال :نجد الخیر والشر(۲۸)

یعنی: ''امام صادق -نے فرمایا: اس سے مراد خیر اور شر کے راستے ہیں۔''

آیت:

فَمَنْ یُرِدِ اللّٰهُ اَنْ یَّهْدِیَهٗ یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ یُّرِدْ اَنْ یُّضِلَّهٗ یَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَیِّقًا حَرَجاً کَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِی السَّمَاءِ(الانعام/ ۱۲۵)

یعنی: ''پس جسے اللہ ہدایت بخشنا چاہتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کشادہ کر دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے اس کے سینے کو ایسا تنگ گھٹا ہوا کر دیتا ہے گویا وہ آسمان کی طرف چڑھ رہا ہو۔''

روایت:

اس آیت کی تفسیر میں حضرت امام صادق -نے فرمایا:

ان اللہ عزوجل اذا اراد بعبد خیرًا نکت فی قلبه نکتة من نور وفتح مسامع قلبه ووکّل به ملکاً یسدّده واذا اراد بعبد سوءاً نکت فی قلبه

نکتة سوداء وسدَّ مسامع قلبه ووکّل به شیطانا یضلّه(۲۹)

یعنی:''بے شک جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے بارے میں خیر و بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک نورانی نکتہ پیدا کر دیتا ہے اور اس کے دل کے کان کھول دیتا ہے اور ایک فرشتہ مقرر کر دیتا ہے جو اس کی مدد کرتا ہے اور جب کسی بندے کے بارے میں برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے دل میں سیاہ نکتہ پیدا کر دیتا ہے اور اس کے دل کے کان بند کر دیتا ہے اور اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتا ہے جو اُسے گمراہ کرتا ہے اس کے بعد انہوں نے مذکورہ آیت کی تلاوت فرمائی۔''

آیت:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْهَدٰاهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ

یعنی:''اور اللہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ نہیں کرتا یہاں تک کہ ان پر یہ واضح کر دے کہ انہیں کن چیزوں سے بچنا ہے۔''(توبہ/۱۱۵)

روایت:

اس بارے میں حضرت صادق -نے فرمایا

حتی یعرفهم ما یرضیه وما یسخطه

یعنی:''یہاں تک کہ وہ ان چیزوں کی جو اس کی رضا و خوشنودی اور ناراضگی کا باعث ہیں'' بندوں کو پہچان کراتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا (الشّمس/۸)

یعنی:''پھر اس نے نفس کو بدی اور تقویٰ کی ہدایت کی''

اس کی تفسیر میں انہوں نے فرمایا:

''بَيَّنَ لَهَا مَا تَأْتِيْ وَمَا تَتْرُكُ''

یعنی:''اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا کہ وہ کیا کام انجام دے اور کون سے اعمال ترک

کر دے۔''

اور ایک دوسری جگہ فرمایا:

اِنّا هَدَیْنَاهُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاکِرً اوَّاِمَّا کَفُوراً (الدھر/۳)

یعنی: ''ہم نے اُسے راستے کی ہدایت کی دی ہے خواہ شکر گزار بنے اور خواہ ناشکرا''

اس آیت کے متعلق انہوں نے فرمایا:

"عرَّفناہ اِمّا آخذ و اِمّا تارک "

یعنی: ''خدا فرماتا ہے کہ ہم نے اُسے پہچان کرادی ہے خواہ وہ عمل کرے یا ترک کرے۔''

اور قرآن کی اس آیت:

وَاَمَّا ثَمُودَ فَهَدَیْنَاهُمْ فَاسْتَحَبُّوا العَمٰی عَلَی الهُدٰی

یعنی: ''ثمود کو ہم نے راہ راست دکھادی تھی مگر انہوں نے ہدایت کی جگہ اندھا رہنے کو پسند کیا۔''

کے متعلق فرمایا:

عرفنا هم فاستحبو العمی علی الهدی وهم یعرفون وفی روایة بینا لهم (۳۰)

یعنی: ''ہم نے انہیں متعارف کرادیا اور پہچان کرادی پھر انہوں نے ہدایت پر گمراہی کو پسند کیا۔ ایک اور روایت میں ہے ہم نے ان کے لیے واضح بیان کر دیا۔

حوالہ جات

(۱)　مسند احمد بن حنبل، ۳، ۱۴، ۱۷، ۲۶، ۴۵۹، ۳۶۷، ۳۷۱ ترمذی، الجامع الصحیح (سنن ترمذی) کتاب المناقب ۵۴۶، باب ۱۳۱ ابن مغازلی، المناقب، ۲۳۴، ۲۳۶ صحیح مسلم نے بھی اسی سے ملتے جلتے الفاظ میں اس روایت کو نقل کیا ہے ۳۲۶/۲

(۲)　حاکم نیشاپوری، المستدرك علی الصحیحین، ج ۳ ص ۱۲۴، طبرانی، المعجم الصغیر، ج ۱ ص ۲۵۵ متقی ھندی، کنز العمال، (طبع حلب) ج ۱۱ ص ۶۰۳

(۳)　ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج ۲، ص ۵۰۱، ابن حجر عسقلانی، تہذیب التہذیب، ج ۲، ص ۸_۴۸۵

(۴)　ابن سعد_ الطبقات الکبری، ج ۲، ص ۳۳۸، حاکم حسکانی، شواہد التنزیل ج ۱ ص ۴۵، حافظ ابی نعیم اصفہانی، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۴۲، ۶۸

(۵)　فتونی عاملی، مرآۃ الانوار (مقدمہ تفسیر برھان) ص ۱۵

(۶)　قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُو الْاَلْبَابِ (الزمر/ ۹)

(۷)　فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لاتَعْلَمُون (النحل/ ۴۳)

(۸)　لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (الواقعه/ ۷۹)

(۹)　الکلینی، ابوجعفر محمد بن یعقوب (م ۳۲۸/۳۲۹ ھ) الاصول الکافی مصحح غفاری علی اکبر، کتاب التوحید، باب معانی الاسماء واشتقاقها، ج ۱ ص ۱۱۴، ح ۱، دار الأضواء، بیروت

(۱۰)　ایضاً، باب فی ابطال الرؤیة، ج ۱ ص ۹۸، ح ۹

(۱۱)　ایضاً، باب النهی عن الصفة لغیر ماوصف به نفسه تعالیٰ، ج ۱ ص ۱۰۳، ح ۱۱

(۱۲)　ایضاً، باب معانی الاسماء واشتقاقها، ج ۱ ص ۱۱۵، ح ۵

(۱۳)　ایضاً، باب معانی الاسماء واشتقاقها، ج ۱ ص ۱۱۶، ح ۶

(۱۴)　ایضاً، باب الحرکة والانتقال، ج ۱ ص ۱۲۷، ح ۵

(۱۵)　ایضاً، باب الحرکة والانتقال، ج ۱ ص ۱۲۷، ح ۱

(۱۶)　ایضاً، باب الحرکة والانتقال، ج ۱ ص ۱۲۸، ح ۸

(۱۷)　ایضا، باب العرش والکرسی، ج ۱ ص ۱۳۲، ح ۳

(۱۸) ایضاً،باب الحرکة والا نتقال فی السماء اله ،ج۱،ص۱۲۸،۱۲۹،ح۱۰

(۱۹) ایضاً،باب العرش والکرسی ج۱،ص۱۳۲-۱۳۳،ح۷

(۲۰) ایضاً،باب باب الروح ،ج۱،ص۱۳۳،ح۱

(۲۱) ایضاً،باب باب الروح ،ج۱،ص۱۳۳،ح۲

(۲۲) ایضاً،باب باب الروح ،ج۱،ص۱۳۴،ح۲

(۲۳) ایضاً،باب النوادر،ج۱،ص۱۴۳،ح۱

(۲۴) ایضا،باب النوادر،ج۱،ص۱۴۳،ح۲

(۲۵) ایضا،باب النوادر،ج۱،ص۱۴۴،ح۴

(۲۶) ایضا،باب النوادر،ج۱،ص۱۴۵،۱۴۴،ح۶

(۲۷) ایضا،باب البداء ،ج۱،ص۱۴۶،۱۴۷،ح۲

(۲۸) ایضا،باب البیان والتعریف ولزوم الحجة ،ج۱،ص۱۶۳،ح۴

(۲۹) ایضا،باب الهدایة انها من الله عزوجل ج۱،ص۱۶۵،ح۲

(۳۰) ایضا،باب البیان والتعریف ولزوم الحجة،ج۱،ص۱۶۳،ح۳

☆☆☆☆☆

اعتذاز

نورمعرفت کے گزشتہ شمارے (جلد۲،شمارہ۲) میں مقالہ ''ڈاکٹر کی شرعی ذمہ داری'' حجۃ الاسلام حبیب اللہ طاہری صاحب کے فارسی مقالے کا ترجمہ تھا۔
حجۃ الاسلام سید حسنین عباس گردیزی صاحب نے اس مقالہ کا ترجمہ کیا ہے۔
لیکن سہواً مؤلف کی جگہ مترجم کا نام چھپ گیا ہے۔
جس کے لئے ادارہ معذرت خواہ ہے۔

محکم، متشابہ اور تأویل، علامہ طباطبائیؒ کی نظر میں

ڈاکٹر شیخ محمد حسنین☆
hasnain1971@yahoo.com

بحث کی اہمیت

قرآن کریم میں محکم، متشابہ اور تأویل کی بحث، ایک معرکۃ الآرا بحث ہے۔ علامہ طباطبائیؒ نے اپنی تفسیر "**المیزان فی تفسیر القرآن**" کی تیسری جلد میں اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ محکم و متشابہ کی بحث اتنی پرانی ہے کہ صحابہ اور تابعین کے ہاں بھی یہ بحث نظر آتی ہے۔ علامہ طباطبائیؒ کے ہاں اس بحث کی اہمیت اس لحاظ سے بھی بہت بڑھ جاتی ہے کہ خود انہوں نے محکم و متشابہ اور تأویل کی تفسیر میں جو نکتۂ نظر پیش کیا ہے، وہ ان کے بقول، نہ فقط اسلاف کی طرف سے پیش کیے جانے والے نظریات کے ساتھ میل نہیں کھاتا بلکہ اس سے یکسر مختلف بھی ہے۔ ذیل میں ہم یہ کوشش کریں گے کہ اس باب میں علامہؒ کی آرا کو قدرے اختصار کے ساتھ، آسان فہم پیرایوں میں قارئین کی خدمت میں پیش کر دیں۔

قرآنی آیات کی محکم و متشابہ میں تقسیم

قرآن کریم کی سورۂ مبارکۂ آل عمران کی آیت ۷، تمام قرآنی آیات کو دو عمدہ قسموں میں تقسیم کرتی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے:

هُوَ الَّذِی أَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتَابَ مِنْهُ آیَاتٌ مُحْکَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْکِتَابِ وَ أُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِینَ فِی قُلُوبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَاءَ تَأْوِیلِهِ وَ مَا یَعْلَمُ تَأْوِیلَهُ إِلَّا اللهُ وَ الرَّاسِخُونَ فِی الْعِلْمِ یَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ کُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَ مَا یَذَّکَّرُ إِلَّا أُوْلُوا الْأَلْبَابِ

☆محقق، استاذِ فلسفہ اسلامی، ڈائریکٹر شعبہ ترجمہ و تحقیق، نور الہدیٰ ٹرسٹ، بارہ کہو، اسلام آباد۔

یعنی: ''خدا وہی ہے جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی کہ جس میں سے بعض آیات محکم ہیں؛ یہی آیات اس کتاب کی اصل و اساس ہیں اور بعض دیگر آیات متشابہ ہیں۔ تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے سو وہ متشابہ آیات کی پیروی کرتے ہیں؛ اس غرض سے کہ فتنہ بپا کریں اور اس کی تأویل تلاش کریں؛ حالانکہ اس کی تأویل خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو لوگ علم میں راسخ مقام رکھتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم اُس پر ایمان لائے، سب کچھ خدا کی طرف سے ہے اور نصیحت تو فقط صاحبان عقل ہی پاتے ہیں۔'' ☆

یہاں علامہ طباطبائیؒ مذکورہ آیت میں ''أَنْـــزَلَ '' کے کلمے سے اس امر پر ایک ظریف استدلال پیش کرتے ہیں کہ محکم و متشابہ کی تقسیم کا تعلق قرآن کریم کی سب آیات سے ہے نہ کہ بعض آیات سے۔ چنانچہ ان کا کہنا یہ ہے کہ یہاں اس آیت میں چونکہ خداوند تعالی نے قرآن کریم کی ایک امر واحد کی حیثیت سے ایک خصوصیت بیان فرمانا تھی لہٰذا ''انزال'' کا کلمہ استعمال کیا ہے اور ''تنزیل'' کا کلمہ استعمال کرنے سے پرہیز کیا گیا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی وہ کونسی خصوصیت تھی جس کا بیان اس امر کا تقاضا کرتا تھا کہ مذکورہ بالا آیت میں ''أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ '' کے الفاظ استعمال کیے جائیں نہ کہ '' نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ '' کے الفاظ؟ تو جواب یہ ہے کہ وہ خصوصیت، قرآن کریم کی تمام آیات کی دو قسموں یعنی محکم و متشابہ میں تقسیم ہی تھی اور ''انزال'' کے لفظ نے بھی گویا اس امر کی ترجمانی کر دی کہ یہ حکم، قرآن کریم کی سب آیات کا ہے نہ کہ بعض آیات کا۔

خلاصہ یہ کہ قرآن کریم کی سب آیات نہ محکم ہیں، نہ متشابہ، بلکہ بعض آیات محکم ہیں اور بعض متشابہ۔ نیز یہ کہ متشابہ آیات، محکم آیات کی طرف لوٹتی ہیں اور انہی کی روشنی میں معنی و مفہوم پاتی ہیں۔ پس سب سے پہلی اور قطعی بات یہ ہے کہ قرآن کریم کی بعض آیات محکم ہیں اور بعض متشابہ۔

قرآن کا محکم، متشابہ سے منافات نہیں رکھتا

علامہ طباطبائیؒ فرماتے ہیں کہ عربی زبان میں محکم، کسی ایسی چیز پر بولا جاتا ہے جو فاسد نہ ہوتی ہو اور نہ ہی خلل پذیر ہو۔ یہی وجہ ہے کہ قضاوت کے باب میں صادر کیے جانے والے قطعی فیصلوں کو ''حکم'' کہا جاتا ہے۔ نیز یہی وجہ ہے کہ ایسے علم و دانائی کو بھی ''حکمت'' کہا جاتا ہے جو ٹھوس دلائل و براہین پر استوار ہو اور بطلان پذیر

☆۔ یاد رہے آیۂ شریفہ کا مذکورہ ترجمہ علامہ طباطبائیؒ کے نکتۂ نظر سے پیش کیا گیا ہے۔ تفصیلات جاننے کیلئے تفسیر المیزان میں مربوطہ بحث ملاحظہ فرمائیے!

نہ ہو۔ بنابرایں، اگر قرآن کریم کی بعض آیات کی صفت ''محکم'' بیان کی گئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ آیات، اپنے معنی و مفہوم کے لحاظ سے قطعی آیات ہیں اور ان کے معانی میں کسی قسم کا شک وشبہ اور تشابہ نہیں پایا جاتا۔

یہاں ممکن ہے یہ کہا جائے کہ قرآن کریم کی تو سب آیات محکم ہیں؛ کیونکہ سورۂ مبارکہ ہود کی پہلی آیت میں خود قرآن کریم کا ارشاد ہے: '' **كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ** '' یعنی: ''[قرآن کریم ایک] ایسی کتاب ہے جس کی آیات کو محکم قرار دیا گیا ہے اور پھر انہیں حکیم وخبیر ذات کی طرف سے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔'' تو یہ آیۂ شریفہ پورے قرآن کریم کو ایک محکم کتاب قرار دے رہی ہے۔ اب اگر قرآن کریم کی بعض آیات متشابہ ہوں تو اس کا لازمہ یہ ہے کہ پورا قرآن کریم محکم نہ ہو اور یہ ایک کھلا تناقض ہے کہ پورا قرآن کریم محکم ہو بھی اور نہ بھی ہو۔

لیکن علامہؒ کے نزدیک یہاں ایسا کوئی تناقض نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ سورہ ہود کی مذکورہ آیت جہاں قرآن کے محکم ہونے کی بات کر رہی ہے، عین اسی وقت تحکیم کے بعد ''تفصیل'' کی بات بھی کر رہی ہے۔ اور یہ بات اس امر کی دلیل ہے کہ یہاں اِحکام سے مراد، کتاب کے حالات میں سے ایک حالت کا بیان ہے۔ اور وہ حالت عبارت ہے اُس کیفیت سے جو قرآن کریم پر اس کے نزول سے قبل حاکم تھی۔

گویا سورۂ مبارکہ ہود کی مذکورہ آیت میں قرآن کریم کی اُس حالت کی بات ہو رہی ہے جب قرآن واحد تھا اور سوروں اور آیتوں میں تقسیم نہیں ہوا تھا اور نہ ہی اس کی آیات نے کثرت کا لباس پہنا تھا۔ اور ایسا تب تھا جب قرآن کریم نہ نازل ہوا تھا اور نہ ہی الفاظ وآیات میں ڈھلا تھا۔ اور جہاں تک سورۂ آل عمران کی مورد بحث آیت کا تعلق ہے تو اس میں جس محکم ومتشابہ کی بات ہوئی ہے وہ قرآنی حقیقت پر اس کے نزول کے بعد عارض ہونے والی ایک حالت کا بیان ہے۔ بنابرایں، یہاں تناقض نہیں ہے کیونکہ اہل منطق کے الفاظ میں یہاں موضوع واحد نہیں ہے؛ جبکہ تناقض میں موضوع کی وحدت شرط ہوتی ہے۔ نیز قرآن کریم کی آیات میں تشابہ کے پائے جانے کا لازمہ قطعاً یہ نہیں ہے کہ قرآن کریم ایک محکم کتاب نہیں ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

اگر علامہ طباطبائیؒ پر یہ اشکال کیا جائے کہ قرآن کریم کی ایک صفت، اس کی تمام آیات کے درمیان پائی جانے والی مشابہت ہے۔ کیونکہ سورۂ مبارکہ الزمر کی آیت ۲۳ میں ارشاد پروردگار ہے: ''**اَللّٰهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَثَانِيَ....**'' الآیہ یعنی: ''اللہ نے بہترین کلام نازل کیا ہے؛ ایک ایسی

کتاب کی صورت میں کہ جس کی آیات باہم مشابہ اور مکرر ہیں...'' اور اس مشابہت کا لازمہ یہ ہے کہ اگر قرآن کریم کی بعض آیات محکم ہیں تو پھر سب آیات کو محکم ہونا چاہیے اور اگر بعض متشابہ ہیں تو پھر سب آیات کو متشابہ ہونا چاہیے۔ پس یہ نہیں ہوسکتا کہ قرآن کریم کی بعض آیات محکم ہوں اور بعض متشابہ۔

اس احتمالی اشکال کے حوالے سے علامہؒ کا مؤقف یہ ہے کہ سورہ آل عمران کی آیت ۷ اور سورہ الزمر کی آیت ۲۳ میں ''تشابہ'' کا کلمہ ایک معنی میں استعمال نہیں ہوا۔ کیونکہ سورہ آل عمران کی آیت ۷ میں ''تشابہ'' سے مراد، کسی آیت کے مفہوم کا اکیلے میں سامع پر واضح نہ ہونا اور تنہا ایک محکم آیت کی طرف رجوع کے بعد واضح ہونا ہے۔ جبکہ سورہ الزمر کی آیت ۲۳ میں ''تشابہ'' سے مراد یہ ہے کہ جس مطلب کے بیان کیلئے قرآن کریم نازل ہوا ہے، قرآن کی سب آیات بھی اُس مطلب کے بیان میں باہم ہماہنگ ہیں۔

پس سورہ الزمر میں جس تشابہ کی بات ہوئی ہے وہ پورے قرآن کا کتاب ہدایت ہونے اور ہماہنگ مطالب کے بیان میں تشابہ ہے۔ لیکن جس تشابہ کی بات سورہ آل عمران میں ہوئی ہے اس سے مراد بعض آیات کا اپنے معنی و مفہوم میں صریح نہ ہونا ہے۔ اور اس امر پر دلیل یہ کہ یہاں تشابہ، ''محکم'' کے مقابلے میں ذکر ہوا ہے۔ نیز جن آیات کو متشابہ قرار دیا گیا ہے ان کی پیروی کرنے والوں کو فتنہ گر، کج دل قرار دیا گیا ہے۔

علامہؒ کے نزدیک '' **امُّ الکتاب**''، میں ''امّ'' کا ''الکتاب'' کی طرف اضافہ بھی لامیہ نہیں ہے۔ یہاں ''امّ'' کی اضافت ''الکتاب'' کی طرف وہ نہیں ہے جو ''امّ الاطفال'' میں ہے۔ یعنی جس طرح ''امّ الاطفال'' میں اضافت، عمومیت اور استغراق کا معنی دیتی ہے، '' **امُّ الکتاب**'' میں ایسا نہیں ہے؛ بلکہ یہاں اضافہ ''**میمیہ**'' ہے؛ جس طرح کہ '' **فقهأ القدماء**''، میں فقہأ کا ''القدمأ'' کی طرف اضافہ۔ جس طرح '' **فقهأ القدماء**''، میں سب فقہأ نہیں بلکہ فقہأ میں سے بعض (قدمأ) ہی مراد ہیں، اسی طرح '' **امُّ الکتاب**''، میں بھی کتاب سے مراد قرآن کریم کی سب آیات نہیں بلکہ فقط متشابہ آیات ہی مراد ہیں اور محکم آیات انہی آیات کیلئے مرجع ہیں۔ پس '' **امُّ الکتاب**'' کا اضافہ بھی اس امر کا بیانگر ہے کہ قرآن کریم کی بعض آیات محکم ہیں اور بعض دیگر متشابہ۔

تشابہ کا معنی و مفہوم

اب دیکھنا یہ ہے کہ تشابہ کا معنی و مفہوم کیا ہے؟ علامہؒ نے تشابہ کی جو تعریف نقل فرمائی ہے، وہ یہ ہے: '' **تَوَافُقُ أَشْيَاءٍ مُخْتَلِفَةٍ وَ اتِّحَادُهَا فِيْ بَعْضِ الْاَوصَافِ وَ الْكَيْفِيَّاتِ**''۔ یعنی: ''مختلف اشیأ کا

بعض اوصاف و کیفیّات میں باہمی توافق اور اتحاد، تشابہ کہلاتا ہے۔'' اب اگر سورہ الزمر میں کتاب الٰہی کی یہ وصف بیان ہوئی ہے کہ وہ متشابہ ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن کریم کی سب آیات میں اُس مطلب کے بیان میں مکمل ہماہنگی پائی جاتی ہے جس کے بیان کی غرض وغایت سے قرآن کریم نازل ہوا ہے اور اس لحاظ سے سب آیات ایک ہی نسق اور قاعدے پر نازل ہوئی ہیں۔ لیکن سورہ آل عمران ۷/ آیت میں تشابہ سے مراد، کسی آیت کے مفہوم کا اکیلے میں سامع پر واضح نہ ہونا اور تنہا ایک محکم آیت کی طرف رجوع کے بعد واضح ہونا ہے۔

مثال کے طور پر سورۂ طٰہٰ کی آیت ۵/: '' **الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى** ''(۱) میں استوأ کا معنی و مفہوم واضح نہیں ہے۔ لیکن جب اس آیت کی تلاوت کرنے والا، سورۂ الشوری کی آیت ۱۱/: ''**لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ** ''(۲) کی تلاوت کرتا ہے تو اس پر واضح ہو جاتا ہے کہ یہاں ''استوأ'' سے مراد، اٹھنے بیٹھنے کی کوئی حالت نہیں بلکہ اس سے مراد، قدرت و سلطنت ہے۔ لہٰذا یہاں ''استوأ'' کسی مکان کا سہارا لینے اور اس پر تکیہ لگانے کا معنی نہیں دے رہا کہ جس کا لازمہ جسم و جسمانیت ہو، بلکہ احاطے، قدرت اور سلطنت کا معنی دے رہا ہے۔

اسی طرح اگر سورۂ مبارکہ القیامہ کی آیت ۲۳/: '' **إِلَى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ** '' (۳) کو اکیلے میں دیکھا جائے تو اس کا معنی و مفہوم واضح نہیں ہے۔ لیکن جب اسی آیت کو سورۂ انعام کی آیت ۱۰۳/: '' **لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ**'' (۴) کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے تو اس کا معنی واضح ہو جاتا ہے اور یہ امر آشکار ہو جاتا ہے کہ یہاں دیکھنے سے مراد ظاہر کی آنکھ سے دیکھنا نہیں، بلکہ اس سے مراد باطن کی آنکھ سے بصیرت کا دیکھنا ہے۔ منسوخ آیات کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے کہ جب انہیں ناسخ آیات کے تناظر میں دیکھا جائے تو ان کا معنی و مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔

محکم و متشابہ کا معیار

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی آیات کی محکم و متشابہ میں تقسیم کا معیار کیا ہے؟ کن آیات کو محکم آیات قرار دیا جائے اور کن آیات کو متشابہ؟ علامہ طباطبائیؒ کے ہاں اس سوال کا جواب ایک مقدمہ کے بیان پر منحصر ہے۔ وہ مقدمہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیات میں سے کوئی آیت بھی بے معنی و مفہوم نہیں ہے۔ قرآن کریم کی ہر آیت کا ایک معنی و مفہوم ہے۔ لیکن اپنے معنی و مفہوم پر دلالت کے لحاظ سے آیات دو قسم کی ہیں۔

۱۔ یعنی: ''وہ رحمٰن جس نے عرش پر اقتدار قائم کیا۔''　　۲۔ یعنی: ''کوئی چیز اس کی مثل کی مانند نہیں ہے۔''

۳۔ یعنی: ''وہ اپنے ربّ کی (رحمت کی) طرف دیکھ رہے ہوں گے۔''　　۴۔ یعنی: ''نگاہیں اسے نہیں پا سکتیں جب کہ وہ نگاہوں کا پالیتا ہے۔''

بعض آیات کی دلالت اپنے معانی پر اتنی واضح ہے کہ اُن معانی سے ہٹ کر کوئی اور معنی قاری کے ذہن میں آتا ہی نہیں ہے۔ ایسی آیات، یقیناً محکمات کے زمرے میں شمار ہوتی ہیں۔ لیکن بعض آیات کئی ایسے معانی پر دلالت کرتی ہیں کہ علامہؒ کے بقول: "**یلتبس بعضها ببعض**"۔ یعنی بعض معانی، بعض دیگر معانی کی جگہ لے رہے ہوتے ہیں اور قاری یہ تشخیص نہیں دے پاتا کہ یہاں کونسا معنی مراد ہے۔

ان آیات کا معاملہ دو حالتوں سے خالی نہیں ہے۔ یا تو یہ کہا جائے کہ یہ آیات کسی خاص معنی پر دلالت ہی نہیں کرتیں۔ لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا؛ کیونکہ اس صورت میں کلام الٰہی بے معنی رہ جائے گا اور آیات قرآن بلا دلالت۔ یا پھر یہ کہا جائے ایسی آیت کے محتمل معانی میں سے کوئی ایک معنی مراد ہے۔ لیکن اس صورت میں اس معنی کی تعیین کا مسئلہ درپیش آتا ہے۔ یعنی کیسے معین کیا جائے کہ اس آیت کی دلالت کس معنی پر ہے؟ یا علامہؒ کے الفاظ میں کیسے پتہ چلے کہ ''حقّ المراد'' کیا ہے؟

جواب یہ ہے کہ وہ تمام معانی جن پر آیت کے الفاظ دلالت کرتے ہوں، حق المراد نہیں ہو سکتے۔ بلکہ تنہا وہی معانی مراد ہو سکتے ہیں جو توحید، نبوت، احکام شریعت کی تشریع اور معاد جیسے مسلمہ قرآنی اصولوں سے ہماہنگ ہوں۔ بنأ برایں، ایسی آیات کے معانی کی تعیین، تنہا ان آیات کے معانی کے تناظر میں کی جا سکتی ہے جو مسلمہ قرآنی تعلیمات اور اصولوں کی بیانگر ہوں۔ یوں قرآن کی بعض آیات اُس کی بعض دیگر آیات کی توضیح و تفسیر پیش کرتی ہیں اور ان کے معانی معین کرتی ہیں۔ یہاں سے محکم و متشابہ کی تعیین کا یہ معیار ہمارے ہاتھ آ جاتا ہے کہ محکمات، وہ آیات ہیں جن میں مسلمہ قرآنی اصول بیان ہوئے ہیں اور متشابہات، وہ آیات ہیں جن کا معنی محکمات کی طرف رجوع کے بعد معیّن ہوتا ہے۔

قرآن میں تشابہ کیوں؟

اگر کوئی یہ پوچھے کی مسلمہ قرآنی اصولوں کی روشنی میں متشابہ آیات کی تفسیر تو اپنی جگہ ٹھیک، لیکن آیا اس کا لازمہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی بعض آیات ضروری طور پر متشابہ ہی ہوں؟ تو جواب یہ ہے کہ جی ہاں! قرآن کریم میں تشابہ کا پایا جانا ضروری ہے۔ لیکن اس لیے نہیں کہ قرآن کریم کے بیان میں کوتاہی پائی جاتی ہے، بلکہ اس لیے کہ انسانی فہم میں کوتاہی پائی جاتی ہے۔ یہ کوتاہی کیوں اور کیسے پیدا ہوتی ہے؟ اس سوال کے جواب میں علامہؒ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں تشابہ کے پائے جانے کی اساسی وجہ، درج ذیل دو قسم کی قرآنی تعلیمات ہیں:

۱۔ایک، وہ تعلیمات جو بہت عالی مطالب پر مشتمل ہیں اور انسان اپنے حواسِ خمسہ کی مدد سے ان کا ادراک نہیں کرسکتا۔ یہ تعلیمات نہ تو مادی پیمانوں پر تولی جاسکتی ہیں اور نہ ہی عام افہام اُن کا احاطہ کرسکتے ہیں۔ لہٰذا یہ تعلیمات جب ایسے انسان کے سامنے رکھی جاتی ہیں کہ جس کا ذہن فقط محسوسات اور مادیات سے مأنوس ہے، تو وہ اِن غیر مادی تعلیمات کو بھی اپنے ذہن کے بنائے ہوئے اُن مادی سانچوں میں ڈھالنا شروع کر دیتا ہے جن میں وہ مادی معانی و مفاہیم کو ڈھالتا ہے۔ لہٰذا ایسے شخص کے سامنے جب ''إِنَّ رَبَّکَ لَبِالْمِرْصَادِ'' (۱) یا ''وَ جَاءَ رَبُّکَ وَ الْمَلَکُ صَفًّا صَفًّا ''(۲) جیسی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو اُس کے ذہن میں ان آیات کے الفاظ سے فوری طور پر اجسام کے اوصاف وخواص لپکنے لگتے ہیں اور وہ خداوند تعالی کی طرف جسم کے خواص کی نسبت دینے لگتا ہے۔

لیکن اگر انسان اُن مسلمہ قرآنی اصولوں کی طرف رجوع کرے جو خداوند تعالی کو جسم اور جسمانیت سے پاک ومنزہ قرار دیتے ہیں تو قاری پر ان آیات کے معانی واضح ہو جاتے ہیں اور وہ سمجھ لیتا ہے کہ یہاں پروردگار کے آنے سے مراد، خود خدا کا کسی ظاہری جسم میں چل کر آنا نہیں، بلکہ مراد ''امر الٰہی'' کا آنا ہے۔

پس تشابہ کے وجود میں آنے کا اصل سبب، انسانی فہم کا قصور ہے۔ اور اگر انسانی فہم قاصر نہ ہو تو اس کیلئے وہی آیت محکم بن جاتی ہے جو قاصر افہام کیلئے متشابہ ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے اس حقیقت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے: ''أَنزَلَ مِنْ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا ''(۳) تو گویا جس طرح ہر ندی اپنی ظرفیت کے مطابق اپنے دامن میں بارش کا پانی لیتی ہے، اسی طرح ہر انسانی فہم بھی اپنی ظرفیت کے مطابق قرآنی مطالب اخذ کرتا ہے۔ اور انسانی افہام کی تنگی، درحقیقت قرآنی آیات میں تشابہ کا سبب بن جاتی ہے۔

۲۔قرآن کریم کی تعلیمات کی دوسری قسم، وہ ہے جس کا تعلق انسان کے اجتماعی اور معاشرتی مسائل سے ہے۔ یعنی وہ آیات جن میں شریعت کے اجتماعی قوانین بیان ہوئے ہیں۔ انسان کی اجتماعی زندگی کی حقیقت یہ ہے کہ اس میں وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔ لہٰذا بدلتے اوضاع واحوال کے ساتھ ساتھ، اجتماعی قوانین واحکام بھی بدلتے رہتے ہیں۔

۱۔یعنی: ''بے شک تیرا پروردگار کمین میں ہے'' (فجر/۱۴)

۲۔یعنی: ''اور تیرے پروردگار [کا امر] آیا اور ملائکہ صفیں باندھے کھڑے ہوگئے'' (فجر/۲۲)

۳۔یعنی: ''[خدا نے] آسمان سے پانی نازل فرمایا؛ پس اس سے ندیاں اپنی ظرفیت کے مطابق بہہ نکلیں...'' (الرعد/۱۷)

اس حقیقت کے مدّنظر قرآن کریم کی آیات جو کہ کم وبیش ۲۳ رسال کے عرصہ میں وقفوں وقفوں سے نازل ہوئیں، انسان کے اجتماعی اوضاع واحوال کے بدل جانے کے سبب، بعض آیات منسوخ ہوگئیں اور ان کی جگہ ناسخ آیات نے لے لی۔ ناسخ ومنسوخ کا یہ سلسلہ بھی قرآنی آیات میں تشابہ کا سبب بنا۔ یہاں بھی تشابہ، درحقیقت، قرآنی بیان کے قاصر ہونے سے ایجاد نہیں ہوا، بلکہ انسان کے اجتماعی حالات کے بدل جانے کی وجہ سے ایجاد ہوا ہے۔ یہاں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ قرآن بدل گیا، بلکہ دراصل، انسانی حالات کے بدل جانے سے انسانی معاشرہ کی مصلحتیں بدلیں، مصلحتوں کے بدلنے سے شرعی قوانین واحکام بدلے اور احکام کے بدلنے سے آیات بدلیں اور یوں تشابہ وجود میں آیا۔

بنابرایں، قرآن کریم کی آیات میں تشابہ کے آجانے کا ایک اور سبب یہ ہے کہ جب ناسخ ومنسوخ سے ناآشنا انسان بعض آیات کو بعض دیگر سے بظاہر ٹکراتا دیکھتا ہے تو اُس پر معاملہ مشتبہ ہو جاتا ہے اور قرآنی آیات متشابہ۔ لیکن یہی انسان جب منسوخ آیات کو ناسخ آیات کی طرف لوٹا دیتا ہے تو منسوخ آیات کا معنی ومفہوم بھی اس پر واضح ہو جاتا ہے۔

تأویل وتشابہ

قرآن کریم میں محکم ومتشابہ کی بحث سے مربوط ایک اور بحث، تأویل کی بحث ہے۔ تأویل کی بحث کا محکم ومتشابہ کی بحث سے رابطہ، خود قرآن کریم نے جوڑا ہے۔ چنانچہ سورۂ مبارکہ آل عمران کی آیت ۷ میں ارشاد فرماتا ہے:

"هُوَ الَّذِی أَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتَابَ مِنْهُ آیَاتٌ مُحْکَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْکِتَابِ وَ أُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِینَ فِی قُلُوبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَاءَ تَأْوِیلِهِ وَ مَا یَعْلَمُ تَأْوِیلَهُ إِلاَّ اللهُ وَ الرَّاسِخُونَ فِی الْعِلْمِ یَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ کُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَ مَا یَذَّکَّرُ إِلاَّ أُوْلُوا الْأَلْبَابِ"

یعنی: ''خدا وہی ہے جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی کہ جس میں سے بعض آیات محکم ہیں؛ یہی آیات اس کتاب کی اصل واساس ہیں اور بعض دیگر آیات متشابہ ہیں۔ تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے، سو وہ متشابہ آیات کی پیروی کرتے ہیں، اس غرض سے کہ فتنہ بپا کریں اور اس کی تأویل تلاش کریں؛ حالانکہ اس کی تأویل خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اور

وہ لوگ جو علم میں راسخ مقام رکھتے ہیں یہ کہتے ہیں کہ ہم اُس پر ایمان لائے، سب کچھ خدا کی طرف سے ہے اور نصیحت تو فقط صاحبان عقل ہی پاتے ہیں۔''

اس آیۂ شریفہ میں کج دلوں کی طرف سے متشابہ آیات کی پیروی کا ہدف، فتنہ پردازی اور تأویل تک دسترسی کا زعم قرار دیا گیا ہے۔ گویا جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے، وہ متشابہ آیات کی تأویل سے آشنائی کا گھمنڈ رکھتے ہیں؛ حالانکہ متشابہ آیات کی تأویل سے فقط خدا آشنا ہے یا وہ صاحبان ایمان کہ جو علم میں راسخ مقام پر فائز ہیں۔

اس آیۂ شریفہ سے جہاں کج دلوں کی متشابہ آیات کی پیروی کی غرض و غایت کا پتہ چل رہا ہے، وہاں متشابہ آیات کی ایک خصوصیت بھی سامنے آرہی ہے اور وہ یہ کہ متشابہ آیات کی کوئی نہ کوئی تأویل پائی جاتی ہے۔ اور خدا اور خدا کے وہ صاحبان ایمان بندے جو علم میں راسخ مقام رکھتے ہیں، اس تأویل سے آشنا ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو بھی متشابہ آیات کی تأویل سے آشنا ہو، وہ ان آیات کے معنی و مفہوم کے فہم میں کسی مشکل کا شکار نہیں ہوتا۔ اگرچہ اس آیت کا ابتدائی ظہور انہی معانی میں ہے لیکن یہاں سوال یہ ہے کہ آیا تأویل فقط متشابہ آیات میں پائی جاتی ہے؟ نیز یہ کہ تأویل سے مراد کیا ہے؟ ان سوالات کے جواب میں علامہؒ کا دعوی یہ ہے کہ تأویل فقط متشابہ آیات میں نہیں بلکہ محکم آیات میں بھی پائی جاتی ہے۔ نیز یہ کہ تأویل سے مراد وہ سرچشمہ اور منبع ہے کہ جو شخص بھی اس سرچشمہ تک پہنچ جائے، اُس کیلئے کسی بھی آیت کا فہم مشکل نہیں رہتا۔ لیکن واضح سی بات ہے کہ تأویل کا موضوع اتنا آسان فہم نہیں کہ اس کے بیان میں اسی ایک جملے پر اکتفأ کر لیا جائے۔ یقیناً یہی وجہ ہے کہ علامہ طباطبائیؒ نے اس بحث کو درج ذیل مراحل میں نبھایا ہے:

قرآن کریم میں ''تأویل'' کا استعمال

قرآن کریم کی کئی آیات میں ''تأویل'' کا موضوع زیرِ بحث آیا ہے۔ مثال کے طور پر سورۂ مبارکہ اعراف کی آیت ۵۳ میں ارشاد باری تعالی ہے: '' **هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا تَأْوِيلَهُ يَوْمَ يَأْتِي تَأْوِيلُهُ يَقُولُ الَّذِينَ نَسُوهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ...**'' الآیہ یعنی: ''آیا یہ لوگ صرف اس کتاب [کی تعلیمات] کے انجام کار کے انتظار میں ہیں؟ جس دن وہ انجام کار سامنے آئے گا تو وہ لوگ جو اس سے پہلے اسے بھولے ہوئے تھے کہیں گے: ہمارے پروردگار کے پیغمبر حق لے کر آئے تھے...''

علامہ طباطبائیؒ کے مطابق اس آیت میں ''تأویل'' کا کلمہ ان حقائق کے بارے میں استعمال ہوا ہے

جن کی خبر نبی اکرم ﷺ نے دی ہے اور یہ حقائق قیامت کے دن کھل کر سب کے سامنے آ جائیں گے۔ لہٰذا اس آیت کی روشنی میں بعض لوگوں نے ''تأویل'' کی تعریف میں کہا ہے کہ: ''تأویل سے مراد، وہ خارجی حقیقت ہوتی ہے جو کسی سچی خبر کا مصداق ٹھہرے۔'' لیکن علامہؒ اس تعریف کو اس دلیل کی بنیاد پر ردّ فرماتے ہیں کہ اگر تأویل سے مراد یہی ہو تو پھر تأویل، فقط قیامت کے احوال کی پیش گوئی کرنے والی آیات سے مختص رہ جائے گی؛ حالانکہ سورۂ آل عمران کی آیت/۷ میں تأویل کو پوری کتاب کی طرف نسبت دی گئی ہے۔ جیسا کہ سورۂ مبارکہ یونس کی آیت/۳۹ میں بھی تأویل کو پوری کتاب اور کتاب کی تمام آیات کی طرف نسبت دی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَ لَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ كَذَلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ'' یعنی: ''بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اس چیز کو جھٹلایا جوان کے علم کے احاطے میں آئی ہی نہیں ہے اور نہ ہی ان کے پاس اس [کتاب] کی تأویل آئی ہے۔ اسی طرح ان سے پہلے والوں نے بھی جھٹلایا تھا، پھر دیکھ لو ان ظالموں کا کیا انجام ہوا۔''

اس آیت کے تناظر میں بعض لوگوں نے تأویل کی تعریف یہ کی ہے کہ: ''تأویل، اس خارجی اور عینی امر کا نام ہے جس پر کلام کا تکیہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر کلام، خبری ہو تو وہ خارجی حقیقت، واقعہ اور حادثہ اُس کلام کی تأویل کہلائے گا جس کے بارے میں یہ کلام خبر دے رہی ہے۔ اور اگر یہ کلام خبری نہیں بلکہ انشائی ہو (جیسا کہ آیات الاحکام ''انشائی'' کلام ہیں) تو تأویل سے مراد، عالم خارج میں تحقق پانے والے وہ مصالح و مفاسد ہوں گے جو ان احکام پر عمل کا لازمی نتیجہ ہوتے ہیں۔ جیسا کہ سورۂ مبارکہ الاسراٗ کی آیت/۳۵ میں ارشاد فرماتا ہے: ''وَ اَوْفُوْا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَ زِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَ أَحْسَنُ تَأْوِيلاً'' یعنی: ''اور تم ناپتے وقت پیمانے کو پورا کر کے دو اور جب تولو تو ترازو سیدھی رکھو؛ بھلائی اسی میں ہے اور انجام بھی اس کا زیادہ بہتر ہے۔'' تو یہاں پیمانے کو پورا پورا تولنے کی تأویل، درحقیقت وہی مصلحت ہے جو پورا تولنے میں پائی جاتی ہے؛ یعنی: ''انسانی معاشرے کا استحکام اور لین دین کے امور کی درستگی''۔

لیکن علامہ طباطبائیؒ، تأویل کی مذکورہ تعریف کو بھی پسند نہیں فرماتے۔ کیونکہ اگر تأویل کی مذکورہ تعریف مان لی جائے تو سب سے پہلے یہ لازم آتا ہے کہ تأویل، نام ہو فقط اُس خارجی اثر اور عینی حقیقت کا جو انسانی معاشرہ کے افراد کے کسی فعل کا نتیجہ ہے؛ جب کہ ایسا نہیں ہے۔ اور دوسری مشکل یہ ہے کہ جب ایک

بات کی بازگشت کئی امور کی طرف ممکن ہو تو ہر امر کی طرف بازگشت، تأویل نہیں کہلاتی؛ بلکہ تنہا ایک مخصوص امر کی طرف بازگشت ہی ''تاویل'' کہلاتی ہے۔

جیسا کہ قرآن کریم میں حضرت موسیٰ - اور حضرت خضر - کے قصہ میں ارشاد فرماتا ہے: "سَأُنَبِّئُکَ بِتَأْوِیلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَیْهِ صَبْرًا" یعنی: ''جلد میں آپ کو ان باتوں کی تأویل بتاتا ہوں''۔ تو اس قصہ میں حضرت موسیٰ - نے حضرت خضر - کے تین کارنامے دیکھے۔ پہلا، مسکینوں کی کشتی میں سوراخ کرنا، دوسرا، ایک لڑکے کا قتل اور تیسرا، کوئی اجرت لیے بغیر یتیم بچوں کی دیوار کھڑی کرنا۔ اب ان تین واقعات کو کئی عنوان دیے جاسکتے تھے۔ یا دوسرے الفاظ میں ان واقعات کی بازگشت کئی امور کی طرف ہوسکتی تھی۔ لیکن حضرت موسیٰ - نے ان واقعات کو جو عنوان دیے وہ یہ تھے:

۱۔ اہل سفینہ کی ہلاکت کا سبب مہیا کرنا؛

۲۔ ایک نفس زکیہ کا قتل؛

۳۔ بغیر اجرت لیے اُن لوگوں کی دیوار کھڑی کرنا تھا کہ جو کھانا کھلانے کیلئے بھی آمادہ نہ تھے۔

لیکن آیا واقعا حضرت خضر - کے ہاتھوں انجام پانے والے ان واقعات کی بازگشت انہی عناوین کی طرف تھی؟ اور آیا یہ عناوین، ان واقعات کی تأویل قرار پاسکتے تھے؟ یقیناً نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ان واقعات کو یہ عنوان دیے جاسکتے ہیں لیکن یہ عنوان، ان واقعات کی تأویل نہیں تھے۔ اس لیے کہ تأویل، ہر وہ عنوان نہیں ہوتا جو کسی قول یا فعل کو دیا جاسکتا ہو، بلکہ کسی قول و فعل کی تأویل تو فقط وہ خاص عنوان ہی قرار پاسکتا ہے جو حقیقت میں بھی اس قول و فعل کا سرچشمہ ہو۔

لہٰذا ان واقعات کی تأویل سے فقط حضرت خضر - ہی آشنا تھے اور جب حضرت موسیٰ - کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تو حضرت خضر - نے ان واقعات کی تأویل سے پردہ اٹھایا اور انہیں باخبر کر دیا کہ ان واقعات پر جو عنوان صادق آتے ہیں وہ اہل سفینہ کی ہلاکت کا سبب مہیا کرنا، نفس زکیہ کا قتل اور بلاسود و منفعت اور بغیر کسی دلیل کے کسی کی دیوار کھڑی کرنا نہیں، بلکہ ان واقعات کے اصل عناوین، مسکینوں کی کشتی کو غصب ہونے سے بچانا، بوڑھے مؤمن والدین کیلئے بدکردار اور کافر اولاد کی جگہ ایک نیک اور صالح اولاد کی جاگزینی اور دو یتیم بچوں کے خزانے کو محفوظ بنالینا ہیں۔ پس حضرت خضر - کے کاموں کا مرجع اور متعلق وہ عنوان نہیں تھے جو حضرت موسیٰ - نے سمجھے بلکہ وہ عنوان تھے جو خود حضرت خضر - نے دیے۔ نیز حضرت خضر - نے یہ

بات بھی واضح کردی کہ انہوں نے یہ کام اپنی طرف سے نہیں (وَ مَا فَعَلْتُهُ عَنْ اَمْرِیْ) بلکہ پروردگار عالم کے حکم سے انجام دیے ہیں۔

علامہ طباطبائیؒ فرماتے ہیں کہ سورۂ یوسف کی کئی آیات اور قیامت کے متعلق کئی آیات میں بھی تأویل کا لفظ کچھ ایسے ہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اس بحث سے علامہؒ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ:

۱۔ کسی بھی آیت کے تأویل پر مشتمل ہونے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ آیت حتمی طور پر متشابہ بھی ہو۔

۲۔ تأویل فقط متشابہ آیات کی نہیں ہوتی بلکہ پورا قرآن (بشمول محکمات) تأویل رکھتا ہے۔

۳۔ تأویل، اُن **مفاہیم** کا نام نہیں ہے جن پر کسی آیت کے الفاظ دلالت کرتے ہیں، بلکہ تأویل تو خارجی اور عینی حقائق کا نام ہے۔ لہٰذا اگر آیات کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ تأویل رکھتی ہیں تو یہ وصف بحال متعلق ہے۔ یعنی جن مفاہیم کو یہ آیات بیان کرتی ہیں، وہ مفاہیم، عینی مصادیق کی ترجمانی کرتے ہیں۔(۱)

جہاں تک تأویل سے کسی لفظ کے ظاہری معنی کی بجائے ایک ایسا معنی مراد لینے کا تعلق ہے کہ جس پر الفاظ کا ظاہر دلالت نہ کرتا ہو، تو علامہؒ کے نزدیک، تأویل کا یہ معنی، نومولود ہے اور قرآن کے نزول کے بعد وجود میں آیا ہے۔ لہٰذا علامہؒ کے نزدیک سورۂ مبارکہ آل عمران کی آیت ۷ میں تأویل سے مراد قطعاً یہ نہیں ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ آیات کیلئے ایسے معانی تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں جن پر آیات کے الفاظ کے ظواہر دلالت نہیں کرتے۔ لہٰذا " وَ ابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ " کی تفسیر میں بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ کج دل افراد، متشابہ آیات سے ان کے ظاہری معنی مراد لینے کی بجائے کوئی اور معنی تلاش کرنے کے خواہشمند ہوتے ہیں، غلط فہمی کا نتیجہ ہے اور یہ معنی مراد لینے پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

نقد اقوال

مذکورہ بحث کے بعد علامہ طباطبائیؒ ایک تفصیلی بحث کے ضمن میں محکم و متشابہ اور تأویل کے باب میں اُن مفسرین کے اقوال پر نقد و تبصرہ فرماتے ہیں کہ جن کی رائے، خود علامہؒ کی رائے سے مختلف ہے:

۱۔ ان اقوال میں سے سب سے پہلا قول جو ابن عباس کی طرف منسوب ہے یہ ہے کہ قرآن کریم میں تنہا تین آیات (قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ... الآیات، سورۂ انعام/۱۵۱ تا ۱۵۳) محکم ہیں۔ جبکہ متشابہ آیات عبارت ہیں حروف مقطعات سے؛ کہ جنہیں یہودی سمجھ نہ پاتے تھے۔

۱۔ یاد رہے کہ یہ عینی حقائق، ضروری نہیں کہ مادی ہوں بلکہ مادی و غیر مادی اور واقعی و نفس الامری ہو سکتے ہیں۔ (مؤلف)

علامہؒ کی نظر میں پہلے تو ابن عباس کی طرف اس قول کی نسبت ناروا ہے اور اگر یہ نسبت درست بھی ہو تو اس قول پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ نیز، اگر یہ قول مان لیا جائے تو لازم آتا ہے قرآن کی کچھ آیات محکم، کچھ متشابہ اور کچھ نہ محکم اور نہ متشابہ ہوں؛ حالانکہ سورہ آل عمران کی آیت ۷، اس تقسیم سے منافات رکھتی ہے۔

۲۔ دوسرا قول، پہلے قول کے برعکس ہے۔ ابو فاختہ کی طرف منسوب اس قول کے مطابق حروف مقطعات، محکمات ہیں اور دیگر آیات متشابہ ہیں۔ علامہ طباطبائیؒ کی نظر میں نہ فقط اس قول پر بھی کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ یہ قول بھی سورہ آل عمران کی آیت ۷ سے منافات رکھتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں فواتح سور کے علاوہ قرآن کی دیگر تمام آیات متشابہ ہو جائیں گی اور اگر ایسا ہو تو اُن کی پیروی کرنا بھی مذموم ہو جائے گا؛ کیونکہ متشابہ کو جب تک محکم کی طرف لوٹا نہ دیا جائے، اس کی پیروی مذموم شمار ہوتی ہے۔ پس قرآن قابل عمل اور پیروی کے لائق نہ رہے گا۔ کیونکہ فواتح سور کی مدد سے کسی آیت کے مفہوم کی وضاحت معلوم کرنا ایک عام قاری کیلئے ناممکن ہے بلکہ فواتح سور تو بذات خود مجمل ہیں۔

۳۔ تیسرا قول، یہ ہے کہ متشابہ وہ آیات ہیں جن میں اجمال پایا جاتا ہو اور محکم وہ آیات ہیں جن میں تفصیل پائی جاتی ہو۔ لیکن علامہ طباطبائیؒ کے نزدیک یہ قول بھی درست نہیں ہے؛ کیونکہ مجمل و مفصّل میں اہل لسان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ مجمل کا ایسا بیان تلاش کرتے ہیں کہ جس کی روشنی میں وہ اجمال سے نکل آتا ہے اور تب وہ اس کی پیروی کرتے ہیں۔ لیکن پھر بھی پیروی تو مجمل ہی کی ہو جاتی ہے۔ اب اگر متشابہ اور محکم کا معاملہ بھی بعینہ مجمل و مفصل والا ہو تو اس سے لازم آتا ہے کہ متشابہ کی پیروی مذموم نہ ہو۔ جبکہ متشابہات کی پیروی، دلوں کی کجی کا سبب اور مذموم قرار دی گئی ہے۔

۴۔ چوتھا قول، یہ ہے کہ متشابہات وہ آیات ہیں جو منسوخ ہو چکی ہیں اور محکمات ناسخ آیات ہیں۔ یہ قول ابن عباس، ابن مسعود اور چند دیگر صحابہ کی طرف منسوب ہے۔ اس قول کے بارے میں علامہؒ فرماتے ہیں کہ اگر اسے مان بھی لیا جائے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پس متشابہ آیات، منسوخ آیات میں منحصر ہوں۔ کیونکہ متشابہ آیات کی صفت یہ ہے کہ کج دل افراد فتنہ بپا کرنے کی غرض سے اُن کی پیروی کرتے ہیں۔ اور بہت سی غیر منسوخ آیات میں بھی یہ ممکن ہے کہ لوگ فتنہ پھیلانے کی غرض سے ان کی پیروی کریں۔ جیسا کہ بعض آیات صفات و افعال باری تعالی کا سہارا لے کر فتنہ گر، فتنہ پھیلانے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ نیز، یہ کہ اس قول کی بنیاد پر بھی لازم آتا ہے کہ قرآن کریم کی آیات تین قسموں میں تقسیم ہوں: یعنی متشابہ (منسوخ)، محکم

(ناسخ) اور نہ متشابہ، نہ محکم (وہ آیات جو نہ منسوخ ہوئی ہیں، نہ ناسخ ہیں) جبکہ یہ امر بھی سورۂ آل عمران کی آیت ۷ کے ساتھ منافات رکھتا ہے جو قرآنی آیات کو فقط دو قسموں میں تقسیم کرتی ہے۔

۵۔ پانچواں قول، یہ ہے کہ محکمات، وہ آیات ہیں جن کی دلیل واضح ہے جبکہ متشابہات سے مراد وہ آیات ہیں جن کا فہم فکر و تأمل کا محتاج ہے۔ علامہ طباطبائیؒ کی نظر میں یہ قول بھی باطل ہے۔ کیونکہ اگر دلیل کے واضح ہونے سے مراد یہ ہے کہ ان آیات کے مضامین بدیہی ہوں تو اس کا لازمہ یہ ہے کہ وہ تمام آیات جن میں احکام و فرائض الٰہی کی بات ہوئی ہے متشابہ شمار ہوں؛ کیونکہ احکام و فرائض کے دلائل عقل پر واضح نہیں ہیں۔ اور اگر ان آیات کے دلائل کے واضح ہونے سے مراد یہ ہے کہ خود قرآن کریم سے ان کے مضامین کی تائید میں واضح دلائل موجود ہوں تو پھر قرآن کریم کی سب آیات محکم قرار پائیں گی۔ کیونکہ قرآن کریم کی کوئی آیت بھی ایسی نہیں کہ جس کے مضمون کی تصدیق، دیگر آیات سے نہ ہوتی ہو۔ اسی لیے تو قرآن کریم کو ''کتاب متشابہ مثانی'' کا عنوان دیا گیا ہے۔ بنابرایں، لازم آتا ہے کہ قرآن کریم کی سب آیات محکم ہوں اور یہ خلاف فرض ہے۔

۶۔ چھٹا قول، یہ ہے کہ محکم آیات وہ ہیں جن کے مضامین کا علم حاصل کیا جا سکتا ہے اور متشابہ آیات وہ ہیں جن کے مضامین کا علم حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ مثال کے طور پر وہ آیات جن میں قیامت کے وقت کی بات ہوئی ہے، متشابہ ہیں کیونکہ انسان قیامت کے قیام کے وقت کی اطلاع حاصل نہیں کر سکتا۔ علامہ طباطبائیؒ کی نظر میں یہ قول بھی باطل ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک قرآن کریم کی سب آیات خواہ محکم ہوں، خواہ متشابہ، کسی نہ کسی معنی پر دلالت کرتی ہیں۔ اور ہر وہ مطلب جس پر قرآن کریم کی آیات دلالت کرتی ہوں، اس کے علم کا حصول ممکن ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ کتاب جو نور ہے، ہدایت ہے اور حق و باطل کو صاف صاف بیان کرنے والی ہے، اس کی آیات ایسے معانی پر دلالت کرتی ہوں جن تک فہم کی رسائی ممکن نہ ہو۔ اور جہاں تک اُن مطالب کا تعلق ہے کہ جن تک فہمِ بشر کی رسائی ممکن نہیں تو علامہؒ کی نظر میں ایسے مطالب کسی آیت کے الفاظ میں بیان ہی نہیں ہوئے۔

۷۔ ساتواں قول، یہ ہے کہ محکم آیات وہ آیات ہیں جن میں شریعت کے احکام بیان ہوئے ہیں جبکہ متشابہ آیات وہ ہیں جن میں سے بعض، بعض دیگر کی تصریف کرتی ہیں۔ یہ قول مجاہد کی طرف منسوب ہے۔ اس قول پر علامہؒ کے نقد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں تصریف سے مراد یہ ہے کہ بعض آیات، بعض دیگر آیات کے

معانی اور مدلولات کو معین کرتی ہیں۔ بہرحال، علامہ طباطبائیؒ کی نظر میں یہ قول بھی باطل ہے؛ کیونکہ اگر یہاں ''صرف'' یا دوسرے الفاظ میں ''معانی کی تعیین'' سے مراد، ہر وہ قرینہ ہے کہ جس کے ذریعے کسی لفظ کا معنی معین ہوتا ہے (جیسا کہ عام کا معنی، خاص کے قرینے سے اور مطلق کا معنی، مقیّد کے قرینے سے معین ہوتا ہے۔ یا اسی طرح سے دیگر قرائن کہ جن کی مدد سے بعض الفاظ کے معانی معین ہوتے ہیں) تو پھر وہ آیات بھی محکم نہیں رہتیں جنہیں اس قول میں محکم قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ جن آیات میں احکام الٰہی بیان ہوئے ہیں اُن کے معانی کی تعیین بھی بہت سے قرائن کے ذریعے ممکن ہوتی ہے۔ پس یہ آیات محکم نہیں ہیں، حالانکہ یہ قول انہیں محکم قرار دیتا ہے۔

اور اگر ''صرف'' یا معانی کی تعیین سے مراد یہ ہے کہ بعض آیات کا اپنا معنی خود بخود معین ہے اور یہ آیات بعض دیگر آیات کے معنی کی تعیین میں معاون واقع ہوتی ہیں، تو پھر آیات الاحکام کے علاوہ دیگر سب آیات کو متشابہ قرار دینا درست نہیں ہے۔ کیونکہ اس صورت میں آیات الاحکام کے علاوہ کسی آیت کا معنی بھی نہ معین ہوگا اور نہ ہی قابل فہم۔ کیونکہ جب فرض یہ ہو کہ وہ آیات جو معارف بیان کرتی ہیں، سب کی سب متشابہ ہیں تو ان کا معنی تب تک معین نہیں ہوسکتا جب تک کوئی قرینہ نہ آجائے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ یہ قرینہ کہاں سے آئے؟ آیات الاحکام تو آیاتِ معارف پر قرینہ بن نہیں سکتیں اور خود آیات المعارف میں سے بھی کوئی آیت کسی دوسری آیت پر قرینہ نہیں بن سکتی کیونکہ فرض یہ ہے کہ یہ سب متشابہ ہیں۔

۸۔ آٹھواں قول، یہ ہے کہ محکم آیات وہ ہیں جن کی فقط ایک ہی تأویل ہوسکتی ہے لیکن متشابہ آیات وہ ہیں جن کی کئی تأویلات ہوسکتی ہیں۔ یہ قول امام شافعی کی طرف منسوب ہے۔ علامہؒ فرماتے ہیں کہ گویا اس قول کی بازگشت یہ ہے کہ محکم آیات وہ ہیں جن کے الفاظ فقط ایک معنی میں ظہور رکھتے ہیں اور وہ اس معنی میں نص ہیں جبکہ متشابہ اس کے برعکس ہیں۔

علامہ طباطبائیؒ اس قول کو بھی ردّ فرماتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک، محکم و متشابہ کی یہ تعریف لفظی اور ''تبدیل اللفظ باللفظ'' کے حکم میں ہے۔ گویا یوں کہا گیا ہے کہ محکم وہ ہے جس کا فقط ایک معنی ہو۔ علاوہ برایں، اس تعریف میں تأویل کو تفسیر اور لفظ کے معنی کے مترادف لیا گیا ہے جو کہ غلط ہے۔

۹۔ نواں قول، یہ ہے کہ محکم آیات وہ آیات ہیں کہ جن میں بعض انبیأ علیہم السلام اور ان کی امتوں کے قصے استحکام اور تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ جبکہ متشابہ آیات وہ ہیں کہ جن میں یہ قصے، الگ الگ

ٹکڑوں میں اور تکرار و تقطیع کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ علامہ طباطبائیؒ اس قول کو بھی ردّ فرماتے ہیں۔ کیونکہ سب سے پہلے تو اس قول کا لازمہ یہ ہے کہ محکم و متشابہ آیات فقط وہی ہوں جن میں سابقہ انبیأ اور ان کی امتوں کے قصے بیان ہوئے ہیں؛ حالانکہ یہ امر سورۂ مبارکہ آل عمران کی آیت ۷ کے ساتھ واضح منافات رکھتا ہے۔ نیز یہ کہ متشابہ آیات کے خواص [یعنی کج دلوں کا ان آیات کو بہانہ بنا کر فتنہ گری کرنا] فقط ان آیات پر نہیں بلکہ بہت سی ایسی آیات پر بھی قابل تطبیق ہیں کہ جو آیات القصص میں سے شمار نہیں ہوتیں۔

۱۰۔ دسواں قول، یہ ہے کہ متشابہ آیات وہ ہیں جو بیان کی محتاج ہیں اور محکم آیات وہ ہیں جو کسی مزید بیان کی محتاج نہیں۔ یہ قول امام احمد کی طرف منسوب ہے۔ علامہ طباطبائیؒ کی نظر میں یہ قول بھی باطل ہے کیونکہ آیات الاحکام یقیناً محکم آیات شمار ہوتی ہیں، حالانکہ یہ آیات بھی نبی اکرم ﷺ کے بیان کی محتاج ہیں۔ اسی طرح منسوخ آیات یقیناً متشابہ شمار ہوتی ہیں، حالانکہ وہ کسی بیان کی محتاج نہیں ہیں۔

۱۱۔ گیارہواں قول، یہ ہے کہ محکم آیات وہ ہیں جن پر ایمان رکھنا بھی ضروری ہے اور عمل کرنا بھی؛ جبکہ متشابہ آیات وہ ہیں جن پر ایمان رکھنا ضروری ہے، لیکن عمل کرنا ضروری نہیں ہے۔ یہ قول ابن تیمیہ کی طرف منسوب ہے۔ علامہ طباطبائیؒ اس قول کے نقد میں فرماتے ہیں کہ شاید اس قول سے مراد یہ ہے کہ وہ آیات جو اخبار پر مشتمل ہیں متشابہ ہیں اور وہ آیات جو انشائات پر مشتمل ہیں، محکم ہیں۔ کیونکہ اگر اس قول کی یہ تأویل نہ کی جائے تو یہ ایک الگ قول نہیں بنتا بلکہ بہت سے سابقہ اقوال پر منطبق ہوتا نظر آتا ہے۔

بہرحال، علامہ طباطبائیؒ اس قول کو بھی ردّ کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کی نظر میں اس قول کا لازمہ یہ ہے کہ آیات الاحکام کے علاوہ سب آیات متشابہ ہوں اور اس کا لازمہ یہ ہے کہ معارف قرآن کا حصول ممکن نہ رہے۔ نیز لازم آتا ہے کہ منسوخ آیات بھی محکم شمار ہوں؛ حالانکہ یہ آیات مسلمہ طور پر متشابہ ہیں۔

۱۲۔ بارہواں قول، یہ ہے کہ متشابہ آیات وہ ہیں جن میں خداوند تعالی یا انبیائے الٰہی کی صفات بیان ہوئی ہیں۔ یہ قول بھی ابن تیمیہ کی طرف منسوب ہے۔ لیکن علامہ طباطبائیؒ اس قول کو بھی ردّ کرتے ہیں۔ کیونکہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ مذکورہ قسم کی آیات متشابہ ہیں، تو متشابہ آیات کو فقط انہی آیات میں منحصر کرنے پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

۱۳۔ تیرہویں قول کے مطابق محکم آیات وہ ہیں جن کے مطالب کو انسانی عقل سمجھ سکتی ہے لیکن متشابہ آیات وہ ہیں جنہیں انسانی عقل سمجھنے سے قاصر ہو۔ علامہؒ کے نزدیک اس قول پر بھی کوئی دلیل نہیں ہے۔ نیز

یہ کہ بعض آیات کو انسانی عقل سمجھ سکتی ہے جبکہ ان میں محکم کی بعض خصوصیات نہیں پائی جاتیں اور اسی طرح برعکس، بعض آیات کو انسانی عقل نہیں سمجھ سکتی جبکہ ان میں متشابہ کی بعض خصوصیات مفقود ہیں۔ علاوہ برایں، آیات الاحکام متفقہ طور پر محکمات میں سے شمار ہوتی ہیں حالانکہ احکام کے فلسفہ کو سمجھنے سے بھی انسانی عقلیں قاصر ہیں۔ پس یہ قول بھی یوں ردّ ہو جاتا ہے۔

۱۴۔ چودھویں قول کے مطابق محکم آیات وہ ہیں جن سے ان کا ظاہری معنی مراد ہو اور متشابہ آیات وہ ہیں جن سے اُن کے ظاہری معنی کی بجائے خلاف ظاہر معنی مراد ہو۔ علامہؒ فرماتے ہیں کہ یہ قول متأخرین کے ہاں رائج ہے اور متأخرین اسی قول کو اساس بنا کر ''تأویل'' کے باب میں بھی یہ نظریہ قائم کرتے ہیں کہ:

''تأویل سے مراد کسی آیت کا وہ معنی ہوتا ہے جو اس کے ظاہری معنی کے برخلاف ہو۔''

علامہ طباطبائیؒ اس قول کو بھی ناپسند فرماتے ہیں۔ ان کے مطابق محکم و متشابہ کا جو معیار یہاں بیان کیا گیا ہے، وہ اُس معیار سے مطابقت نہیں رکھتا جو سورہ آل عمران کی آیت ۷ میں قائم کیا گیا ہے۔ علاوہ برایں، قرآن کریم میں کوئی آیت ایسی نہیں ہے کہ جس سے اس کا ظاہری معنی مراد نہ ہو۔ اور اگر محکم کا معیار یہی ہے تو پھر قرآن کریم کی سب آیات کو محکم ہونا چاہیے۔

یہاں علامہؒ پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ آپ خود ہی تو اس امر کے قائل ہیں کہ: '' **الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ** '' جیسی آیات میں ان آیات کا ظاہری معنی مراد نہیں ہے؛ تو پھر یہاں کیسے یہ دعوی کر رہے ہیں کہ قرآن کریم کی سب آیات سے اُن کا ظاہری معنی یقیناً مراد لیا گیا ہے۔ اس اعتراض کے جواب میں علامہؒ کا مؤقف یہ ہے کہ کسی بھی کلام کا اپنے معنی میں ظہور، متصل یا منفصل قرائن کے بعد منعقد ہوتا ہے۔ لہٰذا ہم یہ نہیں کہتے کہ: ''**الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ**'' جیسی آیات سے اُن کا ظاہری معنی مراد نہیں ہے؛ بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ایسی آیات کا معنی: ''**لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ**'' جیسی آیات کے قرینہ کے بعد ہی منعقد ہوتا ہے۔ لیکن انعقاد کے بعد یقیناً یہ ظاہری معنی مراد ہے اور ہم اس کے منکر نہیں ہیں۔ خلاصہ یہ کہ مذکورہ قول کی بنیاد پر قرآن کریم کی کوئی آیت بھی متشابہ باقی نہیں رہتی اور یہ امر قابل قبول نہیں ہے۔

۱۵۔ پندرھواں قول، یہ ہے کہ محکم آیات وہ ہیں جن کی تأویل پر مکمل اتفاق ہو اور متشابہ آیات وہ ہیں جن کی تأویل میں اختلاف ہو۔ یہ قول اصم سے نقل کیا گیا ہے۔ علامہ طباطبائیؒ اس قول کو بھی ردّ کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک اس قول کا لازمہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی سب آیات متشابہ ہوں۔ کیونکہ قرآن کریم کی

کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس کے الفاظ، معانی یا ظہور میں کچھ نہ کچھ اختلاف نہ پایا جاتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ بعض نے یہاں تک بھی دعوی کیا ہے کہ سارا قرآن متشابہ ہے۔ اور بعض نے یہ دعوی کیا ہے کہ قرآن کا ظاہر حجت نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک قرآن کی کوئی آیت بھی کسی معنی میں ظہور نہیں رکھتی۔

۱۶۔ سولہواں قول، یہ ہے کہ محکم آیات وہ ہیں جن کی تفسیر مشکل نہ ہو، جبکہ متشابہ آیات وہ ہیں جن کی تفسیر کرنا اس لیے مشکل ہو کہ وہ دیگر آیات سے لفظی یا معنوی مشابہت رکھتی ہوں۔ یہ قول راغب نے بیان کیا ہے۔ اُس نے اسی قول کو بنیاد بنا کر متشابہ آیات کی تین قسمیں کی ہیں: (۱) وہ آیات جو فقط لفظ میں متشابہ ہیں۔ (۲) وہ آیات جو فقط معنی میں متشابہ ہیں۔ (۳) وہ آیات جو لفظ و معنی دونوں میں متشابہ ہیں۔ آگے چل کر راغب نے پہلی قسم کو مزید دو اقسام میں، اور تیسری قسم کو مزید پانچ اقسام میں تقسیم کیا ہے۔ یوں مجموعی طور پر متشابہ کی آٹھ قسمیں بن جاتی ہیں۔ مزید برآں، اس نے متشابہ کو انسانی عقل کیلئے قابل فہم ہونے یا نہ ہونے کے لحاظ سے بھی دو قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ یوں راغب نے محکم و متشابہ میں تقریباً سب اقوال کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔

لیکن علامہ طباطبائیؒ نے اس قول کو بھی ردّ فرمایا ہے۔ ان کے مطابق راغب کے قول کی بنیاد پر وہ آیات بھی متشابہ ہیں کہ جن میں بعض ایسے اجنبی الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو عام عربی زبان میں استعمال نہیں ہوتے تھے یا ایسی مغلق تراکیب استعمال ہوئی ہیں جو عام طور پر استعمال نہیں ہوتی تھیں۔ مثال کے طور پر وہ آیات جن میں "اَبّاً" یا "یَزِفُّونَ" کے کلمات استعمال ہوئے ہیں، راغب کے پیش کردہ معیار کے مطابق متشابہ آیات ہیں۔ لیکن یہ معیار درست نہیں ہے۔ کیونکہ اگر ہم متشابہ کے اس معیار کو مان لیں تو پھر اس کا لازمہ یہ ہے کہ ان آیات کا تشابہ بھی محکم آیات کی طرف رجوع کے بعد اٹھ جانا چاہیے۔ کیونکہ سورہ آل عمران کی آیت ۷ نے متشابہ کے تشابہ کے اٹھ جانے کا یہی علاج تجویز کیا ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے؛ کیونکہ جن آیات کے الفاظ میں لفظی غرابت یا ترکیبی اغلاق پایا جاتا ہے، ان کا فہم، لغت کی کتابوں اور فصاحت و بلاغت کے قواعد کی طرف رجوع کے ذریعے ممکن ہے، نہ کہ محکمات کی طرف رجوع کے ذریعے۔

اس قول کی دوسری مشکل یہ ہے کہ یہ قول، سورہ آل عمران کی آیت ۷ میں متشابہ آیات کی اِس خصوصیت کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا کہ فتنہ گر ان آیات کی پیروی کر کے فتنہ پھیلاتے ہیں۔ اس آیت کے مطابق جن آیات سے فتنہ گر فتنہ نہ پھیلا سکیں، انہیں متشابہ نہیں ہونا چاہیے۔ جبکہ راغب کے پیش کردہ معیار کے

مطابق ایسی آیات بھی متشابہ ہیں۔ کیونکہ وہ اُن آیات کو بھی متشابہ قرار دیتا ہے جن میں عمومات، اطلاقات یا اجنبی (غریب) الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

رہا یہ دعوی کہ فتنہ گر اُن آیات کو دستاویز بنا کر فتنہ نہیں پھیلا سکتے جن میں عمومات، اطلاقات یا اجنبی الفاظ آئے ہیں تو اس پر علامہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اگر فتنہ گران آیات کے مخصصات، مقیدات اور لغت کی کتابوں کو نظر انداز کرتے ہوئے فقط عمومات، اطلاقات یا اجنبی الفاظ کی پیروی کرتے ہوئے کوئی فتنہ بپا کرنا بھی چاہیں تو اہل زبان انہیں ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔

کیونکہ دیگر زبانوں کی مانند، عربی زبان کی طبیعت بھی اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ عام کو خاص کے تناظر میں دیکھا جائے، مطلق کو مقید کے تناظر میں دیکھا جائے اور اگر کہیں کوئی اجنبی لفظ آجائے تو اس لفظ کے معنی کی تعیین میں لغت کی کتب کنگھالی جائیں اور بعد میں کوئی نظریہ قائم کیا جائے۔ خلاصہ یہ کہ راغب کے پیش کردہ معیار کے مطابق، وہ آیات جن میں عمومات اور اطلاقات آئے ہیں، متشابہ ہیں۔ لیکن علامہؒ اس دعوی کو قبول نہیں کرتے کیونکہ ان کے نزدیک ایسی آیات سے فتنہ گر فتنہ نہیں پھیلا سکتے؛ حالانکہ قرآن کریم کے پیش کردہ معیار کے مطابق متشابہ آیات وہ ہیں جن سے فتنہ گر فتنہ پھیلا سکتے۔

علاوہ برایں، راغب نے متشابہ آیات کی ایک لحاظ سے تین قسمیں کی ہیں: (۱) وہ متشابہات جن کا فہم عام لوگوں کیلئے ممکن ہے۔ (۲) وہ متشابہات جن کا فہم کسی کیلئے بھی ممکن نہیں ہے۔ (۳) وہ متشابہات جن کا فہم بعض لوگوں کیلئے ممکن اور بعض کیلئے ناممکن ہے۔ لیکن علامہؒ کے نزدیک اس تقسیم سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ راغب کی نظر میں تأویل، فقط متشابہ آیات میں پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے تأویل کے لحاظ سے متشابہات کو مذکورہ بالا تین اقسام میں تقسیم کیا ہے لیکن محکمات میں کسی ایسی تقسیم کا قائل نہیں ہوا۔ حالانکہ علامہؒ نے یہ ثابت کیا ہے کہ تأویل، فقط متشابہ آیات کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ پورا قرآن تأویل رکھتا ہے۔ پس اس لحاظ سے بھی راغب کا قول قابل نقد ہے۔

خلاصہ

محکم و متشابہ کے باب میں مذکورہ سب اقوال کو ردّ کرنے کے بعد علامہؒ ایک بار پھر جس امر پر تاکید فرماتے ہیں وہ یہ ہے کہ سورہ مبارکہ آل عمران، آیت ۷ میں متشابہ آیات کی جو خصوصیات بیان ہوئی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ:

(۱) متشابہ آیات، مردّد معنی پر دلالت کرتی ہیں؛ لیکن یہ تردّد لفظی دلالت کے مبہم ہونے کی وجہ سے نہیں ہوتا کہ آپ اہل لسان کے ہاں رائج اسلوب کے ذریعے (مثال کے طور پر کوئی قرینہ ڈھونڈ کر) اس تردّد کا علاج کرسکیں؛ بلکہ یہ تردّد اس لیے پایا جاتا ہے کہ متشابہ آیت کا معنی، بعض محکم آیات کے معنی کے ساتھ ہماہنگ نہیں ہوتا۔

(۲) کسی بھی آیت کے معنی میں اگر مذکورہ بالا قسم کا تردّد پایا جاتا ہو تو اس کا لازمہ یہ ہے کہ اس آیت کے الفاظ سے جو معنی فوری طور پر عام لوگوں کے ذہن میں آتا ہے وہ معنی اپنی ذات میں کوئی نیا، عجیب اور اجنبی نہ ہو، بلکہ عام فہم اذہان کیلئے آیت کے الفاظ سے ایسا معنی اخذ کرنا معمول کا کام ہو۔ اس امر پر شاہد یہ ہے کہ عالم اسلام میں جو فرقے کجریوں اور بدعتوں کا شکار ہوئے، وہ دراصل متشابہ آیات سے اُن کے یہی عام فہم معانی اخذ کرنے کی وجہ ہی سے گمراہ ہوئے۔ کسی نے متشابہ آیات سے خدا کیلئے جسم و جسمانیت ثابت کی، تو کسی نے جبر کا نظریہ اخذ کیا، کوئی تفویض کا قائل ہوا تو کوئی انبیأ کو جائز الخطا قرار دے بیٹھا۔

خلاصہ یہ کہ عالم اسلام میں جس قدر منحرف فرقے اور باطل مذاہب ظہور پذیر ہوئے، یہ سب کج دل، فتنہ گروں کی متشابہ آیات کی پیروی کے سبب ظہور پذیر ہوئے۔ نیز یہ سب کچھ اس امر کی محکم دلیل ہے کہ متشابہ آیات، ایسے معانی پر دلالت کرتی ہیں جو ان کے الفاظ سے اجنبی نہیں، بلکہ مأنوس ہوتے ہیں؛ مگر یہ کہ یہ معانی، محکم آیات کے معانی سے ہماہنگ نہیں ہوتے۔ بنأ برایں، یہ کہنا کہ متشابہ آیات غیر مأنوس معانی پر دلالت کرتی ہیں اور یہی غیر مانوس معانی **''تأویل''** کہلاتے ہیں، ایک نادرست دعوی ہے۔

پس متشابہ آیات کے الفاظ بھی مانوس معانی پر دلالت کرتے ہیں اور محکم آیات کے الفاظ بھی مانوس و متداول معانی پر دلالت کرتے ہیں؛ اس فرق کے ساتھ کہ متشابہ آیات کے الفاظ کا کسی معنی میں ظہور، تب تک منعقد نہیں ہوتا جب تک محکمات میں موجود قرائن کو نہ دیکھ لیا جائے؛ جبکہ محکمات اپنے ظہور کے انعقاد میں ایسے قرائن کے محتاج نہیں ہوتے۔ **یہاں سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ''تأویل'' فقط متشابہ آیات کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ پورا قرآن (خواہ متشابہ، خواہ محکم) تأویل رکھتا ہے۔ اور جب ایسا ہے تو تأویل کی تعریف یہ نہیں ہے کہ: ''تأویل، عبارت ہے کسی آیت کے اجنبی اور غیر متداول معانی سے''۔** بلکہ تأویل سے مراد وہی ہے جو علامہؒ کے بیان میں اجمالی طور پر گذر چکی ہے اور ایک بار پھر علامہؒ اپنی تفسیر میں اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔ اِس تفصیل کا خلاصہ درج ذیل ہے:

نتیجہ گیری

سابقہ بحث میں ہم نے یہ کہا کہ علامہ طباطبائیؒ کے نظریہ کے مطابق: **''تأویل، اُس سرچشمے کا نام ہے جس سے احکام و معارف الٰہی لیے جاتے ہیں اور تأویل اُس مأخذ کا نام ہے جس سے حلال و حرام کے احکام اخذ کیے جاتے ہیں۔''** علامہؒ، ایک طولانی بحث کے ضمن میں محکم و متشابہ کے باب میں مذکورہ بالا ۱۶/ اقوال کو ردّ کرنے کے بعد ایک بار پھر ہمیں اسی نتیجہ پر لا کھڑا کرتے ہیں کہ تأویل فقط متشابہ آیات میں نہیں بلکہ ہر آیت میں پائی جاتی ہے۔ علامہ طباطبائیؒ نے اس دعوی پر ایک دلیل یہ قائم کی ہے کہ سورہ مبارکہ آل عمران کی آیت ۷: ''وَ مَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ ''میں ''تَأْوِيلَهُ'' کی ضمیر کا مرجع، متشابہ نہیں بلکہ ''الکتاب'' ہے۔ گویا یوں کہا گیا ہے: ''... أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ ... وَ مَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللهُ...''

پس تأویل فقط متشابہ آیات میں نہیں بلکہ پورے قرآن کریم میں پائی جاتی ہے۔ نیز یہ کہ تأویل سے مراد، کسی آیت کے ظاہری الفاظ کے ساتھ میل نہ کھاتے، اجنبی معانی نہیں، بلکہ ہر آیت میں بیان شدہ احکام و معارف اور حلال و حرام کے احکام کا مأخذ اور منبع ہے۔ لہٰذا تأویل وہ خزانہ ہے جس کا علم فقط خدا کے پاس ہے یا خدا کے اذن سے اس علم میں فقط ''راسخون فی العلم'' ہی خدا کے ساتھ شریک ہیں۔ پس علامہ طباطبائیؒ کی عبارت میں:

> **"انّ الحق فی تفسیر التأویل أنّه الحقیقة الواقعیة التی تستند الیها البیانات القرآنیة من حکم أو موعظة أو حکمة و أنّه موجود لجمیع الآیات القرآنیة: محکمها و متشابهها و أنّه لیس من قبیل المفاهیم المدلول علیها بالالفاظ بل هی من الامور العینیة المتعالیة من أن یحیط بها شبکات الالفاظ، انّما قیّدها اللّه سبحانه بقید الالفاظ لتقریبها من أذهاننا بعض التقریب؛ فهی کالامثال نضرب لیقرب بها المقاصد و توضح بحسب ما یناسب فهم السامع کما قال تعالی: "وَ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ○ إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ○ وَ إِنَّهُ فِي أُمِّ الْكِتَابِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيمٌ" (الزخرف ۱ تا ۴)**

یعنی: ''تأویل کی تفسیر میں حرفِ حق یہ ہے کہ تأویل، وہ واقعی حقیقت ہے کہ جس کی طرف قرآنی بیانات، خواہ حکم ہوں، موعظہ ہوں یا حکمت، مستند ہوتے ہیں؛ نیز یہ کہ تأویل، قرآن کی سب آیات، خواہ محکم، خواہ متشابہ، میں پائی جاتی ہے۔ اور تأویل، اُن مفاہیم کی سنخ سے نہیں ہے کہ جن پر الفاظ دلالت کرتے ہیں بلکہ یہ تو اُن عینی اور اعلیٰ وارفع امور میں سے ہے کہ جنہیں الفاظ کے جال میں نہیں پھنسایا جا سکتا۔ اب اگر اللہ تعالی نے ان امور کو الفاظ کے قالب میں بند کیا بھی ہے تو یہ محض اس لیے کہ یہ امور ہمارے ذہنوں کے کچھ قریب آ سکیں؛ پس ان کی مثال، اُن ضرب المثل جیسی ہے کہ جنہیں بیان کریں کے ہم مطالب کو اذہان کے قریب لاتے اور سامع کے فہم کے مطابق انہیں قابل فہم بناتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: اور روشن کتاب کی قسم! ہم نے اس قرآن کو عربی بنایا ہے تا کہ تم سمجھ سکو اور بے شک یہ کتاب (لوح محفوظ) میں ہمارے پاس برتر، پر حکمت ہے۔''

☆☆☆☆☆

قرآن کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا۔
کہیں اس پر عمل کر کے تمہارے غیر تم سے
سبقت نہ لے جائیں۔

(حضرت علیؑ۔ نہج البلاغہ)

قرآن مجید کی فصاحت وبلاغت

ترجمہ: سید رمیز الحسن موسوی ☆

قرآنیات سے متعلق ایک اہم بحث، قرآن مجید کی فصاحت وبلاغت ہے۔اس موضوع کے بارے میں بہت زیادہ کتابیں لکھی گئی ہیں اور مفسرین قرآن نے بھی اس موضوع پر دادِ سخن دی ہے۔ چونکہ جس زمانے اور جس ماحول میں قرآن مجید نازل ہوا، اس میں یہ موضوع خاصی اہمیت رکھتا تھا اور آج بھی اس کی اہمیت اُسی طرح برقرار ہے جس طرح پہلے تھی لہٰذا یہاں اسی اہمیت کے پیش نظر قرآنی فصاحت وبلاغت کے موضوع پر ایک فارسی مقالے کا ترجمہ نورمعرفت کے قارئین کی نذر کیا جارہا ہے۔ یہ مقالہ ''پیام قرآن'' کی جلد ۸ سے لیا گیا ہے۔ یاد رہے یہ کتاب ابھی تک اُردو میں شائع نہیں ہوئی ہے۔ (مترجم)

فصاحت وبلاغت کا معنیٰ

علم معانی کے علماء فصاحت وبلاغت کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں: فصاحت کبھی تو کلمہ کی توصیف میں ہوتی ہے اور کبھی کلام کی توصیف میں اور اس سے مراد کلام کا نامانوس، سنگین وثقیل حروف وکلمات اور بے وزن اور بدآہنگ الفاظ سے پاک ہونا ہے۔ اسی طرح ہلکے، رکیک، نفرت انگیز اور کان پھاڑنے والے بے ڈھنگے اور پیچیدہ اور مبہم الفاظ سے مبرا ہونا ہے۔ اور بلاغت سے مراد کلام کا مقتضائے حال کے مطابق ہونا اور جس مقصد کی خاطر کلام جاری کیا گیا ہے اُس کے ساتھ مکمل طور پر مطابقت رکھتا ہو۔ بالفاظ دیگر فصاحت کی بازگشت، الفاظ کی کیفیت کی طرف ہوتی ہے جبکہ بلاغت معنیٰ ومطالب کی کیفیت پر مشتمل ہے۔ اسی طرح یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ فصاحت کلام کے ظاہری پہلوؤں کی طرف اور بلاغت اس کے معنویت اور مضامین کی طرف ناظر ہوتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دونوں علمی پہلو رکھنے سے زیادہ ذوقی اور استعدادی پہلو رکھتے ہیں، لیکن

☆ مدیر نورِ معرفت، بہارہ کہو، اسلام آباد

ذوق واستعداد بھی تعلیم وتربیت اور اُن قواعد کی طرف توجہ دینے سے پھلتی پھولتی ہے جو اکثر فصحا اور بلغا کے کلام سے لئے جاتے ہیں۔ یہ بالکل شعری ذوق اور خوش خطی کی استعداد کی طرح ہے کہ جو اُستاد اور تعلیم کے ذریعے تکامل حاصل کرتی ہے۔

اعجاز قرآن اور فصاحت و بلاغت کا تعلق

بعض کا خیال ہے کہ اعجاز قرآن اور مختلف آیات میں معارضے کی دعوت بنیادی طور پر اسی مطلب کی طرف ناظر ہے اور ممکن ہے درج ذیل نکات اسی مطلب پر شاہد ہوں:

۱۔ اُس زمانے میں عربوں کی خصوصیت اور ہنرمندی فقط فصاحت و بلاغت میں ہی تھی یہاں تک کہ زمانہ جاہلیت کے اشعار فصاحت کی بلندیوں پر سمجھے جاتے تھے اور ہر سال طائف کے نزدیک تشکیل پانے والے ایک اقتصادی اجتماع میں کہ جسے ''بازار عکاظ'' کہا جاتا تھا، جس کا ایک اہم ترین پروگرام اُس سال کے بہترین اور خوبصورت ترین اشعار پڑھے جانا تھا۔ جب اُن میں سے بہترین شعر کو انتخاب کیا جاتا تھا تو اُسے ایک بلند مرتبہ ادبی شہ پارے کے طور پر خانہ کعبہ کی دیوار کے ساتھ لٹکا دیا جاتا تھا اور اس طرح سالہا سال کے بعد سات مشہور ادبی شہ پارے جمع کئے گئے تھے کہ جنہیں ''معلقات سبع'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ بنابریں، اگر قرآن اُنہیں چیلنج کرتا ہے اور معارضے ومقابلے کی دعوت دیتا ہے تو اُسے اسی پہلو سے یہ دعوت دینی چاہیے۔

۲۔ مشرکین عرب قرآن اور پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں جو تعبیر استعمال کرتے تھے، اُس کے مطابق وہ قرآن کو ''جادو'' اور پیغمبر کو ''جادوگر'' کہتے تھے، ممکن ہے یہ قرآن کی غیر معمولی جاذبیت اور کشش کی طرف اشارہ ہو کہ جو یقیناً کلام کی خوبصورتی اور فصاحت کے پہلوؤں پر مشتمل ہوتی ہے۔

۳۔ امام علی بن موسیٰ الرضا ؑ سے انبیاء ؑ کے معجزات کا اُس زمانے کے علوم وفنون کے مطابق ہونے کے متعلق ایک حدیث میں آیا ہے: ''جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو مبعوث فرمایا تو اس وقت سحر اور جادو گری کا رواج عام تھا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنی جانب سے ایک ایسی چیز اُن لوگوں کی طرف بھیجی کہ جو اُن کی قدرت سے باہر تھی اور اُن کے جادو کو باطل کر کے اُن پر اتمام حجت کر دیتی تھی، اور جب حضرت عیسیٰؑ کو مبعوث فرمایا تو اس وقت ناقابل علاج بیماریاں عام تھیں اور لوگوں کو اُن کے علاج کے لئے طب کی ضرورت تھی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے ایک ایسی چیز بھیجی کہ جو اُن کے پاس نہیں تھی، جس سے اُن کے مردے

زندہ ہو جاتے تھے اور مادرزاد نابینا لوگ اور پیسی میں مبتلا، بیمار اللہ تعالیٰ کے حکم سے (حضرت عیسیٰؑ کے ہاتھوں) صحت یاب ہو جاتے تھے، اور اس طرح اُن پر ان چیزوں کے ذریعے اتمام حجت ہو جاتی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو اس وقت مبعوث فرمایا کہ جب اُس زمانے کے لوگوں پر (دلنشین اور فصیح و بلیغ) خطبات اور کلام کا غلبہ تھا (راوی کا کہنا ہے کہ میرے خیال میں امامؑ نے شعر کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے)، اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنی جانب سے (فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے بلند ترین) مواعظ اور حکمت آمیز کلمات بھیجے کہ جو اُن (مشرکین) کے کلام کو باطل کر دیتے اور اُن پر حجت تمام کر دیتے تھے''۔[1]

ان تمام قرائن سے پتا چلتا ہے کہ فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے قرآن ایک معجزہ تھا اور اب بھی ہے، لیکن انصاف تو یہ ہے کہ یہ قرائن اس سے زیادہ کسی اور چیز کو ثابت نہیں کرتے کہ فقط فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے ہی قرآن معجزہ تھا نہ کہ اسی میں منحصر تھا، جبکہ قرآن مجید کے معجزہ ہونے کے دوسرے پہلو بھی بہت نمایاں ہیں۔

قرآن مجید کی اعجاز آمیز فصاحت و بلاغت

مزید توجہ اور آگاہی کے لئے فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے قرآن کے معجزہ ہونے کے بارے میں درج ذیل نکات کی طرف توجہ ضروری ہے:

۱۔ جیسا کہ پہلے بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ ایام جاہلیت کے عرب فصاحت و بلاغت میں اس حد تک پہنچ چکے تھے کہ اس زمانے کے اشعار منجملہ ''معلقات سبع'' ابھی تک عربوں کے منتخب اشعار کے طور پر پہنچانے جاتے ہیں، لیکن ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ نزول قرآن کے بعد اُنھوں نے وہ سب اشعار (خانہ کعبہ سے) اُتار لئے تھے اور قرآن کی بے مثال فصاحت کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے تھے، اور قرآن کا مقابلہ کرنے کے تمام محرکات کے باوجود، اس کے مقابلے میں کوئی بھی چیز پیش نہ کر سکے۔ گذشتہ صفحات میں قرآنی جاذبیت کے موضوع کے بارے میں اس لحاظ سے قرآنی اثرات کے سلسلے میں کچھ زندہ اور واضح مثالیں پیش کی گئی ہیں۔

۲۔ پوری تاریخ میں ہمیشہ مردان حق کے مقابلے میں کچھ ایسے گروہ کھڑے ہو جاتے تھے کہ جن کا ناجائز مفاد خطرے میں پڑ جاتا تھا اور یہ لوگ ان مردان حق پر تہمتیں لگاتے تھے اور یہ تہمتیں جھوٹی اور بے بنیاد ہونے کے باوجود کچھ ایسی واقعیات کی حکایت بھی کرتی تھیں جو اُن کے اردگرد موجود ہوتی تھیں۔ مثال کے طور پر پیغمبر اکرم ﷺ پر ایک تہمت جو لگائی گئی تھی وہ ساحر اور جادوگر ہونے کی تہمت تھی کہ جس کی بہت بڑے پیمانے پر تشہیر کی گئی تھی۔

سورۂ مدثر کی آیت نمبر۲۴، ۲۵ میں ہم دیکھتے ہیں: ''فَقَالَ اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ يُؤْ ثَرُ اِنْ هٰذَا اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ''یعنی: ''آخر کار (مشرکین کے سردار ولید نے) کہا: یہ قرآن (گذشتہ لوگوں کے جادو کی طرح) ایک پُر تاثیر جادو کے سوا کچھ نہیں، یہ سوائے کلام بشر کے اور کچھ بھی نہیں۔''

پیغمبر ﷺ پر اس بے بنیاد تہمت کی اصل وجہ آیات قرآن کا حیرت انگیز اور غیر معمولی طور پر مؤثر ہونا تھا۔ قرآن جو کہ اپنی عجیب وغریب فصاحت وبلاغت کے ساتھ دلوں کو اپنی جانب کھینچ رہا تھا، دشمنان قرآن اس کے اثرات کو غیر معمولی نہیں سمجھتے تھے اور اس کے لئے سوائے جادو وسحر کے اور کوئی کلمہ انتخاب نہیں کر سکتے تھے، چونکہ لغت میں ہر وہ غیر معمولی کام کہ جس کا سرچشمہ اور سبب معلوم نہ، جادو اور سحر کہلاتا ہے۔ اگر چہ وہ اس تہمت کے ذریعے ایک واضح حقیقت پر پردہ ڈال کر اعجاز الٰہی کا انکار کرنا چاہتے تھے، لیکن اپنے اس دعوی میں وہ نادانستہ طور پر قرآن کی عظمت کا اعتراف کر رہے تھے کہ جو جادو وسحر جیسی جاذبیت رکھتا ہے!

۳۔ اہل قلم اور ادباء کی کتابوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ عام طور پر اُن کے دو واضح گروہ ہوتے ہیں: کچھ الفاظ کی خوبصورتی کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور کبھی تو معانی کو الفاظ پر قربان کر دیتے ہیں، اس کے برعکس ایک گروہ الفاظ کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا بلکہ اپنی پوراز ور اور صلاحیت معانی کی گہرائی پر صرف کر دیتا ہے۔

اسی ہمارے ادب کی تاریخ لکھنے والوں نے سابقہ بزرگ شعراء کی نگارشات کو (ایک لحاظ سے) دو مختلف سبک میں تقسیم کیا ہے: سبک عراقی اور سبک ہندی۔

جن بزرگ شعراء نے پہلے سبک واسلوب کے مطابق شعر کہے ہیں، اُنھوں نے اپنا ذوق اور استعداد زیادہ تر الفاظ کی خوبصورتی میں صرف کیا ہے جبکہ دوسرے سبک کے حامیوں نے اکثر اوقات دقیق معانی اور اس کی مخصوص ظرافتوں کو مدنظر رکھا ہے۔

اس بات کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بہت کم لوگ ایسے ملیں جنہوں نے ہر دو اسلوب کو اہمیت دی ہو اور اپنے بعد دلچسپ نگارشات چھوڑی ہوں، لیکن وہ اپنے کام میں کس حد تک کامیاب رہے ہیں، یہ بات تفصیل طلب ہے۔

چونکہ ہمیشہ مدنظر معنیٰ ومفہوم کو خوبصورت اور ہم آہنگ ودلچسپ الفاظ میں نہیں ڈھالا جا سکتا اور اس کی تمام باریکیاں منعکس نہیں سکتیں، لہذا اکثر شاعر، اہل سخن اور خطباء الفاظ کی زیبائی اور معانی کی خوبصورتی کے دوراہے پر کھڑے نظر آتے ہیں اور مجبوراً کسی ایک راستے کو اختیار کر لیتے ہیں۔ لہٰذا بہت سی منظومات اور نثروں

میں معانی، سجع اور قافیہ کی نذر ہو جاتے ہیں۔

لیکن جو لوگ عربی ادب سے آشنا ہیں اور پھر قرآن سے آگاہ ہوتے ہیں، تو دیکھتے ہیں کہ اس عظیم الٰہی کتاب نے اس اہم خصوصیت کی معجزانہ حد تک حفاظت کی ہے اور اس میں الفاظ انتہائی شرین ولذیذ، اس کے جملات بہت ظریف وزیبا اور کلمات موزوں اور ہم آہنگ انداز میں ادا ہوئے ہیں، اور یہ فصاحت وبلاغت کے لحاظ سے اعجاز قرآن کے پہلوؤں میں سے ایک پہلو ہے۔

قرآن اپنے معانی ومطالب کی ادائیگی میں کسی قسم کے تکلف سے کام نہیں لیتا اور اپنا مقصود بہت ہی وضاحت کے ساتھ بیان کر دیتا ہے اس کے باوجود اس کے معانی کو ایسے الفاظ کا لباس پہنایا گیا ہے جو خوبصورتی کی بلندیوں تک پہنچا ہوا ہے۔

۴۔شعراء اور اہل سخن کے درمیان یہ بات مشہور ہے کہ بعض مواقع پر بیان کی خوبصورتی کے لئے جھوٹے مبالغے سے کام لینا چاہیے، مثلاً بیابانوں میں لشکر کے گھوڑوں کے سموں سے اُٹھنے والے گرد وغبار سے زمین کے سات طبقات کو چھ اور آسمان کے سات طبقات کو آٹھ کیا جا سکتا ہے! یا فلک کی نو کرسیوں کو اپنے پاؤں کے نیچے بچھایا جا سکتا ہے تا کہ ''قزل ارسلان'' کی بلندیوں کی برابری کی جا سکے! دل کو خون کا دریا اور آنکھوں کے آنسوؤں سے دریائے جیحون بنایا جا سکتا ہے! حتیٰ یہاں تک کہا گیا ہے:

در شعر مپیچ ودر فن او　　که از اکذب اوست احسن او!

اس لحاظ سے خوبصورت ترین شعر وہی ہے　　جو سب سے زیادہ جھوٹ پر مبنی ہو۔

یہ جو قرآن مجید نے شعراء کے بارے میں فرمایا: ''**أَلَمْ تَرَى أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ**'' یعنی: ''کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں'' بظاہر اسی مطلب کی طرف اشارہ ہے چونکہ اکثر شعراء خیالات وشاعرانہ تشبیہات میں غرق ہوتے ہیں۔[۲]

لیکن جب ہم قرآن مجید کی طرف رجوع کرتے ہیں تو اس میں کسی بھی جگہ جھوٹ پر مبنی مبالغہ نہیں دیکھتے اور اس کے الفاظ ومعانی میں جس قدر خوبصورتی اور ظرافت پائی جاتی ہے، وہ سب کی سب حقائق کو بیان کر رہی ہوتی ہے۔اسی لئے ہم قرآن کی متعدد آیات میں پیغمبر اسلام ﷺ پر شاعر ہونے کی تہمت اور قرآن مجید کے شعر ہونے کے شبہے کی نفی دیکھتے ہیں۔[۳]

یہ حقیقت ہے کہ قرآن شاعرانہ تخیلات سے عاری، شاعرانہ حقیقت سے دور اغراق ومبالغات اور خیالی

تشبیہات واستعارات سے خالی ہے اور سوائے یقینی اور قطعی حقائق بیان کرنے کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔اس کے باوجود اس قدر شرین اور دلچسپ ہے کہ اسلام سے کوسوں دور رہنے اور پیغمبر اسلام ﷺ کی مخالفت کرنے والوں کو بھی اپنی جانب کھینچ رہا ہے جس کی چند مثالیں ''قرآن کی جذابیت'' کے عنوان سے پیش کی جا چکی ہیں۔

دلچسپ بات یہ کہ تاریخ کے مطابق، عرب کے بہت سے مشہور شعراء جب اپنے آپ کو قرآن مجید کی فصاحت کے مقابلے میں دیکھتے تو دل وجان سے اسلام کے گرویدہ ہو جاتے تھے۔قدرت مند شعراء میں سے جو لوگ قرآن کی جاذبیت کی وجہ سے مسلمان ہوئے ہیں، اُن میں سے ایک: ''لبید'' نامی شاعر تھا، جس کے شعر ایام جاہلیت میں معلقات سبع میں شمار ہوتے تھے (معلقات سبع سے مراد وہ سات معروف شعر ہیں کہ جو عربوں کے منتخب اشعار کے عنوان سے کعبہ کی دیوار پر آویزاں کئے گئے تھے) ''حسان بن ثابت'' بھی اُن ثروت مند شعراء میں سے ہے، جو قرآن کی جاذبیت کی وجہ سے مسلمان ہو گیا تھا۔

''خنساء'' بھی ایک عرب شاعرہ اور نقاد تھی اور ''اعشیٰ'' بھی ایسے شعراء میں سے ہے جس کی مثال بہت کم ملتی ہے، یہ دونوں بھی اسلام کی گرویدہ ہو گئیں تھیں اور قرآن کی جاذبیت سے بہرہ مند ہوئی تھیں۔[۴]

۵۔قرآن کی فصاحت وبلاغت کے مظاہر میں سے ایک اور چیز اس میں موجود ایک ''مخصوص آہنگ'' ہے۔ادیبوں کا کلام یا تو شعر کی صورت میں ہوتا ہے یا نثر میں، قرآن نہ تو شعر ہے، نہ ایک عام اور معمولی نثر ہے۔قرآن ایک مخصوص آہنگ کی حامل نثر ہے جو خود اسی سے مختص ہے، ایسی نثر جو قرآن کی قرائت کرنے والوں میں ایک مکمل آہنگ کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

اگر چہ ہم کے قرآن کے بارے میں ''موسیقی'' کی تعبیر استعمال نہیں کر سکتے، چونکہ موسیقی عرف عام میں منفی مفاہیم سے آلودہ چیز سمجھی جاتی ہے، لیکن ''مصطفیٰ رافعی'' جیسے بعض مشہور عرب اہل قلم نے اپنی کتاب ''اعجاز القرآن'' میں لکھا ہے: ''قرآن کے اسلوب اور روش سے ایسے آہنگ اور لہجے وجود میں آتے ہیں جو ہر سننے والے کو اُسے سننے پر اُبھارتے ہیں اور یہ خود ایک قسم کی مخصوص موسیقی ہے جس کی اس زمانے میں اس طرح کے موزوں کلمات میں مثال نہیں ملتی۔قرآن کی یہی نظم وترتیب تھی کہ جس کی وجہ سے عرب طبع کو صفا ملتی تھی اور اُسے جدید طرز کے نظم واسلوب سے متعارف کراتی تھی، جس کی مثال اس سے پہلے کہیں بھی نہیں ملتی''۔

اس سلسلے میں ایک مغربی دانشور ''بولا تیتلر'' کہتا ہے: ''یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ انسانی فصاحت، قرآن جیسی تاثیر رکھتی ہے، خصوصاً جب وہ مسلسل اپنے عروج پر ہو اور اُس میں کوئی کمزوری بھی دکھائی نہ دے

اور ہر زمانے میں وہ ایک جدید قلعے کو فتح کر رہی ہو، جی ہاں! یہ ایک ایسا معجزہ ہے جس کے سامنے روی زمین پر بسنے والے لوگ اور آسمان کے فرشتے بھی عاجز ہیں''۔۵

ایک دوسرا دانشور'' کانٹ ہنری دی کستری'' کہتا ہے:''اگر قرآن میں معانی کی بلندی اور مبانی کی خوبصورتی نہ بھی ہوتی تو افکار کو فتح کرنے اور تمام دلوں کو اپنی طرف جذب کرنے کے لئے کافی تھا''۔ ۶

۶۔ یہ نکتہ بھی اہمیت رکھتا ہے کہ عام طور پر ہر کلام تکرار کی وجہ سے انسان کو تھکا دیتا ہے، لیکن قرآن اس قدر شرین ہے کہ کئی سو دفعہ پڑھنے کے باوجود باعث ملال نہیں ہوتا، اس کی جاذبیت اور شرینی باقی رہتی ہے یہ بات یہ فقط قرآن کے معتقدین میں مشہور ہے بلکہ دوسرے لوگوں نے بھی بار ہا اس چیز کو دیکھا ہے۔

یہ وہی چیز ہے کہ جو امام علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام کی ایک مشہور حدیث میں ذکر ہوئی ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا:''مٰا بٰالُ الْقُرآنِ لاٰ یَزْدادُ عَلَی النَّشْرِ وَالدَّرْسِ اِلّٰا غَضٰاضَةً؟یعنی:''آخر قرآن اس قدر زیادہ پڑھے جانے اور درس و بحث کے باوجود پُرانا نہیں ہوتا؟''

امامؑ نے فرمایا:''لِاَنَّ اللّٰهَ تَبٰارَکَ وَ تَعٰالٰی لَمْ یَجْعَلْهُ لِزَمٰانٍ دُونَ زَمٰانٍ وَلاٰ لِنٰاسٍ دُونَ نٰاسٍ، فَهُوَ فِي کُلِّ زَمٰانٍ جَدِیدٌ، وَ عِنْدَ کُلِّ قَوْمٍ غَضٌّ اِلیٰ یَوْمِ الْقِیامَةِ: یعنی:'' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو کسی خاص زمانے یا کسی خاص گروہ کے لئے قرار نہیں دیا۔ لہٰذا وہ ہر زمانے میں تازہ ہے اور ہر قوم وگروہ کے لئے قیامت تک کے لئے طراوت وتازگی رکھتا ہے''۔۷

امام علیؑ بھی ایک مختصر و جامع جملے میں فرماتے ہیں:''لاٰ تُخْلِقُهُ کَثْرَةُ الرَّدِّ وَ وُلُوجُ السَّمْعِ'':

''قرآن کو بار بار پڑھنا اور سننا، اُسے پرانا نہیں کرتا''۔۸

۷۔فصاحت وبلاغت کی ظرافتوں میں سے ایک الفاظ کی زیادتی سے پرہیز اور اختصار کا لحاظ رکھنے کے باوجود مفہوم اور مراد مکمل رہنا ہے۔ جسے اصطلاح میں''ایجاز مُخل''اور''اطناب مُمل'' سے بچنا کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں اس بات کا انتہائی لحاظ رکھا گیا ہے، بعض اوقات تو ایک بڑے سے بڑے قصے کو ایک ہی آیت میں بیان کر دیا گیا ہے کہ جس کا ہر جملہ اس قصے کے ایک بڑے حصے کی حکایت کر رہا ہوتا ہے، جس کے قرآن میں بہت زیادہ نمونے دیکھے جاسکتے ہیں۔

اس کا واضح نمونہ قرآن کی یہ معروف آیت ہے:'' وَقِیلَ یٰاأَرْضُ ابْلَعِی مٰائَکِ وَیٰاسَمٰاءُ أَقْلِعِی وَغِیضَ الْمٰاءُ وَقُضِیَ الْأَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَی الْجُودِیِّ وَقِیلَ بُعْدًا لِلْقَوْمِ الظّٰالِمِینَ:

یعنی:''اور کہا گیا: اے زمین! اپنا پانی نگل جا، اے آسمان رک جا، پانی نیچے چلا گیا اور معاملہ ختم ہو گیا۔ وہ (کشتی) جودی (پہاڑ کے دامن) میں ٹھہر گئی۔ (اس وقت) کہا گیا کہ ظالم لوگوں کے لئے (خدا کی رحمت سے) دوری ہے۔''[9]

یہی وہ آیت ہے کہ جس کے سامنے مشہور عرب ادیب ''ابن مقفع'' نے گھٹنے ٹیک دیئے تھے کہ جب اس نے اپنے دوستوں کے ساتھ وعدہ کے مطابق قرآن کے چوتھائی حصے کے مقابلے کے لئے اُٹھ کھڑا ہونا تھا، لیکن جب وہ اس آیت پر پہنچا اس کا ہاتھ رُک گیا اور اس نے اپنے آپ کو اس کے مقابلے میں بالکل عاجز اور ناتوان پایا، کیونکہ اس آیت میں پورے اختصار کے باوجود طوفان نوحؑ کے واقعے کو تمام جزئیات کے ساتھ اور چھوٹی چھوٹی بامعنی تعبیرات کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور بعض محققین کے بقول اس میں ادبی صنایع کے ۲۳ نکات (استعارہ، طباق، مجاز، حذف، اشارہ، موازنہ، جناس، تسہیم یا ارسال، تقسیم، تمثیل اور ارداف وغیرہ) جمع ہیں۔[10]

۸۔ادبی لحاظ سے قرآن کی دوسری خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ قرآنی عبارتوں میں ظرافت اور لطافت کے باوجود غیر معمولی ''صراحت وقاطعیت'' پائی جاتی ہے۔

سب جانتے ہیں کہ بولنے والے کے صراحت لہجہ سے سبھی لوگ لذت محسوس کرتے ہیں، چونکہ وہ بغیر کسی لگی لپٹی کے حقائق کو بیان کر دیتا ہے اور ایک انسان کے لئے حقیقت سے زیادہ کوئی چیز لذیذ نہیں ہوتی۔

کلمات کو چبا چبا کر اور چند پہلوؤں کے ساتھ ادا کرنا (اگر چہ بعض خاص حالات میں ایسا کرنا ضروری ہو جاتا ہے) بولنے والے کے اپنے اوپر اور اپنے کلام پر عدم اعتماد کی علامت ہے، یا ایسا سننے والوں کے ڈر وخوف کی وجہ سے ہوتا ہے۔ بہر حال یہ چیز بولنے والے کی کمزوری اور ناتوانی کی حکایت کر رہی ہوتی ہے۔

صراحت اور قاطعیت اکثر اوقات غصے اور خشونت کے ہمراہ ہوتی ہے، لیکن اہم چیز یہ ہے کہ صراحت اور قاطعیت کے ساتھ ساتھ بیان میں لطافت بھی ہونی چاہیے اور یہ چیز قرآن کی آیات میں بخوبی دیکھی جا سکتی ہے۔

اسلام کے خلاف سب سے اہم محاذ، توحید وشرک کا محاذ تھا۔ لہٰذا قرآن نے اسی میدان میں زیادہ سے زیادہ صراحت وقاطعیت دکھائی ہے:

ایک قرآن کا فرماتا ہے:''**اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ. وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ. ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ**'':

یعنی: ''اللہ کو چھوڑ کر تم جنھیں پکارتے ہو وہ سب مل کر ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے بلکہ مکھی اگر کچھ لے لے تو اس سے واپس نہیں لے سکتے اور طالب ومطلوب (عابد ومعبود) دونوں ہی بڑے کمزور ہیں''۔[۱۱]

جب بت پرست قرآن کی ناقابل برداشت منطق سے فرار کرتے ہوئے اپنے آباؤ اجداد کے سائے میں پناہ لیتے تھے اور کہتے تھے: ''**بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَائَنَا**'': ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا۔ تو اس وقت قرآن قاطعیت کے ساتھ جواب میں فرماتا: ''**أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لاَيَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلاَيَهْتَدُون**'': یعنی: کیا ایسا نہیں کہ ان کے آباؤ اجداد نہ کسی چیز کو سمجھتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہوں۔[۱۲]

ایک دوسری جگہ، اس سے بھی زیادہ قاطعیت کے ساتھ آباؤ اجداد کے آداب ورسوم پر تکیہ کرنے والوں کے جواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبانی قرآن فرماتا ہے: ''**لَقَدْ كُنتُمْ أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ**''یعنی: ''یقیناً تم اور تمہارے آباؤ اجداد بھی کھلی گمراہی میں پڑے رہے ہو''[۱۳]

پیغمبر اسلام ﷺ پر ایمان کے سلسلے میں فرمایا: ''**فَلاَوَرَبِّکَ لاَيُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوکَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لاَيَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا**'':

یعنی: '' تیرے پروردگار کی قسم! وہ مومن نہیں ہو سکتے مگر یہ کہ وہ اپنے اختلافات میں آپ کو حکم اور فیصلہ کرنے والا مانیں اور پھر آپ کے فیصلہ پر اپنے دل میں کوئی ناراضی محسوس نہ کریں اور اسے مکمل طور پر تسلیم کر لیں''۔[۱۴]

اس طرح فرمان پیغمبرؐ کے ساتھ ظاہر وباطن اور پنہان وآشکار، حتیٰ دل اور خواہشات کی ہم آہنگی کو سچے ایمان کی شرط قرار دیا اور اس کے ساتھ اس قدر صراحت اور قاطعیت کے ہوتے ہوئے ان تعبیرات میں لطافت بھی بالکل واضح ہے۔ دوسرے موضوعات میں بھی خواہ وہ مبداء ومعاد سے متعلق ہوں یا اجتماعی قوانین اور جنگ وصلح سے متعلق مسائل ہوں یا اخلاقی ابحاث ہوں، یہی قاطعیت واضح طور پر دیکھی جا سکتی ہے۔ جس کی مکمل تفصیل کے لئے ایک جدا کتاب کی ضرورت ہے۔

۹۔ عفت بیان اور متانت

معمولاً اَن پڑھ لوگ اپنی تعبیرات اور کلمات کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، اور اکثر اوقات اپنا مدعا بیان کرتے وقت نزاکت اور ادب سے عاری کلمات استعمال کر جاتے ہیں۔ اگر چہ قرآن ایسے ہی لوگوں کے

درمیان نازل ہوا ہے، لیکن اُس نے ہرگز اس ماحول کا رنگ نہیں اپنایا اور اپنی تعبیرات وکلمات میں انتہائی متانت وعفت بیان کا خیال رکھا ہے، اس کی وجہ سے قرآن کی فصاحت وبلاغت کو ایک خاص اہمیت حاصل ہوگئی ہے۔

بڑے بڑے خطباء اور اہل قلم جب عاشقی یا اسی قسم کے مسائل کا سامنا کرتے ہیں تو مجبوراً داستان کے اصلی ہیرو کے حقیقی چہرے کی عکاسی کرنے کے لئے اپنی زبان اور قلم کا آزاد چھوڑ دیتے ہیں اور اصطلاحاً کلام کا حق ادا کر دیتے ہیں اور اس طرح ہزار قسم کی گندی اور شہوت انگیز تعبیرات استعمال ہو جاتی ہیں۔

یا وہ مجبوراً بیان کی نزاکت اور عفت کلام کی خاطر بعض مناظر کو ابہام کے پردوں میں چھپا دیتے ہیں اور اپنے حریفوں کے ساتھ اشارے کنائے میں باتیں کرنے لگتے ہیں۔ اور ان دونوں چیزوں یعنی؛ مکمل طور پر واقعیت کو بیان کرنا اور قلم وبیان کو خلاف عفت اور نزاکت کلام سے آلودہ ہونے سے بچانا، ایک بہت ہی مشکل کام ہے جسے کم ہی لوگ انجام دے سکتے ہیں۔

یہ بات کیسے قبول کی جاسکتی ہے کہ ایک اَن پڑھ اور انتہائی پس ماندہ اور نیم وحشی ماحول سے اُٹھنے والا شخص، مسائل کو مکمل طور پر بیان کرنے کے ساتھ ساتھ نزاکت وعفت بیان سے دور کوئی معمولی سی تعبیر بھی اختیار نہ کرے۔

مثال کے طور پر جب قرآن مجید حضرت یوسف - کے حقیقی واقعے کے بعض حساس مناظر کی منظر کشی کرتے ہوئے ایک ہوس کی ماری خوبصورت عورت کے عشق سوز ان کو بیان کرتا ہے تو واقعات کے ذکر کرنے سے چشم پوشی کئے بغیر، ان مطالب کو ابہام واجمال کے پردے میں بیان کرتے ہوئے عفت واخلاق کے تمام اُصولوں کی رعایت کرتا ہے اور کہے جانے والے تمام مطالب کو بیان کر دیتا ہے، لیکن عفت بیان کے اصول سے ذرہ بھر بھی انحراف نہیں کرتا۔ مثلاً عشق ''زلیخا'' کی خلوت گاہ کا ماجرا، اس طرح بیان کرتا ہے:

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ وَغَلَّقَتْ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ قَالَ مَعَاذَ اللهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ إِنَّهُ لَايُفْلِحُ الظَّالِمُونَ: یعنی: ''اور جس عورت کے گھر میں یوسفؑ رہتا تھا اس نے اس سے اپنے مطلب کے حصول کی خواہش کی اور دروازے بند کر دیئے اور کہا کہ اس چیز کی طرف جلدی آؤ جو تمہارے لئے مہیا ہے۔ (یوسفؑ نے) کہا: میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں وہ (عزیز مصر) میرا صاحب نعمت ہے اور اس نے مجھے محترم جانا ہے (اور میں اس سے خیانت کروں؟) یقیناً ظالم فلاح نہیں پائیں گے۔''[۱۵]

دلچسپ بات یہ کہ قرآن نے یہاں پر ''رٰاوَدَ'' استعمال کیا ہے اور یہ کلمہ اس جگہ کہا جاتا ہے کہ جہاں کوئی نرمی اور ملائمت کے ساتھ اصرار کے ساتھ کسی چیز کا انسان سے تقاضا کرے، یہ ایک ایسا کلمہ ہے جو اپنا مقصد بیان کرنے کے ساتھ مکمل ہم آہنگ ہے۔

دوسری جانب زلیخا یا عزیز مصر کی بیوی کا نام تک نہیں لیا جاتا، بلکہ کہا جاتا ہے: ''الَّتِی هُوَ فِی بَیْتِهَا'' یعنی ''جس عورت کے گھر میں یوسفؑ رہتا تھا'' تاکہ یوسفؑ کی حق شناسی کے نکتے کو مجسم کیا جاسکے اور اس کے ساتھ اس قسم کی (عورت) کے مقابلے میں اُن کے مقام تقویٰ کو بھی بیان کیا جائے کہ جس کے پنجہ (قدرت) میں اُن کی زندگی تھی، لیکن پھر بھی اُنھوں نے استقامت و پائیداری دکھائی۔

تیسرا یہ کہ جملہ ''غَلَّقَتْ الْأَبْوَابَ'' یعنی ''تمام دروازے محکم بند کردیئے'' باب تفعیل کے مصدر کے حکم میں مبالغہ کا معنیٰ دے رہا ہے، جس سے پتا چلتا ہے کہ یہ واقعہ کن سخت ترین حالات میں وقوع پذیر ہوا ہے۔

چوتھا نکتہ یہ کہ جملہ ''قَالَتْ هَیْتَ لَکَ'' یعنی: ''اس چیز کی طرف جلدی آؤ جو تمہارے لئے مہیا ہے'' ان آخری کلمات کی حکایت کررہا ہے جو زلیخا نے یوسفؑ کے وصال کے لئے کہے ہیں، لیکن یہ جملے کس قدر سنگینی، متانت اور عفت بیان کے حامل ہیں اور کسی قسم کے بُرے اثرات نہیں چھوڑ رہے۔

پانچویں اہم بات یہ کہ حضرت یوسفؑ کے اس فرمان ''مَعَاذَ اللهِ إِنَّهُ رَبِّی أَحْسَنَ مَثْوَایَ'' کہ جو اُنھوں نے زلیخا کے جواب میں کہا، میں زلیخا کے لئے ایک تنبیہ اور نصیحت ہے کہ میں تو اس گھر میں چند دن ہی رہا ہوں، لیکن اس گھر کے مالک کے ساتھ کسی قسم کی خیانت نہیں کررہا کہ جس کا میں نے نمک اور رزق کھایا ہے جبکہ تو اس گھر میں پوری عمر رہی ہے، تو کیوں خیانت کررہی ہے؟

اس کے بعد والی آیات کہ جن کی تفصیل بہت طولانی ہوجائے گی، بہت ہی خوبصورتی کے ساتھ اس قصے کی تفصیل بیان کرتی ہیں اور اس میں خواہشات وہوس کی امواج کے سامنے پائیداری دکھانے اور اس موقع پر اپنے آپ کو خدا کے سپرد کرنے کے نیک انجام کی بہت ہی دلچسپ منظر کشی کرتی ہیں۔

ایک دوسری آیت میں جب اپنے آپ کو اس تہمت سے بری ذمہ قرار دینے کے لئے زلیخا نے ایک دعوت کا اہتمام کیا اور اس وقت اس دعوت میں آنے والی مہمان مصری عورتوں کے احساسات وجذبات کو ایک مختصر جملے میں بیان کرنا چاہا تو فرمایا:

" فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا هَذَا بَشَرًا إِنْ هَذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ "
یعنی: ''جب ان کی نگاہ اس (یوسفؑ کے خوبصورت چہرے) پر پڑی تو وہ دنگ رہ گئیں اور (بے اختیار) انھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور کہا: حاشا للہ یہ بشر نہیں ہے، یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔''[۱۶]

''مَلَكٌ كَرِيمٌ '' (بزرگ فرشتے) کی تعبیر حضرت یوسفؑ کی غیر معمولی خوبصورتی کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اُن کی اعلیٰ درجے کی پاکدامنی کو بھی ظاہر کررہی ہے۔ جیسا کہ عام طور پر ایسی تعبیرات کے ذریعے کسی فرد کی تعریف کرتے ہوئے کہا جاتا ہے: یہ تو فرشتہ ہے۔

اور پھر اس کے بعد بہت ہی خوبصورت اور گویا جملوں میں حضرت یوسفؑ، یعنی؛ عفت و پاکدامنی کے اس مجسمے کے مقام ومرتبے کو اس واقعے میں مکمل طور پر ظاہر کیا جاتا ہے۔

۱۰۔ قرآنی مثالیں

قرآن مجید نے حقائق بیان کرنے کے لئے بہت سی ''مثالوں'' سے استفادہ کیا ہے۔ جن کا مجموعہ اس عظیم الٰہی کتاب کی فصاحت وبلاغت کے واضح مظاہر میں سے ہے۔ ان مثالوں میں جس باریکی بینی سے کام لیا گیا ہے اور اُن میں سے ہر مثال میں جو ظریف ودقیق اور دلنشین نکات استعمال ہوئے ہیں، وہ انسان کو حیرت زدہ کردیتے ہیں۔

بنیادی طور پر (علمی) مباحث کی توضیح وتفسیر میں مثال کا کردار ناقابل انکار ہے۔ اسی لئے کسی بھی اہم علمی موضوع میں ہمارے لئے حقائق کی وضاحت کرنے اور اُنہیں ذہن کے نزدیک کرنے کے لئے مثال کا ذکر کرنا ناگزیر ہوتا ہے۔ چونکہ بعض اوقات مقصد ومراد سے مناسبت رکھنے والی ہم آہنگ مثال پیچیدہ ترین مطلب کو آسمان سے زمین پر لے آتی ہے اور وہ مطلب سب کے لئے قابل فہم بن جاتا ہے۔

لہٰذا دنیا کے فصیح وبلیغ اور ادیب وشاعر لوگوں کا ایک بڑا فن وہنر یہی تمثیل گوئی سے کام لینا ہے۔ ''زمخشری'' اپنی تفسیر ''کشاف'' میں ''مَثَل'' کے بارے میں کہتا ہے: عرب زبان میں مَثَل درحقیقت مِثْل، یعنی؛ نظیر کے معنیٰ میں ہے۔ اُن کے نزدیک ضرب امثال اور علماء کا امثال میں بات کرنا ایک بلند شان رکھتا ہے۔ چونکہ اس سے مخفی معانی سے پردہ اُٹھ جاتا ہے، تاریک نکات روشن ہوجاتے ہیں یہاں تک کہ ایک مُخَیّل (خیال شدہ) چیز مسلّم وثابت ہوجاتی ہے، مشکوک شئی یقینی بن جاتی ہے اور غائب، شاہد میں جلوہ گر ہوجاتا ہے۔ اسی لئے ''کتاب قرآن مبین'' اور دوسری تمام الٰہی کتب میں اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ مثالیں ذکر کی ہیں۔[۱۷]

مثالوں کے چند فائدے ہوتے ہیں، یہ عقلی مسائل کو حسی بنا دیتی ہیں، دور کے راستوں کو نزدیک کر دیتی ہیں، ان سے مطالب سب کے لئے قابل فہم ہو جاتے ہیں، مثال مسائل کو زیادہ قابل اطمینان بنا دیتی ہے اور ایک مناسب واچھی مثال ضدی سے ضدی انسانوں کو بھی خاموش کر دیتی ہے۔ بعض محققین نے قرآنی مثالوں کو ایک کتاب کی شکل میں جمع کیا ہے اور ایک سو سے زیادہ قرآنی مثالوں کے بارے میں تحلیل وتجزیہ کیا ہے۔

درحقیقت قرآنی مثالیں ایک معجزہ ہیں۔ اس حقیقت کے ادراک کے لئے ان میں سے کچھ مثالوں کے بارے میں ایک دقیق تحقیق پیش کی جارہی ہے۔

قرآن کی معجزانہ مثالوں کے چند نمونے

جب قرآن حق وباطل کی ایک دقیق منظر کشی کرنا چاہتا ہے تو فرماتا ہے:

أَنزَلَ مِنْ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَابِيًا وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِثْلُهُ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللهُ الْأَمْثَالَ .

یعنی: ''اللہ نے آسمان سے پانی بھیجا اور ہر درہ اور دریا سے ان کی مقدار کے مطابق سیلاب اُمڈ پڑا پھر پانی کے ریلوں پر جھاگ پیدا ہوگئی۔ اور جن (بھٹیوں) میں زیورات یا اسباب زندگی تیار کرنے کے لئے آگ روشن کرتے ہیں، ان سے جھاگ نکلے گی۔ اس طرح اللہ حق وباطل کی مثال بیان کرتا ہے، لیکن جھاگ ایک طرف ہو جاتی ہے (اور بہت جلد ختم ہو جائے گی) اور لوگوں کے لئے فائدہ رساں چیز (پانی یا خالص دھات) زمین میں باقی رہ جاتی ہے۔ اللہ اسی طرح مثال بیان کرتا ہے''۔[۱۸]

معانی سے پُر اس مثال میں کہ جو بہت موزوں الفاظ وعبارات کے ساتھ بیان کی گئی ہے، حق وباطل کی منظر کشی بہترین شکل میں کی گئی ہے اور اس میں بہت ہی اہم حقائق پوشیدہ ہیں، جن میں سے کچھ کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

۱۔ حق وباطل کی شناخت بعض اوقات اس قدر پیچیدہ ہو جاتی ہے، جس کے لئے علامتوں کی طرف

جانا ضروری ہوجاتا ہے۔

۲۔حق ہمیشہ مفید اور فائدہ مند ہوتا ہے۔گویا صاف وشفاف پانی کی طرح حیات وزندگی کا سرمایہ ہے یا خالص دھاتوں کی طرح ہے جو یا تو زینت کے لئے یا اسباب زندگی کے لئے استعمال ہوتی ہیں۔

۳۔حق، ہمیشہ اپنے اوپر بھروسہ کرتا ہے،لیکن باطل،حق کی آبرو سے مدد لیتے ہوئے اپنے آپ کو اس کے لباس میں پیش کرنے کی سعی کرتا ہے اور اس کی حیثیت وآبرو سے اُسی طرح فائدہ اُٹھاتا ہے،جس طرح ہر جھوٹ،سچائی سے روشنی حاصل کرتا ہے۔اگر دنیا میں سچائی نہ ہوتی تو کوئی بھی جھوٹ پر یقین نہ کرتا۔اسی طرح اگر حق نہ ہوتا تو باطل کے لئے بھی کوئی گنجائش نہ ہوتی۔

۴۔ہمیشہ ہر موجود اپنی ظرفیت کے مطابق بہرہ مند ہوتا ہے،جس طرح ہر درے سے اُس کی گنجائش کے مطابق بارش کا پانی بہتا ہے۔

۵۔باطل ہمیشہ پریشانیاں پیدا کرنے کی سعی کرتا ہے۔جیسا کہ سیلاب جب پہاڑوں سے جوش وخروش کے ساتھ بہنا شروع کرتا ہے تو جھاگ بھی اپنے ساتھ لاتا ہے،لیکن جب وسیع وعریض میدانوں میں پہنچتا ہے تو اس کا جوش وخروش ختم ہوجاتا ہے اور جھاگ بھی ختم ہوجاتی ہے۔

۶۔باطل فقط ایک لباس میں ظاہر نہیں ہوتا، بلکہ وہ ہر لحظہ اپنا رنگ ولباس بدلتا رہتا ہے۔جس طرح جھاگ پانی پر پیدا ہوتی ہے،اسی طرح بھٹیوں میں دھاتوں کے (پگھلنے سے) بھی جھاگ پیدا ہوتی ہے۔بنابریں ان کی رنگا رنگی سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے۔حق وباطل کی پہچان رکھنے والی آنکھوں کو اُنہیں ہر رنگ ولباس میں پہنچان لینا چاہیے۔

۷۔حق وباطل کی جنگ دائمی ہے۔''یہ میٹھے اور کھارے پانی رگ رگ ہوتا ہے اور تا قیامت خلائق میں یہ جنگ رہتی ہے''۔جس طرح آسمانوں سے بارش برستی رہتی ہے اور بھٹیوں میں دھاتیں پگھلتی رہتی ہیں،اسی طرح (حق وباطل کی جنگ بھی) ہمیشہ جاری رہتی ہے۔

۸۔باطل ظاہر اور آنکھوں میں آنے والا،لیکن اندر سے خالی ہوتا ہے۔مگر حق متواضع،خاموش اور ہنر نما ہوتا ہے۔

اس آیت میں غور وفکر سے اس مثال میں بہت سے دوسرے نکات بھی مل سکتے ہیں۔یہ قرآنی مثالوں کا ایک نمونہ تھا۔بہت سی دوسری مثالیں بھی ہیں،مثلاً:

اللہ کی راہ میں انفاق اور اس کی (گندم کے) دانوں اور خوشوں سے تشبیہ۔(سورۂ بقرہ:۲۶۱)

ریاکارانہ اعمال کی اس بارش سے تشبیہ جو سنگ خارا پر برستی ہے کہ جس پڑی ہوئی تھوڑی بہت گرد وغبار کو صاف کر دیتی ہے اور ختم ہو جاتی ہے۔جبکہ خالصانہ عمل اس بارش کی طرح ہے جو سورج کی کرنوں اور صاف وشفاف ہوا کے سامنے پھیلی ہوئی زرخیز زمین پر برستی ہے۔(سورۂ بقرہ:۲۶۴،۲۶۵)

کفار کے اعمال کو ہوا کے سامنے خاکستر سے تشبیہ دینا(سورۂ ابراہیم:۱۸)

یا سراب سے تشبیہ دینا(سورۂ نور:۳۹)

یا آسمان پر بادلوں کے پھیل جانے سے سمندر میں یارات کے وقت پھیلی ہوئی ظلمت وتاریکی سے تشبیہ دنیا(سورۂ نور:۴۰)

منافقین کے اعمال کو ایک ایسے شخص سے تشبیہ دینا جو تاریک رات میں،کسی بیابان میں راستہ گم کر بیٹھتا ہے،اور گرج چمک سے لرزنے لگتا ہے۔ایک لحظے کے لئے چمکتی ہوئی بجلی کی روشنی میں چلنے کی سعی کرتا ہے،لیکن ایک بار پھر تاریکی چھا جاتی ہے اور اس کی نظروں میں سب کچھ تاریک ہو جاتا ہے۔(سورۂ بقرہ:۱۹،۲۰)

بت پرستوں کے شعور وقدرت سے خالی بتوں پر بھروسہ کرنے کو(خانہ عنکبوت) مکڑی کے جالے سے تشبیہ دنیا۔(سورۂ عنکبوت:۴۱)

غیبت کرنے والوں کو اس شخص سے تشبیہ دینا جو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھاتا ہے۔(سورۂ حجرات:۱۲)

اور پھر اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کو آسمانوں اور زمین کے نور اور پھر اس نور کو خاص خصوصیات کے حامل چراغ سے تشبیہ دینا،اپنے اندر انواع واقسام کی ظرافتیں رکھتا ہے(سورۂ نور:۳۵)

اسی طرح بہت سی دوسری مثالیں کہ جن کو یہاں ذکر کرنا طولانی ہونے کا باعث بنے گا،یہ سب قرآن کی فصاحت وبلاغت کو ظاہر کرتی ہیں اور ہمیں اُن اقدار اور اقدار مخالف چیزوں سے آشنا کراتی ہیں جن کا سامنا ہمیں اپنی زندگی میں کرنا پڑتا ہے۔اور اس طرح خوبصورت مثالوں کی شکل میں معارف کی ایک دنیا ہم پر کھل جاتی ہے۔

حوالہ جات

(۱) عیون الاخبار بحوالہ تفسیر نور الثقلین ر ج ۱ ر ص ۴۳، یہ حدیث کافی اور بحار الانوار میں بھی نقل ہوئی ہے۔
(۲) شعراء ر ۲۲۵
(۳) قرآن کی تین آیات میں مشرکین کی طرف سے یہ تہمت نقل ہوئی ہے: (سورۂ انبیاء ۵ ر سورۂ صافات، سورۂ طور ر ۳۰) اور دو آیات میں تو اللہ تعالیٰ واضح طور پر اپنے رسولؐ سے اس نسبت کی نفی فرما رہا ہے۔ (سورۂ یس ر ۶۹ اور سورۂ حاقہ ر ۴۱)
(۴) شیوہ ھای اعجاز قرآن ر صفحہ ۷۷
(۵) اثبات الھداۃ ر ج ۱ ر ص ۲۲۳ ر کے حواشی
(۶) ایضاً صفحہ ۲۲۲
(۷) میزان الحکمۃ ر جلد ۸ ر ص ۷۰
(۸) نہج البلاغہ ر خطبہ ۱۵۶
(۹) سورۂ ہود ر ۴۴
(۱۰) شیوہ ہای اعجاز قرآن ر صفحہ ۵۲
(۱۱) سورۂ حج ر ۷۳
(۱۲) سورۂ بقرہ ر ۱۷۰
(۱۳) سورۂ انبیاء ر ۵۴
(۱۴) سورۂ نساء ر ۶۵
(۱۵) سورۂ یوسف ر ۲۳
(۱۶) سورۂ یوسف ر ۳۱
(۱۷) امثال القرآن ر صفحہ ۱۲۰
(۱۸) سورۂ رعد ر ۱۷

☆☆☆☆☆

قرآنی آیات میں غور کرو اور ان میں عبرت حاصل کرو کیونکہ قرآن ہی بلیغ ترین عبرت ہے۔
(امام علیؑ۔ غرر الحکم)

قرآن میں نسخ

سید مزمل حسین نقوی ☆

آیا قرآن میں ناسخ اور منسوخ ہیں یا نہیں؟ یہ ایسا مسئلہ ہے جو ہمیشہ سے علماء کے درمیان زیر بحث رہا ہے۔اس مسئلے کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے نسخ کے لغوی اور اصطلاحی معانی بیان کرنا ضروری ہیں۔

نسخ کے لغوی معانی

لغت میں نسخ کے دو معانی بیان کیے گئے ہیں:

۱۔نقل کرنا؛ مثال کے طور پر جب کہا جاتا ہے: "**نسخت الکتاب**" تو اس کا معنی ہوتا ہے کہ میں نے کتاب کو حرف بحرف نقل کیا۔

۲۔زائل کر دینا، ختم کر دینا؛ مثال کے طور پر جب کہا جاتا ہے:"**نسخت الریح آثار الدار**" تو اس کا معنی ہوتا ہے کہ طوفان نے گھر کے آثار تک ختم کر دیے۔یا جب کہا جاتا ہے:"**نسخت الشمس الظل**" تو اس کا معنی ہوتا ہے کہ سورج نے سائے کو ختم کر دیا۔(۱)

تو اس تناظر میں یہ کہنا چاہیے کہ قرآن کریم میں ناسخ و منسوخ کی بحث، نسخ کے ان معنوں میں نہیں، بلکہ نیچے بیان ہونے والے اصطلاحی معنی کے لحاظ سے ہے۔

نسخ کے اصطلاحی معانی

قدیم اصطلاح میں سابقہ حکم میں ہر قسم کی تبدیلی کو "نسخ" کہتے ہیں۔چاہے کلی طور پر اس حکم کو ختم کر دیا جائے یا اس میں تخصیص و تقیید لگا دی جائے۔جدید اصطلاح میں کلی طور پر سابقہ حکم کے ختم کر دینے کو نسخ کہتے ہیں۔(۲)

☆ڈائریکٹر ریسرچ، البصیرہ اسلام آباد

جدید محققین کی رائے

نسخ کی اصطلاحی تعریف کے آجانے کے بعد سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا جدید اصطلاح کے مطابق نسخ، یعنی کلی طور پر سابقہ حکم کا ختم ہو جانا، شریعت خصوصاً قرآن میں واقع ہوا ہے یا نہیں؟ مذکورہ سوال کے جواب میں اگرچہ بہت سے علمائے اسلام نسخ کے قائل ہیں اور انھوں نے اس سلسلے میں کتابیں بھی لکھی ہیں۔(۳) لیکن عصر حاضر کے محققین اس کا انکار کرتے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ قرآن میں کوئی آیت منسوخ نہیں ہوئی ہے کیونکہ اصطلاح میں نسخ سے مراد ہے: ایک حکم شرعی سے پہلے والے حکم شرعی کو تبدیل کرنا۔

لہٰذا ضروری ہے کہ ناسخ اور منسوخ دونوں شرعی حکم ہوں۔ نیز سابقہ حکم میں ظاہری طور پر دوام کی صلاحیت ہو جو بعد والے شرعی حکم سے ختم ہو جائے۔اسی لیے اگر شریعت میں نسخ کو قبول کیا جاتا ہے تو وہ ظاہری نسخ ہے نہ کہ حقیقی؛ کیونکہ حقیقی نسخ یہ ہے کہ سابق اور لاحق دونوں حکموں کے درمیان مکمل تضاد ہو۔ نیز وہ اس بات کی حکایت کرے کہ حکم لگانے والے نے تجدید نظر کی ہے اور پہلے حکم کو مکمل طور پر ختم کر دیا ہے۔اور اگر ایسا نہ ہو تو اسے تخصیص یا تقیید کہیں گے۔

اس معنی میں شریعت میں نسخ قابل قبول نہیں ہے کیونکہ اوّلاً، تو دو شرعی حکموں میں تضاد ممکن نہیں ہے ثانیاً، خدا کے لیے کسی حکم میں تجدید نظر قابل تصور نہیں ہے۔پس اگر ہم شریعت میں نسخ کے قائل ہوتے ہیں تو یہ ظاہری نسخ ہے۔

نسخ کبھی تو تمام شریعت کی نسبت سے ہے اور کبھی اس کے بعض احکام کی نسبت سے۔یعنی نئی شریعت نے پہلی شریعت کو نسخ کر دیا ہے یا اس کے بعض احکام کو؟ آج تک کوئی شریعت پوری کی پوری نسخ نہیں ہوئی کیونکہ تمام الٰہی شریعتوں کا سرچشمہ ایک ہے اور یہ شریعتیں احکام کے اصول وضوابط میں ایک جیسی ہیں۔ان کے درمیان کوئی منافات اور تضاد نہیں ہے۔ ہاں زمانے کے تغیرات کی وجہ سے سابقہ شریعت کے بعض احکام نسخ ہوئے ہیں؛ جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ شریعت تورات کے متعلق کہتے ہیں:

وَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰةِ وَ لِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ

یعنی: ''میں تورات (کی شریعت) کو قبول کرتا ہوں اور میں ان بعض چیزوں کو حلال قرار دیتا ہوں جو تم پر حرام تھیں۔''(۴)

یہاں ایک اہم بحث یہ ہے کہ کیا قرآن میں نسخ ہے یا نہیں؟

قرآن میں نسخ کی مفروضہ اقسام

قرآن میں نسخ کی مختلف اقسام کا تصور کیا گیا ہے۔ان میں سے اہم تین ہیں۔(۵)

ا۔نسخ حکم وتلاوت: یعنی وہ آیت جس میں ایک حکم بیان کیا گیا تھا کلی طور پر قرآن سے حذف کر دی گئی ہو۔

۲۔نسخ تلاوت اور بقاء حکم: یعنی آیت قرآن سے حذف ہوگئی ہو لیکن حکم موجود ہو۔

۳۔نسخ حکم اور بقاء تلاوت: حکم نسخ ہو گیا ہو لیکن آیت باقی ہو اور قرآن میں موجود ہو۔

پہلی قسم کے متعلق جو روایت بیان کی گئی ہے وہ قابل قبول نہیں ہے۔حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ احکام رضاع کے متعلق قرآن میں ایک آیت تھی جواب نہیں ہے۔اس آیت کا مفہوم یہ تھا کہ اگر کوئی خاتون کسی بچے کو دس بار دودھ پلا دے تو وہ اس کے لیے محرم بن جائے گا۔پھر یہ آیت ایک اور آیت سے منسوخ ہوگئی جو یہ کہتی تھی کہ اگر کوئی پانچ دفعہ دودھ پلا دے تو وہ محرم ہو جائے گا۔(۶)

کہتے ہیں ناسخ اور منسوخ دونوں آیات قرآن میں موجود تھیں حتیٰ کہ رسول خداؐ کی رحلت کے کچھ عرصہ بعد بھی ان کی تلاوت ہوتی رہی ہے۔(۷) لیکن یہ روایت نص قرآن کے منافی ہے کیونکہ قرآن میں ارشاد ہے: **اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ** .(۸) یعنی:''ہم نے اس قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔'' پس جب خدا یہ کہہ رہا ہے کہ ہم قرآن کی حفاظت کریں گے تو کیسے ممکن ہے کہ قرآن کی دو آیتیں غائب ہوگئی ہوں۔

دوسری قسم پہلی قسم سے بھی زیادہ نامعقول ہے کیونکہ یہ خلاف عقل ہے کہ قرآن سے آیت حذف کر دی جائے اور حکم کسی مستند کے بغیر موجود اور نافذ ہو۔اس کے متعلق حضرت عمر سے روایت نقل کی گئی ہے۔ان کا کہنا ہے کہ آیت: **" الشیخ و الشیخة اذا زنیا فارجموهما البتة"** یعنی:''جب بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت زنا کریں تو ان دونوں کو ضرور سنگسار کر دیا جائے''(۹) قرآن میں موجود تھی کسی وجہ سے حذف ہوگئی۔رسول خداؐ کے دور میں بھی اور بعد میں بھی ہم اس پر عمل کرتے رہے۔ان کا اصرار تھا کہ اسے دوبارہ قرآن میں لکھا جائے لیکن کسی نے ان کی بات نہ مانی۔(۱۰)

تیسری قسم یعنی حکم منسوخ ہو گیا ہے،لیکن آیت باقی ہے اور قرآن کریم میں موجود ہے۔اختلاف اسی قسم میں ہے۔دور حاضر کے علماء و محققین کہتے ہیں کہ قرآن میں ناسخ و منسوخ نہیں ہیں، کیونکہ ناسخ و منسوخ کی بنیادی شرط یہ ہے کہ ان کے درمیان تضاد ہو۔اس لیے کہ اگر ان دو حکموں کے درمیان تضاد اور تنافی

نہ ہوتو وہ مطلق ومقید یا عام وخاص کے زمرے میں آتے ہیں اور انھیں ناسخ ومنسوخ نہیں کہہ سکتے۔

پس نسخ ومنسوخ کی اساسی شرط یہ ہے کہ ان کے درمیان تضاد اور تنافی ہو۔ جبکہ قرآن کا دعویٰ ہے کہ اس میں تضاد موجود نہیں ہے۔ خدا فرماتا ہے:

وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا (۱۱)

یعنی: ''اور اگر یہ غیر خدا کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت زیادہ اختلاف پاتے۔''

معلوم ہوا قرآن کی آیات میں تضاد نہیں ہے۔ جب تضاد نہیں ہے تو نسخ بھی نہیں ہے۔ قرآن میں موجود ہر آیت کا حکم آج بھی موجود ہے۔

نسخ کے قائلین کے دلائل

نسخ کے قائلین کا کہنا ہے کہ قرآن کریم میں متعدد آیات ایسی ہیں جو پڑھی تو جاتی ہیں، لیکن ان کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ بعض کے نزدیک ان کی تعداد پانچ سو ہے۔ (۱۲) یہ آیات صرف ثواب کی خاطر پڑھی جاتی ہیں لیکن ان میں جو احکام ہیں وہ سب منسوخ ہو چکے ہیں۔ بعض احکام قرآن کی دوسری آیات نے منسوخ کر دیے ہیں اور بعض کو احادیث نے۔ نسخ کے قائلین کے دلائل میں درج ذیل شامل ہیں:

پہلی دلیل

(۱) قرآن مجید میں ارشاد ہے:

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا (۱۳)

یعنی: ''ہم جس آیت کو بھی منسوخ کر دیتے ہیں یا اسے فراموش قرار دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی اور آیت لے آتے ہیں۔''

اس آیت سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ خدا نے قرآن کریم میں کسی بات کا حکم دیا، اس کے کچھ عرصہ بعد اس نے سوچا کہ اس حکم کو منسوخ کر دینا چاہیے۔ چنانچہ اس نے ایک اور آیت نازل کر دی۔ جس سے پہلے والا حکم منسوخ ہو گیا۔ بعد والا حکم پہلے والے سے بہتر تھا۔ ابن جوزی نسخ فی القرآن کے متعلق اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''علماء کا اجماع ہے کہ قرآن میں نسخ ہے مگر کچھ افراد اسے نہیں مانتے۔ ابو جعفر کہتے ہیں کہ ایک گروہ

کہتا ہے کہ قرآن میں ناسخ ومنسوخ نہیں ہیں۔لیکن اس گروہ کی پروانہیں کرنی چاہیے، چونکہ اس نے نص قرآن اوراجماع امت کے خلاف بات کی ہے۔خداقرآن میں واضح طور پرفرماتا ہے: "مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ ...الآیه"(۱۴)

جواب: اگراس آیت کوعربی قواعد کی رو سے دیکھا جائے تو واضح ہوجائے گا کہ مذکورہ آیت نسخ پر دلالت نہیں کرتی۔آیت میں جملہ شرطیہ ہے۔ایک شرط ہے ایک جزا۔اس کی اردو میں یوں شکل بنے گی:''اگر آپ کی یہ شئے ضائع ہوگئی تو میں آپ کواس جیسی یااس سے بہتر دوں گا۔''لیکن اگرکوئی شخص ایک ایسی مشروط بات کرے تو کیااس کا لازمی نتیجہ یہ بھی ہے کہ وہ چیز یقیناً ضائع ہوئی ہے؟نہیں۔ایسانہیں ہےاور نہ ہی اس جملے سے یہ سمجھا جاسکتا کہ وہ شے ضائع ہوئی ہےاوراس جیسی یااس سے بہتر ملی ہے۔قرآن کریم کی مذکورہ آیت کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔قرآن کہہ رہا ہے کہ اگرہم نے کوئی آیت نسخ کی تو اس جیسی یااس سے بہتر لائیں گے۔یہاں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آیت نسخ ہوئی ہےاوراس جیسی یااس سے بہتر لائی گئی ہے۔

امام فخرالدین رازی جوخود بھی نسخ کے قائل تھے مذکورہ آیت کے ذیل میں کہتے ہیں:''پہلے تو میں بھی اثبات نسخ کے لیے اسی آیت سے استدلال کرتا تھا،لیکن تفسیر لکھتے وقت مجھ پر یہ حقیقت عیاں ہوگئی کہ میرا استدلال کمزورتھا کیونکہ مَا نَنْسَخْ میں ماشرط اورجزا کا فائدہ دے رہا ہے۔جیسےآپ کہتے ہیں من جائک فاکرمه جوبھی تیرے پاس آئے اس کا اکرام کرو۔اس جملے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کوئی آیا ہےاوراس کا اکرام بھی ہوا ہے۔پس یہ آیت نسخ پر دلالت نہیں کرتی۔(۱۵)

آیت کا صحیح مفہوم

اس آیت کے مفہوم کوسمجھنے کے لیےاس سے پہلے والی آیات کوسمجھنا ضروری ہے۔پیچھے سے سلسلہ کلام یوں چلا آرہا ہے کہ اہل کتاب خصوصاً یہودی، قرآن کریم اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت پر مختلف اعتراضات کرتے ہیں۔ان کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ جب خدانے انبیائے سابقین مثلاً حضرت موسیٰ وغیرہ پراپنے احکام نازل کردیے تھےاوروہ احکام توریت وغیرہ میں موجود ہیں تو پھران کی موجودگی میں اس نئے رسول اورنئی کتاب کی کیاضرورت ہے؟

اس آیت میں اس کا جواب دیا گیا ہے کہ ایک رسول کے چلے جانے کے بعداس کی قوم اس کی وحی کے بعض حصوں کوترک کردیتی ہے،بعض کوفراموش کردیتی ہے،ان ترک کردہ حصوں یافراموش کردہ حصوں کو بعد میں آنے والے رسول کی وحی سے ازسرنوتازہ کردیا جاتا ہے۔یہودیوں سے کہا گیا ہے کہ وحی کا سلسلہ اسی

طرح چلا آ رہا ہے اب چونکہ انسانی شعور پختگی حاصل کر چکا ہے لہٰذا:

(الف) سابقہ انبیاء کی وحی کے وہ تمام احکام جو ان کی قوم کے حالات اور ان کے زمانے کے تقاضوں کے ساتھ مخصوص تھے منسوخ کر کے ان کی جگہ دوسرے احکام وقوانین بھیج دیے جائیں چونکہ وحی کا یہ سلسلہ اب ختم ہو رہا ہے اس لیے یہ احکام وقتی اور ہنگامی نہیں ہوں گے بلکہ ابدی طور پر انسانیت کا ساتھ دینے والے ہوں گے۔ اسی لیے یہ احکام سابقہ احکام سے بہتر ہوں گے۔

(ب) سابقہ انبیاء کی وحی کے وہ احکام جو ان کے بعد فراموش کر دیے گئے تھے، ان کی تجدید کر دی گئی ہے۔ یہ تھی وہ ضرورت جس کی وجہ سے ایک نئے نبی اور ایک نئی کتاب کو بھیجا گیا ہے۔ پس یہاں تک کی بحث میں نسخ کے قائلین کی پہلی دلیل کا جواب آ جاتا ہے۔

دوسری دلیل

نسخ کے قائلین کے دلائل میں سے دوسری دلیل بعض روایات ہیں۔ کیونکہ بعض روایات میں آیا ہے کہ قرآن میں ناسخ ومنسوخ موجود ہیں۔ ابوعبدالرحمٰن سلمی سے مروی ہے کہ امیر المومنین - کوفہ کے ایک قاضی کے پاس سے گزرے۔ اس سے پوچھا کیا ناسخ کو منسوخ سے جدا کرتے ہو؟ کہا: نہیں۔ فرمایا: پھر تو خود کو اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہو۔ (۱۶)

اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ ان روایات میں نسخ کا کلمہ استعمال ہوا ہے لیکن اس یا اس جیسی روایات سے مراد عمومات کی تخصیص اور مطلقات کی تقیید ہے۔ یعنی امیر المؤمنین - یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ایک فقیہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن اور سنت میں موجود عمومات، تخصیصات، مطلقات اور مقیدات کو پہچانتا ہو کیونکہ اس دور میں لفظ نسخ کو موجودہ معانی میں استعمال نہیں کرتے تھے۔ جیسا کہ ابن قیم کہتے ہیں: ''نسخ متاخرین کی اصطلاح ہے، سلف اسے تخصیص اور استثناء کے مفہوم میں استعمال کرتے تھے۔'' (۱۷)

نسخ کی مثالوں کا جائزہ

پہلی مثال: وہ آیات جنہیں نسخ کے قائلین نے مثال کے طور پر پیش کیا ہے، ان میں سے ایک مثال درج ذیل آیات کی ہے:

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ (۱۸)

یعنی: ''اپنے چہرے کو مسجد الحرام (خانہ کعبہ) کی طرف موڑ لیجیے اور جہاں بھی رہیے اسی طرف رخ کیجیے۔''

یہ آیت ناسخ ہے، اس آیت کے لیے:

وَ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (۱۹)

یعنی: ''اور اللہ کیلئے ہیں مشرق و مغرب، پس تم جس طرف بھی رخ کرو گے خدا کو اسی طرف پاؤ گے۔''

گویا نماز میں اجازت ہے کہ جس طرف چاہو رخ کر کے نماز پڑھ لو جبکہ اوپر کی آیت میں کہا گیا ہے کہ خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھو۔ پس معلوم ہوا کہ پہلی آیت ناسخ ہے دوسری آیت کے لیے۔(۲۰)

ہماری نظر میں یہاں ناسخ و منسوخ نہیں ہیں کیونکہ آیت **وَ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ** میں کوئی حکم بیان ہی نہیں ہوا کہ آیت **فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ** نے اسے منسوخ کیا ہو۔ ناسخ و منسوخ تو وہاں ہوتا ہے جہاں دو حکم ہوں، دوسرے والا حکم پہلے حکم کو ختم کرے۔ ''**وَ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِب**'' تو درحقیقت ایک اعتراض کے جواب میں نازل ہوئی ہے۔ جب بیت المقدس سے مسجد الحرام کی طرف قبلہ کی تبدیلی کا حکم آیا تھا تو یہود نے کہا تھا کہ یہ کیسا رسولؐ ہے جو کبھی بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتا ہے اور کبھی مسجد الحرام کی طرف۔(۲۱) اگر اس شان نزول کو مان لیا جائے تو گویا یہ آیت ''**فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ**'' کے بعد آئی ہے۔ لہٰذا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ناسخ پہلے ہو اور منسوخ بعد میں آئے۔

بعض نے کہا ہے کہ اس کی شانِ نزول یہ ہے کہ جابر کہتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول خداؐ نے ہمیں ایک جنگ پر بھیجا۔ راستے میں تاریکی چھا گئی۔ کچھ لوگوں نے شمال کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی اور کچھ نے جنوب کی طرف۔ جب روشنی ہوئی تو معلوم ہوا دونوں گروہوں نے غلط سمت نماز پڑھی تھی۔ جب ہم واپس آئے تو رسولؐ خدا سے اس کے متعلق پوچھا، آپ خاموش ہو گئے، اس وقت آیت نازل ہوئی کہ مشرق و مغرب خدا کے لیے ہیں، تم جدھر رخ کرو خدا اسی طرف ہے۔(۲۲)

دوسری مثال: نسخ کے قائلین نے اس حوالے سے جو دوسری مثال پیش کی ہے وہ درج ذیل آیات کی ہے:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ (۲۳)

یعنی: ''اور تم میں سے جو اپنی مدت حیات پوری کر رہے ہوں اور بیویاں چھوڑ کر جا رہے ہوں انھیں

چاہیے کہ اپنی بیویوں کے لیے ایک سال کے خرچے اور گھر سے نہ نکالنے کی وصیت کر کے جائیں تو تمھارے لیے کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اپنے بارے میں کوئی مناسب کام انجام دیں۔''

بعض افراد کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہوگئی ہے درج ذیل آیت سے:

وَ الَّذِیۡنَ یُتَوَفَّوۡنَ مِنۡکُمۡ وَ یَذَرُوۡنَ اَزۡوَاجًا یَّتَرَبَّصۡنَ بِاَنۡفُسِهِنَّ اَرۡبَعَةَ اَشۡهُرٍ وَّ عَشۡرًا فَاِذَا بَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡکُمۡ فِیۡمَا فَعَلۡنَ فِیۡۤ اَنۡفُسِهِنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ

یعنی: ''اور تم میں سے جو بیویاں چھوڑ کر مر جائیں ان کی بیویاں چار مہینے دس دن انتظار کریں گی۔ جب یہ مدت پوری ہو جائے تو جو مناسب کام وہ اپنے حق میں کریں اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔'' (۲۴)

قائلین نسخ کہتے ہیں کہ پہلی آیت میں ہے کہ بیوی اپنے شوہر کی وفات کے بعد ایک سال تک اس کے گھر میں رہ سکتی ہے اور اس کے مال سے استفادہ کر سکتی ہے۔ جبکہ دوسری آیت کے ذریعے اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا ہے اور شوہر کے گھر میں رہنے کی مدت چار ماہ اور دس دن قرار دی گئی ہے۔ نیز مذکورہ آیت میں ہے کہ ایک سال تک اس کے مال سے فائدہ اٹھا سکتی ہے۔ جبکہ آیت میراث نے اس حکم کو منسوخ کر دیا ہے اور چوتھا یا آٹھواں حصہ مقرر کیا ہے (۲۵) اور آیت میراث یہ ہے:

وَ لَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَکۡتُمۡ اِنۡ لَّمۡ یَکُنۡ لَّکُمۡ وَلَدٌ فَاِنۡ کَانَ لَکُمۡ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَکۡتُمۡ (۲۶)

یعنی: ''اور اگر تمھاری اولاد نہ ہو تو تمہارے ترکے سے ان کے لیے چوتھا حصہ ہے اور اگر اولاد ہو تو پھر آٹھواں حصہ ہے۔''

ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے کہ یہ آیات بھی نسخ اور منسوخ پر دلالت نہیں کرتیں کیونکہ: اولاً، منسوخ کو پہلے اور ناسخ کو بعد میں ہونا چاہیے؛ جبکہ یہاں ناسخ پہلے اور منسوخ بعد میں ہے۔ ثانیاً، دونوں آیات کا موضوع الگ الگ ہے۔ آیت ۲۴۰ میں ہے کہ وصیت کر کے جاؤ کہ کم از کم اس کے بعد اس کی بیوی کو ایک سال تک نہ اس کے گھر سے نکالا جائے اور نہ مال سے استفادہ کرنے سے روکا جائے۔ اس میں کہیں یہ حکم نہیں ہے کہ اگر وہ خود جانا چاہے تو کتنی مدت بعد جا سکتی ہے جبکہ دوسری آیت یعنی، آیت ۲۳۴ میں عدت کی بات ہو رہی ہے کہ اگر وہ دوسری شادی کرنا چاہتی ہے تو چار ماہ دس دن بعد کر سکتی ہے۔

آیت اللہ خوئی کہتے ہیں کہ ہم آیت ۲۴۰ کو منسوخ کیوں سمجھیں؟ اس آیت کا مضمون ایک اجتماعی اور

اخلاقی حکم پر مشتمل ہے۔یعنی اسلام اس بات کی تاکید کرتا ہے کہ جس عورت کا شوہر مر جائے اور اس کی اولاد نہ ہو(۲۷) تو اسے ایک سال تک شوہر کے گھر میں رہنے کی اجازت دی جائے اور وہ پہلے کی طرح اپنے شوہر کے مال سے اپنے اخراجات پورے کر سکتی ہے تاکہ وہ اس مدت میں اپنے بارے میں کوئی فیصلہ کر لے۔ یہ ایک استحبابی اور اخلاقی و معاشرتی حکم ہے جس کی قرآن نے تاکید کی ہے۔ یہ حکم آج بھی موجود ہے۔

جہاں تک وَ الَّذِیۡنَ یُتَوَفَّوۡنَ مِنۡکُمۡ وَ یَذَرُوۡنَ ... الآیہ(۲۸) کی آیت کا تعلق ہے تو اس میں یہ بتایا ہی نہیں گیا کہ بیوی کا مرحوم شوہر کی میراث میں کتنا حصہ ہے، جبکہ میراث والی آیت میں مقدار معین کر دی گئی ہے۔گویا پہلی آیت عام ہے جبکہ دوسری آیت خاص ہے اور عام و خاص کو موجودہ اصطلاح میں نسخ نہیں کہتے۔

تیسری مثال: نسخ کے قائلین نے اپنے دعوے کے اثبات میں جو تیسری مثال پیش کی ہے وہ درج ذیل آیات کی ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ عَلَی الۡقِتَالِ اِنۡ یَّکُنۡ مِّنۡکُمۡ عِشۡرُوۡنَ صٰبِرُوۡنَ یَغۡلِبُوۡا مِائَتَیۡنِ وَ اِنۡ یَّکُنۡ مِّنۡکُمۡ مِّائَةٌ یَّغۡلِبُوۡۤا اَلۡفًا مِّنَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا یَفۡقَهُوۡنَ (۲۹)

یعنی:''اے نبی! مومنین کو جہاد پر آمادہ کریں۔اگر تم میں بیس بھی صبر کرنے والے ہوئے تو وہ دوسو پر غالب آجائیں گے اور اگر سو ہوں گے تو ہزار کافروں پر غالب آجائیں گے اس لیے کہ کفار سمجھدار لوگ نہیں ہیں۔''

نسخ کے قائلین کہتے ہیں کہ یہ آیت بعد درج ذیل آیت سے منسوخ ہوگئی ہے:

اَلۡـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنۡکُمۡ وَ عَلِمَ اَنَّ فِیۡکُمۡ ضَعۡفًا فَاِنۡ یَّکُنۡ مِّنۡکُمۡ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ یَّغۡلِبُوۡا مِائَتَیۡنِ وَ اِنۡ یَّکُنۡ مِّنۡکُمۡ اَلۡفٌ یَّغۡلِبُوۡۤا اَلۡفَیۡنِ بِاِذۡنِ اللّٰهِ (۳۰)

یعنی:''اب اللہ نے تمھارا بار ہلکا کر دیا ہے اور اس نے جان لیا ہے کہ تم میں کمزوری پائی جاتی ہے۔ پس اگر تم میں سے سو بھی صبر کرنے والے ہوں گے تو وہ دوسو پر غالب آجائیں گے اور اگر ہزار ہوں تو دو ہزار پر خدا کے حکم سے غالب آجائیں گے۔''

ابن حزم کہتے ہیں کہ دوسری آیت پہلی آیت کے لیے ناسخ ہے۔(۳۱)ان کی دلیل یہ ہے کہ پہلی آیت کہتی ہے اگر کسی مومن کے مقابلے میں دس کافر ہوں تو اس پر جہاد واجب ہے۔دس کے مقابلے میں فرار حرام ہے۔دوسری آیت نے اس حکم کو نسخ کر دیا اور کہا کہ اگر مقابلے میں دو ہیں تو جہاد واجب ہے اور فرار حرام ہے لیکن

مقابلے میں دو سے زیادہ ہوں تو فرار جائز ہے۔(۳۲)

ہمارے خیال میں یہ آیات بھی ناسخ ومنسوخ نہیں ہیں۔ کیونکہ اوّلاً، ناسخ ومنسوخ میں زمانی فاصلہ شرط ہے یعنی ایک زمانے میں ایک حکم ہو اور پھر کچھ عرصے بعد اس حکم کو تبدیل کر دیا جائے جبکہ یہاں دونوں آیات اکٹھی آئی ہیں۔ثانیاً، درحقیقت یہ مسلمانوں کی ایمانی قوت اور کمزوری کا امتحان تھا۔ اگر ایمان مضبوط ہو تو سو کفار کے مقابلے میں دس مسلمان کافی ہیں، اگر ایمان کمزور ہو تو پھر سو کے مقابلے میں پچاس ضروری ہیں۔ اصل میں یہ ایک شرعی حکم نہیں تھا کہ نسخ کی بات کی جائے۔ یہ آج بھی ہے کہ آج ایمان مضبوط ہو تو زیادہ کے مقابلے میں کم بھی کافی ہیں۔

چوتھی مثال: نسخ کے قائلین نے اپنے دعوے کے اثبات میں جو چوتھی مثال پیش کی ہے وہ درج ذیل آیات سے ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَىْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً (۳۳)

یعنی: ''اے ایمان والو! جب تم رسول سے سرگوشی کرنا چاہو تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ دے دیا کرو۔''

نسخ کے قائلین کہتے ہیں کہ اس آیت کو بعد والی آیت نے منسوخ کر دیا ہے بعد والی آیت یہ ہے:

ءَ اَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَىْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ (۳۴)

یعنی: ''کیا تم اپنی سرگوشیوں سے پہلے صدقہ دینے سے ڈر گئے ہو؟''

پہلی آیت میں کہا جا رہا ہے کہ جب بھی رسولؐ سے سرگوشی کرو تو پہلے صدقہ دے دیا کرو جبکہ دوسری آیت میں ہے کہ صدقہ تمہارے لیے مشکل ہے، لہٰذا خدا تمہاری توبہ قبول کرتا ہے۔ پس دوسری آیت نے وجوب صدقہ کے حکم کو نسخ کر دیا۔(۳۵)

اس مثال کے جواب میں بھی ہمارا مؤقف یہ ہے کہ درحقیقت اس آیت کا حکم آج بھی موجود ہے۔ اس آیت میں مسلمانوں کی تربیت کا ایک اصول وضع کیا گیا تھا کہ بغیر کسی وجہ کے رسولؐ خدا کا قیمتی وقت ضائع نہ کرو۔ صدر اول میں مسلمان چھوٹی چھوٹی باتوں کے لیے رسولؐ خدا کے پاس پہنچ جاتے تھے۔ اس سے منع کرنے کے لیے یہ اصول بنایا گیا تھا۔ یہ الٰہی پیغام صاحبان عقل کے لیے آج بھی موجود ہے کہ چھوٹے چھوٹے مسائل اور غیر ضروری باتوں کی وجہ سے ذمہ دار افراد کا وقت ضائع نہ کیا جائے۔

نتیجہ:

اس ساری بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں کوئی آیت نسخ کے حقیقی معنوں میں نسخ نہیں ہوئی اور اگر کہیں نسخ ہے تو اس سے مراد نسخ کا ظاہری معنی جو کہ تخصیص یا تقیید کے معنوں میں ہے، مراد ہے۔

حواشی وحوالہ جات

(۱) جوہری، الصحاح، مادہ ن س خ کے ذیل میں۔

(۲) خوئی، البیان فی تفسیر القرآن، النسخ فی القرآن، ص ۲۷۷۔

(۳) مثلاً ابن حزم متوفی ۴۵۶ھ کی کتاب الناسخ والمنسوخ اور قتادہ بن دعامۃ السدوسی متوفی ۱۱۷ ہجری کی کتاب الناسخ والمنسوخ قابل ذکر ہیں۔ اس کتاب کے مقدمہ میں ۵۷ علماء کے نام ذکر کیے گئے ہیں جنھوں نے اس موضوع پر کتابیں لکھی ہیں اور وہ قرآن میں نسخ کے قائل ہیں۔ ان میں سے بعض ایسے افراد بھی ہیں جو امام صادقؑ اور امام رضاؑ کے اصحاب میں سے ہیں۔

(۴) آل عمران/۵۰

(۵) ابن حزم، الناسخ والمنسوخ فی القرآن فصل ۳ ص ۸۔ ابن جوزی، نواسخ القرآن باب ۷، اقسام النسخ ص ۲۳۔

(۶) صحیح مسلم، جلد ۴، ص ۱۶۷۔

(۷) ابی داؤد، سنن ابی داؤد ج ۱، کتاب النکاح، ص ۴۵۸، ح ۶۰۶۲۔ مسلم، صحیح مسلم، ج ۴ کتاب الرضاع، باب رضاعۃ الکبیر ص ۱۶۸ (۸) حجر/۹

(۹) ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، ج ۲ ص ۵۵۴، کتاب الحدود، باب الرجم، ح ۲۵۵۳۔

(۱۰) بیہقی، سنن الکبری، ج ۸ ص ۲۱۱، کتاب الحدود۔ (۱۱) نساء/۸۲

(۱۲) پرویز، لغات القرآن، ج ۴ ص ۱۶۰۷، مادہ ن س خ (۱۳) بقرہ/۱۰۶

(۱۴) ابن جوزی، نواسخ القرآن، باب ثانی، ص ۱۷

(۱۵) امام رازی، تفسیر کبیر، ج ۳، ص ۶۳۴ بقرہ آیت ۱۰۶ کے ذیل میں۔

(۱۶) عیاشی، تفسیر عیاشی ج ۱، ص ۱۱ نمبر ۹

(۱۷) ابن قیم، اعلام الموقعین، ج ا ص ۳۹

(۱۸) بقرہ/۱۴۴ (۱۹) بقرہ/۱۵

(۲۰) ابن جوزی، نواسخ القرآن، ص ۱۵، ابن حزم، الناسخ والمنسوخ ص ۹، سدوسی، الناسخ والمنسوخ ص ۳۲۔

(۲۱) طبرسی، تفسیر مجمع البیان ج ا ص ۳۵۷ مذکورہ آیت کے ذیل میں

(۲۲) طبرسی، تفسیر مجمع البیان، ج ا، ص ۳۵۷

(۲۳) بقرہ/۲۴۰ (۲۴) بقرہ/۲۳۴

(۲۵) نسائی، سنن النسائی، ج ۶ ص ۲۰۷۔ باب الاحداد (۲۶) نساء/۱۲

(۲۷) مذکورہ حکم اس بیوی کے لیے ہے جس کی اولاد نہ ہو کیونکہ اگر اسی بیوی سے شوہر کی اولاد ہو تو اسے نکالا نہیں جاتا بلکہ وہ اپنی اولاد کے ساتھ رہنے کا حق رکھتی ہے۔

(۲۸) بقرہ/۲۴۰ (۲۹) انفال/۶۵ (۳۰) انفال/۶۶

(۳۱) ابن حزم، الناسخ والمنسوخ ص ۲۹، آیت ۵

(۳۲) ابن جوزی، نواسخ القرآن، ص ۱۶۸

(۳۳) مجادلہ:۱۲ (۳۴) مجادلہ:۱۳

(۳۵) ابن جوزی۔ نواسخ القرآن، ص ۲۳۵

منابع و مآخذ

(۱) ابن جوزی، جمال الدین ابی فرج عبدالرحمٰن ابن جوزی، متوفی ۵۹۷ھ نواسخ القرآن، ناشر، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان۔

(۲) ابن حزم، متوفی ۴۵۶ھ، الناسخ والمنسوخ فی القرآن، تحقیق: عبدالغفار سلیمان بغدادی، ناشر: دارالکتب العلمیۃ طبع اول ۱۹۸۶، بیروت لبنان۔

(۳) ابن قیم، شمس الدین محمد بن ابی بکر متوفی ۷۵۱ھ، اعلام الموقعین طبع مصر۔

(۴) ابن ماجہ، محمد یزید قزوینی، متوفی ۲۷۳ھ، سنن ابن ماجہ، تحقیق: محمد فواد عبدالباقی، ناشر: دارالفکر، بیروت، لبنان۔

(۵) ابی داؤد، سلیمان ابن اشعث سجستانی، متوفی ۲۷۵ سنن ابی داؤد، تحقیق: سعید محمد اللحام، ناشر دارالفکر، طبع اول ۱۹۹۰، بیروت، لبنان۔

(۶) امام رازی، فخر الدین ابوعبداللہ محمد بن عمر، متوفی ۶۰۶ھ تفسیر کبیر، طبع دوئم، ۱۴۲۰ق
ناشر داراحیاء التراث العربی بیروت، لبنان
(۷) بیہقی، ابی بکر احمد بن حسین بن علی متوفی ۴۵۸، السنن الکبری ناشر: دار الفکر، بیروت، لبنان
(۸) پرویز غلام احمد پرویز، لغات القرآن، ناشر طلوع اسلام، ٹرسٹ لاہور پاکستان۔
(۹) جوہری، اسماعیل بن حماد، متوفی ۳۱۳، الصحاح طبع اول ۱۹۵۶ء، قاہرہ، مصر۔
(۱۰) خوئی، ابوالقاسم موسوی، متوفی ۱۴۱۱ھ، البیان فی تفسیر القرآن، ناشر دار الزہرا، طبع چہارم ۱۹۷۵ء بیروت، لبنان
(۱۱) سدوسی، قتادہ بن دعامہ متوفی ۱۱۷ھ، الناسخ والمنسوخ فی کتاب اللہ، تحقیق حاتم صالح ضامن، ناشر موسسہ الرسالۃ، طبع سوئم ۱۹۸۸ء، بیروت، لبنان۔
(۱۲) طبرسی، امین الاسلام ابی علی الفضل بن حسن متوفی ۵۴۱ھ تفسیر مجمع البیان، ناشر موسسہ الاعلمی، طبع اولا ۱۹۹۵ء بیروت، لبنان۔
(۱۳) عیاشی، محمد بن مسعود متوفی ۳۲۰ھ تفسیر العیاشی، تحقیق ہاشم رسولی، ناشر مکتبہ العلمیہ، تہران، ایران۔
(۱۴) مسلم ابی الحسن، مسلم بن حجاج، متوفی ۲۶۱ھ صحیح مسلم دار الفکر، بیروت، لبنان۔
(۱۵) نسائی، ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب، متوفی ۳۰۳ھ سنن النسائی، طبع اول ۱۹۳۰ء ناشر دار الفکر، بیروت لبنان۔

☆☆☆☆☆

اللہ تعالیٰ جسے اپنی کتاب کے حفظ کی نعمت سے نوازے اور وہ یہ گمان کرے کہ کسی اور شخص کو اس سے بہتر نعمت عطا کی گئی ہے تو وہ اللہ کی افضل ترین نعمت کی ناشکری کرے گا۔

(حضرت رسول اکرمؐ۔ کنز العمال)

آداب تلاوت

محمد حسین مبلغی ☆

دنیا میں ہر کام اور ہر عبادت کے لیے کچھ آداب اور شرائط ہیں۔ انسان جتنا ان آداب کا خیال رکھے گا اسی قدر اُس کام یا عبادت کی قدر و منزلت زیادہ ہوگی ہے، خصوصاً اگر وہ کام دینی ہو اور خدا کے لیے ہو، اس میں جتنا اخلاص اور آداب و شرائط کا لحاظ کریں گے اتنا ہی ثواب اور اجر میں اضافہ ہوگا، اگر بندہ اپنے خالق سے رابطہ کرنا چاہے اور اس کے ساتھ گفتگو و راز و نیاز اور مناجات کرنا چاہے تو اُسے ان آداب کا خیال رکھنا ہوگا۔

تلاوت قرآن مجید بھی سب سے افضل عبادت اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ راز و نیاز ہے جس میں ان آداب و شرائط کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہیے، اگر انسان کو اللہ تعالیٰ سے کچھ چیز طلب کرنا ہو اور مانگنا ہو تو اُسے مانگنے کا طریقہ آنا چاہیے، قرآن مجید کی تلاوت کرنے کے بھی کچھ آداب اور شرائط ہیں۔ جنہیں بہت اختصار کے ساتھ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

ا۔ تلاوت قرآن کے آداب کی دو قسمیں ہیں، آداب ظاہری اور باطنی

آداب ظاہری

قرآن مجید کی تلاوت کے کچھ ظاہری آداب ہیں، جن میں سے کچھ یہ ہیں:

ا۔ ظاہری طہارت

قرآن مجید کی تلاوت کے لیے سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ انسان طہارت ظاہری رکھتا ہو یعنی؛ وضو، غسل اور تیمم کا حامل ہو، اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتا ہے:

" لَايَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ "

یعنی: ''سوائے پاکیزہ لوگوں کے کوئی اسے مس نہیں کرسکتا۔''(۱)

☆ اُستاذ جامعۃ الرضا، بارہ کہو، اسلام آباد

وہ لوگ جو حدث اور خبث سے پاک ہوں یعنی باوضو ہوں تو قرآن کو چھو سکتے ہیں۔ پس جنابت والا شخص حائض عورت اور بغیر وضوء کے قرآن کو ہاتھ لگانا اور چھونا جائز نہیں، (۲) جنابت والے شخص کے لیے اس کی تلاوت جائز نہیں ہے۔ حائض عورت اور نفاس والی عورت واجب سجدے والی سورتوں کے علاوہ باقی سورتوں کی تلاوت کر سکتی ہے، (۳) جنابت کی حالت میں سات آیتوں سے زیادہ تلاوت کرنا مکروہ ہے، ۷۰ آیتوں کے بعد اشد کراہت ہے (۴) چند چیزوں کے لیے وضو کرنا واجب ہے، ایک قرآن کو چھونے کے لیے نذر کی ہو تو وضو کرنا واجب ہے۔ (۵)

عمرو بن حزم نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کی ہے:

"لا یمس القرآن من ھو عَلٰی ء غیر طھر"

یعنی: ''جو طہارت کے بغیر ہو وہ قرآن کو چھو نہیں سکتا۔''

امام فخر رازی فرماتے ہیں: یہاں ایک فقہی مسئلہ ہے کہ جو شخص ظاہری طہارت کا حامل نہ ہو، حالت غیر طہارت میں ہو وہ قرآن کو مس نہیں کر سکتا کیونکہ وہ پاک نہیں ہے، آگے فرماتے ہیں جنابت والا شخص قرآن کی تلاوت نہیں کر سکتا لیکن بغیر وضو والا تلاوت کر سکتا ہے یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ ذکر میں آتا ہے وہ حالت غیر طہارت میں ذکر بھی نہیں کر سکتے (۶) محمد بن فضیل روایت کرتے ہیں میں نے امام صادق ؑ سے کہا مولا میں تلاوت کرتا ہوں درمیان میں وضو کرنے کی ضرورت پیش آجاتی ہے تو جا کر پیشاب کرتا ہوں پھر بغیر وضو کے ہاتھ دھو کر دوبارہ تلاوت کرتا ہوں! تو امام نے فرمایا ایسا مت کرو پہلے وضو کر لو پھر تلاوت کرو (۷)

امام صادق ؑ نے اپنے پاک و پاکیزہ آباء اجداد سے روایت کی ہے۔ کہ مولیٰ امیر المومنین ؑ نے فرمایا سات افراد قرآن کی تلاوت نہ کریں، جو بندہ رکوع اور سجود میں ہو، غسل خانہ میں ہو، جنابت والا، نفاس والی عورت اور حیض والی عورت (۸) اور بہت تاکید کی گئی ہے انسان طہارت کے ساتھ روزانہ کم از کم پچاس آیات کی تلاوت کرے۔

۲۔ مسواک کرنا

امام صادق ؑ نے پیغمبر اکرم محمد مصطفیٰ ﷺ سے روایت کی ہے،

"نَظِّفُوا طَرِیقَ القَرآنِ قِیلَ یاَ رَسُولَ اللّٰہِ وَمَا طَرِیقَ القَرآنِ قَالَ اَفْواھَکُمْ قِیلَ بِمَا ذَا ؟ قَالَ السِّواک".

یعنی: ''قرآن کے راستے کو پاک و پاکیزہ کرو، کہا گیا قرآن کا راستہ کیا ہے؟ فرمایا تمہارے منہ۔ پھر سوال کیا کس طرح پاک کریں فرمایا مسواک کے ذریعے۔''(۹)

۳۔خوشبو لگانا

اسی طرح تلاوت قرآن کے وقت سے خوشبو لگانا بھی مستحب ہے۔

۴۔استعاذہ

تلاوت شروع کرتے وقت اعوذ باللہ کا پڑھنا بھی مستحب ہے، استعاذہ، قرآن کا حکم بھی ہے:

'' فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللهِ مِنْ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ''

یعنی: ''جب تم قرآن کی تلاوت کرو تو اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگو اس شیطان رجیم کے شر سے جو راندہ ہوا ہے۔''(۱۰)

اور یہ معصومین ÷ کی سیرت بھی ہے، امام موسیٰ کاظم - نے جب ہارون الرشید کے ساتھ مناظرہ کیا تو آپ جب بھی کوئی آیت تلاوت فرماتے تو پہلے اعوذ باللہ پڑھتے۔(۱۱)

ہر عمل کے لیے ''اعوذ باللہ'' ضروری ہے خصوصاً قرآن کے لیے، کیونکہ اس کا حکم دیا گیا، اس کے علاوہ قرآن ہر چیز کی اصل اور قانون کلی وضابطہ حیات ہے، جیسے کھانا کھاتے وقت ہاتھ دھونا ضروری ہے، نماز میں داخل ہونے سے پہلے تکبیرۃ الاحرام (اللہ اکبر) پڑھنا واجب ہے، اسی طرح قرآن کی تلاوت سے پہلے استعاذہ بھی ضروری ہے تاکہ تلاوت میں لغزش اور رسوائی سے محفوظ رہے اور یہ مستحب ہے۔(۱۲)

استعاذہ پڑھنے کا طریقہ یہ ہے، مشہور یہی ہے جو ہم عام طور پر پڑھتے ہیں ''**اَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَيْطانِ الرَّجِيْم** ''یہ ابن کثیر، عاصم اور ابوعمرو کی روایت ہے۔

نافع، عامر اور کسائی نے ''**اَعوذُ بِاللهِ مِنَ الشَيْطانِ الرَّجِيْمِ اِنَّه هو السميع العليم** ''پڑھا ہے باقی حمزہ نے ''**نَستَعِينَ بِاللهِ مِنَ الشَيْطانِ الرَّجِيْم** ''پڑھا ہے، ابوحاتم نے ''**اَعوذُ بِاللهِ السميّعِ العِلَيمِ مِنَ الشَيْطانِ الرَّجيم**'' تلاوت کی ہے۔

شیطان ہر جگہ اور ہر وقت ہوتا ہے اس لیے استعاذہ بھی ہر جگہ اور ہر وقت ضروری ہے، خصوصاً اچھے کاموں کے لیے(۱۳)

شیطان دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے حتی اس نے انبیاء کو بھی بہکانے کی کوشش کی ہے جیسے

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیِّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰی اَلْقَی الشَّیْطٰنُ فِیْٓ اُمْنِیَّتِہٖ

یعنی ''اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول اور نہ نبی مگر یہ کہ جب اس نے توقعات باندھے تو شیطان نے اس کی توقع (کے پورے ہونے) میں دراندازی کی۔'' (۱۴)

امام صادق -فرماتے ہیں:

اغلقو ابواب المعصیة بالا ستعاذة و افتحوا ابواب الطاعة بالتسمیة

یعنی: ''گناہوں کے دروازے کو اعوذ باللہ کے ساتھ بند کرو اور اطاعت کی دروازے کو بسم اللہ کے ساتھ کھولو۔'' (۱۵)

اور استعاذہ وسوسہ کو روک دیتا ہے، قرائت میں بھی وسوسہ سے بچنے کے لیے یہ ضروری ہے۔ اسی لیے رسول خدا ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ دوسرے لوگوں نسبت زیادہ استعاذہ کو اہمیت دیں اور یہاں پر 'فاستعذ اگر 'فاء' بعد کے لیے ہو تو معنی یہ گا جب آپ تلاوت کرتے تو پھر استعاذہ پڑھو یہ اعمال کو ضائع اور حبط ہونے سے بچاتا ہے، لیکن یہاں تمام علماء بالاتفاق کہتے ہیں استعاذہ مقدمہ قرائت ہے، جیسے قرآن میں ہے۔

اِذَاَ قُمْتُمْ اِلَی الصّلاۃِ فَاغْسِلُوا اِذَا اَکَلتَ فَقُلْ بسم اللہ

یعنی: ''یہاں دھونا اور بسم اللہ کہنا نماز سے پہلے اور کھانے سے پہلے ہوتا ہے، اور یہ استعاذہ اکثر علما کے ہاں مستحب ہے۔'' (۱٦)

کَانَ قَبْلُ الْقِرائَۃِ اعوَذُ بِاللہِ مِنَ الشیطَانِ الرجِّیمَ(۱۷)

یعنی: ''آپ قرائت قرآن سے پہلے اعوذ باللہ تلاوت فرماتے تھے۔''

۵۔عربی لہجے میں تلاوت

آداب قرائت میں سے ایک قرآن کو عربی لہجہ کے ساتھ تلاوت کرنا ہے۔ آنحضرتؐ سے روایت ہے:

"اقروالقران بالحان العرب و اصواتها وایا کم ولحون اھل الفسق واھل الکبائر"

یعنی: ''قرآن کو عرب کے لحن اور لب ولہجہ میں تلاوت کرو، اور فاسقوں اور گنہگاروں کے

طرز ولہجہ میں تلاوت نہ کرو۔''(۱۸)

امام باقر -فرماتے ہیں:

ان رسول الله كان احسن صوتا باالقرآن

یعنی:''رسول اللہ ﷺ قرآن کی تلاوت بہترین آواز کے ساتھ فرماتے تھے۔''(۱۹)

انس فرماتے ہیں:''**آنحضرتؐ كان عد صوته**'' آپ جب بھی تلاوت فرماتے تھے تو آواز کو کھینچتے تھے(۲۰)

یعنی؛ جب بھی قرآن کی تلاوت کرو تو اُس کو خوبصورت آواز اور دلنشین لہجہ وحزن کے ساتھ تلاوت کرو۔(۲۱)

اصل میں تلاوت اور قرآئت کا کمال یہ ہے کہ انسان اپنی خوش الحانی کے ذریعے لوگوں کی توجہ قرآن کی طرف مبذول کرے، چونکہ جتنی وہ دلنشین اور جذاب آواز میں تلاوت کرے گا اتنا ہی لوگ قرآن کی طرف کھینچتے چلے جائیں گے اور شاید اسی طرح کسی کے دل میں وحی الٰہی کی برکت سے حق پرستی کا جذبہ پیدا ہو جائے۔ جیسا کہ مراء بن عازب کہتے ہیں:'' **قال رسول الله** ﷺ **:زينو القرآن باصواتكم**''قرآن کو اپنی آواز کے ساتھ مزین کرو۔(۲۲)

اسی طرح انس سے منقول ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا:

"ان لكل شيءٍ حلية وحلية القرآن الصوت الحسن ":

یعنی:''ہر چیز کے لیے ایک زینت ہے قرآن کی زینت خوبصورت آواز ہے۔''(۲۳)

لکھا ہے:''جب امام زین العابدین -قرآن کی تلاوت فرماتے تھے تو چلنے والے رک کر آپ کی تلاوت کو سنتے تھے''۔(۲۴)

انسان اُسی وقت رک کر سنتا ہے، جب قرآن کی تلاوت غیر معمولی آواز کے ساتھ ہو رہی ہو۔ پس جتنا ہو سکے قرآن کو خوبصورت آواز کے ساتھ تلاوت کریں، اس سے قرآن کی خوبصورتی میں اضافہ ہوتا ہے۔

تلاوت قرآن کے باطنی آداب

یہ وہ آداب ہیں جن کا تعلق صرف ظاہر سے ہے۔ اور وہ آداب جن کا تعلق ضمیر و وجدان اور باطن سے ہے یہ ہیں۔

ا۔قرآن مجید کی عظمت وتقدیس

سب سے پہلے تو قرآن کی عظمت وتقدیس کونظر میں رکھے اوراس کا عام کتابوں کی طرح مطالعہ نہ کرے بلکہ اپنے ذہن میں یہ تصور کرے یہ کتاب جس کی وہ اس وقت تلاوت کررہا ہے، ایک وقت لوحِ محفوظ کی زینت تھی جو جبرئیل امینؑ کے ذریعے نبی اکرم ﷺ کے قلب مبارک پر نازل ہوئی اور پھر آپؐ کی زبان مبارک سے نکل کرفصحائے عالم کوگنگ کرتی ہوئی ہم تک پہنچی ہے۔جب انسان اس یقین وعقیدے کے ساتھ تلاوت کرے گا تو اس کے بعد قرآنی روحانیت واخلاق کے اثرات اس پر مرتب ہونے شروع ہو جائیں گے۔

۲۔باطنی طہارت

قرآن کی تلاوت سے حقیقی معنوں میں اُسی وقت انسان بہرہ مند ہوسکتا ہے جب وہ ظاہری طہارت کے علاوہ باطنی طہارت سے بھی مزین ہو۔تلاوت قرآن کے باطنی آداب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن میں ذاتِ الٰہی کا ارشاد ہے:

"لاَ یُمَّسه اِلاَ المَطَهَّرونُ"

یعنی"اسے(قرآن کو) چھونہیں سکتے مگر پاک لوگ۔"(۲۵)

پس جو لوگ مشرک ہیں یا کافر ہیں،وہ باطنی طہارت سے خالی ہوتے ہیں لہٰذا وہ قرآن کو چھونہیں سکتے۔بعضوں کے نزدیک"مطھرون"سے مراد فرشتے ہیں۔(۲۶)

اہل ادب اور اہل معرفت دل کی پاکی کے ساتھ قرآن کو تلاوت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں اور قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔(۲۷)

آیت میں جو مطہرون کا ذکر ہوا ہے اس کے بارے میں امام فخر رازی لکھتے ہیں،مطہرون سے مراد ملائکہ ہیں جو ابتدائے خلقت سے پاک وپاکیزہ ہیں۔(۲۸)

پس جس طرح سے ظاہری طہارت ضروری ہے باطنی طہارت بھی ضروری ہے،اللہ تعالیٰ کا فیض اور رحمت اُسی وقت نازل ہوتی ہے،جب انسان دل کی پاکیزگی کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرے۔

باطنی طہارت کا ایک بڑا ذریعہ تقوی ہے۔"قد افلح زکّٰیھا"جس نے اپنا تزکیہ کیا وہی فلاح پا گیا۔

تزکیہ اور تہذیب نفس کے بعد تلاوت قرآن کے اصلی اثرات ظاہر ہونے لگتے ہیں۔یعنی جو کچھ پاک زبان سے نکلے اس میں اثر ہوتا ہے،ایسی پاک زبان سے ایک دفعہ سورہ حمد پڑھنے سے مردہ زندہ ہوجاتے ہیں۔

۳۔غور وفکر کے ساتھ تلاوت

آداب باطنی میں سے ایک قرآن کو غور وفکر اور تدبر کے ساتھ پڑھنا ہے،اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ :

''وَرَتِّلِ القُرآنَ تَرتِیْلًا''

یعنی:''قرآن کو ٹھہر ٹھہر کے تلاوت کرو۔''(۳۰)

یعنی؛آیت،آیت اپنی مخرج سے معنی کی طرف توجہ کرکے،حزن کے ساتھ تلاوت کریں،غور وفکر کے ساتھ پڑھیں اور جب آیہ جنت اور نعمت کی ہوتو اللہ سے اس کے حصول کی دعا کریں،اگر آیہ عذاب اور دوزخ کے متعلق ہو تو اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگو،حضرت علی - سے سوال کیا گیا:ترتیل کیا ہے؟ آپ نے فرمایا!حروف کو اپنی مخرج سے ادا کرنا اور وقف کی رعایت کرنا(۳۱) آپؑ سے روایت ہے:

''مَامِنْ عَینٍ فاَضَتْ مِن قَرَائَۃِ القُرآنِ الا قَرَتْ یومَ القِیَامَۃِ''

یعنی:''اگر کوئی آنکھ قرآن کی تلاوت کی وقت پرنم ہو جائے قیامت کے دن اُس آنکھ میں ٹھنڈک اور نور ہوگا۔''(۳۲)

صادق آل محمد علیہ السلام فرماتے ہیں:

جو شخص قرآن کی تلاوت کرے اور اس کے دل میں خضوع وخشوع وانکساری نہ ہو،اور نرمی نہ ہو،تو اُس نے اللہ تعالیٰ کی عظمت ومنزلت کو سُبک سمجھا اور سراسر نقصان میں رہا۔(۳۳)

قرآن اللہ تعالیٰ کا گنج ہے مگر یہ ہوسکتا ہے کسی معدن کو کھولا جائے اور اس کے اندر نہ دیکھا جائے۔پس،ظاہری تلاوت کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے باطن اور روح کو بھی فائدہ پہنچانا چاہیے،اور وہ غور وفکر کے ساتھ ہی ممکن ہے۔

تلاوت قرآن میں تین چیزوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے،خضوع وخشوع والے دل کے ساتھ تلاوت کرے،جب بدن بھی فارغ ہو اور دل بھی سکون میں ہو،اور خالی جگہ بیٹھ کر تلاوت کرے،تب آپ معانی قرآن سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔(۳۴)

ترتیل سے مراد منظّم اور مناسب انداز میں تلاوت قرآن کرنا ہے۔ جب قرآن صحیح حروف کی ادائیگی کے ساتھ پڑھا جائے تو اس وقت انسان کو معنوی فائدہ پہنچتا ہے، اور انسان قرآنی اخلاق، شجاعت اور تقویٰ سے بہرہ مند ہوسکتا ہے۔(۳۵)

امام رضا -فرماتے ہیں:

"ماتیسر منه لکم فیه خشوع وصفاء السر":

یعنی: "اتنی تلاوت کرو کہ جو باطنی پاکیزگی قلبی خشوع اور معنوی خوشی کا باعث بنے۔"(۳۶)

امام صادق -فرماتے ہیں:

"من قراء القرآن ولم یخضع ولم یرق قلبه ولا ینشی حزنا ووجلا فی سره فقد استهان بعظیم شان الله وخسر خسرانا مبینا"

یعنی: "جو شخص قرآن کی تلاوت کرے اور اس کے دل میں انکساری اور رقت کے جذبات اور ضمیر میں حزن اور خون کے کیفیات پیدا نہ ہو تو اس نے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور منزلت کو حقیر سمجھا اور سراسر نقصان میں رہا"(۳۷)

جو شخص ان آداب کے بغیر تلاوت کرتا ہے اس کے بارے میں خود قرآن فرماتا ہے:

"اَفَلاَ یَتَدَبَّرُونَ القُرْآنَ اَمْ عَلٰی قُلُوبٍ اَقْفَالُهَا"

یعنی: "قرآن میں کچھ بھی تو غور نہیں کرتے، یا یہ کہ ان کے دلوں پر تالے لگے ہیں۔"(۳۸)

جب قرآن کی تلاوت ان آداب کے ساتھ کی جائے تو مومنین کی ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور دلوں میں خشوع اور خشیت الٰہی پیدا ہوتی ہے، اگر یہ تلاوت آرام اور سکون کے ساتھ نہ ہو اور مذکورہ آداب سے خالی ہو تو انسان کس طرح معنوی ترقی کرسکتا ہے؟

۴۔فہم قرآن سے مانع اُمور کا قلع قمع کرنا

تلاوت قرآن کے باطنی آداب میں سے ایک، فہم قرآن کی راہ میں جتنی بھی رکاوٹیں ہیں، انسان ان کو دور کرے تاکہ قرآن کی معنوی تجلیات سے بہرہ مند ہو سکے۔ ان موانع میں سے اہم ترین مانع، تقلید وتعصب، فکری جمود، گناہوں اور معاصی پر اسرار، سطحی انہماک اور رزق حرام ہے۔ ان چیزوں سے پرہیز کر کے دیکھیں، قرآن آپ پر اثر کرتا ہے یا نہیں۔

۵۔مقررہ اوقات میں تلاوت

تلاوت قرآن کے مئوثر ہونے میں وقت کی پابندی بہت اہم ہے۔یہ آداب تلاوت میں سے ہے کہ انسان وقت پر تلاوت کرے۔سورہ مزمل میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"قُمِ الَّيْلَ اِلَا قَلِيْلاً نِصْفَهُ اَوِانْقُصْ مِنْهُ قَلِيلاً. اَوْزِدْ عَلَيهِ وَرتِّلِ القرآنَ تَرتِيْلاً"

یعنی:''رات میں تھوڑے سے حصہ کے سوا قیام کیا کر،آدھی رات یا اس سے تھوڑا کم کردے۔یا آدھی رات پر کچھ اضافہ کردے اور قرآن کو دقّت اور تأمل کے ساتھ (ٹھہر ٹھہر کر) پڑھا کر۔''

تلاوت قرآن کے لئے رات کا انتخاب اس لیے ہے،چونکہ اس وقت دشمنوں کی آنکھ اور کان نیند میں ہیں۔(۳۹)

دوسرا انسان دنیا کی کاموں سے فارغ ہے۔جس کی وجہ سے انسان تلاوت کے لیے زیادہ آمادہ ہوتا ہے۔(۴۰)

اسی سورہ مزمل کی آخری آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"إِنَّ رَبَّکَ يَعْلَمُ أَنَّکَ تَقُومُ أَدْنَى مِنْ ثُلُثَى اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ مِنْ الَّذِينَ مَعَکْ... فَاقْرَا مَا تَيَسَّرَ مِنْ الْقُرْآنِ... فَاقْرَا مَا تَيَسَّرَ مِنْه".

یعنی:''بلاشبہ آپ کا پروردگار جانتا ہے کہ آپ اور ان لوگوں میں سے ایک گروہ جو تیرے ساتھ ہے،رات کی دوتہائی کے قریب یا آدھی رات یا اس کی ایک تہائی،قیام کرتے ہیں ۔۔۔۔۔۔قرآن سے پڑھو جتنا آسانی کے ساتھ ممکن ہے۔۔۔۔۔۔ پس جس قدر ممکن ہو اس کی تلاوت کرو۔''(۴۱)

حسن اختتام کے لیے محدث کبیر،عظیم عالم وعارف فیض کاشانیؒ سے منقول قرائت اور تلاوت کے آداب بطور خلاصہ ذکر کئے جاتے ہیں:

۱۔تلاوت کے وقت یہ جاننا چاہیے کہ نزولِ قرآن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہم پر کتنا احسان کیا ہے۔

۲۔تلاوت کے وقت یہ سمجھنا چاہیے کہ کون ہم سے گفتگو کررہا ہے اور اس کی عظمت اور مقام ومرتبہ کیا ہے۔

۳۔اپنے نفس سے دوری اختیار کر کے حضور قلب کے ساتھ قرآن کی معنی کی طرف متوجہ رہتے ہوئے

قرآن کی تلاوت کی جائے۔

۴۔آیات میں غوروفکر کے ساتھ قرآن کے ہر کلمہ کو دقّت کے ساتھ پڑھا جائے۔

۵۔قرآن کے واقعات کی گہرائی کو خصوصا انبیائے کرام ÷ کے واقعات مومنین کی صفات ،اہل دوزخ اور مستکبرین کے حالات پر غور کیا جائے۔

۶۔اپنے اندر ترقی اور فہم قرآن کے موانع کو دور کر کے قرائت کی جائے۔

۷۔قرآن کی ہر آیت کا اپنے آپ کو مخاطب جان کر تلاوت کی جائے۔

۸۔تلاوت قرآن کے ساتھ اس کا اثر لینا،اسے دل میں بسانا،اور اس کی حقیقت کو قبول کرتے ہوئے قرآن کو پڑھنا ضروری ہے۔

۹۔قرآن کو اللہ تعالیٰ سے سننے کی کوشش کرنا نہ اپنی آواز کو سنتے رہنا۔

۱۰۔جو آیات مقرب بندوں سے تعلق رکھتی ہیں،اپنے آپ کو ان میں شامل نہیں کرنا چاہیے،لیکن اگر گنہگاروں سے مربوط آیات ہوں تو اپنے آپ کو اُن کا مخاطب جان کر خدا سے طلب بخشش کرنی چاہیے،اور عجز وانکساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے توفیق قرائت اور عمل کی درخواست کرنی چاہیے۔(۴۲)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن پڑھنے سمجھنے اور عمل کرنے اور قیامت کے دن قرآن کی شفاعت کے ساتھ داخل بہشت ہونے کی توفیق عنایت فرمائے۔الٰہی آمین

حوالہ جات

(۱) قرآن مجید، الوقعہ/۷۹
(۲) تفسیر مجمع البیان شیخ ابی علی الفضل بن الحسن الطبرسی ج۹ ص۳۴۱، دار المعرفۃ بیروت طبع ۱۹۸۹ء
(۳) البرنامج العبادی، عبداللہ الھاشمی، ص۱۶، مکتبہ الفین کویت ۲۰۰۲ء
(۴) رسالۃ الاحکام ۱۳ مراجع جلد نمبر ا، ص۲۲۷ دفتر انتشارات اسلامی جامعہ مدرسین ایران، قم طبع دوم ۱۳۷۷ء
(۵) گنجینہ معارف قرآن، ابوالفضل فخر الاسلام ص۲۴
(۶) رسالہ احکام، ۱۳ مراجع ج۱، ص۱۹۷، انتشارات جامعہ مدرسین ایران قم طبع دوم ۱۳۷۷
(۷) التفسیر الکبیر، امام فخر رازی، ج۱۵ جزء ۲۹، ص۱۹۳، دار الاحیاء التراث العربی بیروت طبع سوم
(۸) التفسیر الکبیر، امام فخر رازی، ج۱۵ جزء ۲۹، ص۱۹۴، دار الاحیاء التراث العربی بیروت طبع سوم
(۹) بحار الانوار، علامہ مجلسی، ج۹۲ ص۲۱۰ تا ۲۱۲ موسسہ وفا بیروت لبنان طبع سوم، ۱۹۸۳ء
(۱۰) نحل/۹۸
(۱۱) بحار الانوار، علامہ مجلسی، ج۹۲ ص۲۱۲ موسسہ وفا بیروت لبنان طبع سوم، ۱۹۸۳ء
(۱۲) تفسیر مجمع البیان، ج۵، ص۵۹۲
(۱۳) تفسیر مجمع البیان، ج۱، ص۸۹
(۱۴) حج/۵۲
(۱۵) تفسیر مجمع البیان، ج۱، ص۸۹
(۱۶) گنجینہ معارف، ص۳۷
(۱۷) آداب زندگی پیامبر (ص) لطیف راشدی، انتشارات تہذیب، چاپ ہفتم، ایران، ص۳۷۱، ۱۳۸۵ش
(۱۸) صحیفہ سجادیہ، مترجم مفتی جعفر، ۳۵۰ دعا ۴۲ ختم قرآن، رحمت اللہ بک ایجنسی۔
(۱۹) آداب زندگی پیامبر ﷺ، ص۳۷۱
(۲۰) آداب زندگی پیامبر ﷺ، ص۳۷۱
(۲۱) گنجینہ معارف، ص۲۷
(۲۲) بحار الانوار، ج۹۲، کتاب القرآن، ص۱۹۰

(۲۳) بحارالانوار، ج ۹۲، کتاب القرآن، ص ۱۹۱

(۲۴) بحارالانوار، ج ۹۲، کتاب القرآن، ص ۱۹۲

(۲۵) الوقعہ/۷۹

(۲۶) تفسیر مجمع البیان، ج ۹، ص ۲۴۱

(۲۷) گنجینہ معارف قرآن، ص ۳۶

(۲۸) تفسیر الکبیر، ج ۱۵، جز ۲۹، ص ۱۹۶

(۲۹) اسرار عبادات، آیۃ اللہ جوادی آملی، انتشارات الزہرا، چاپ ہفتم ایران قم، ۱۳۷۶ش

(۳۰) المزمل/۴

(۳۱) مجمع البیان، ج ۱۰، ص ۵۷۹

(۳۲) آداب زندگی، ص ۲۹۸ و ۳۷۳

(۳۳) گنجینہ معارف قرآن۔ ص ۳۷

(۳۴) گنجینہ معارف قرآن۔ ص ۳۸

(۳۵) تفسیر نمونہ، آیۃ اللہ مکارم شیرازی، ج ۲۵، ص ۱۷۶، انتشارات دارلکتب الاسلامیہ قم، ایران، طبع اول ۱۳۷۷ش

(۳۶) تفسیر نمونہ، آیۃ اللہ مکارم شیرازی، ج ۲۵، ص ۲۰۰، انتشارات دارلکتب الاسلامیہ قم، ایران، طبع اول ۱۳۷۷ش

(۳۷) المزمل/۲ تا ۳ (۳۸) المزمل/۲ تا ۳ (۳۹) المزمل/۲۰

(۴۰) بحارالانوار، ج ۹۲، ص ۲۱۳

(۴۱) المزمل/۲۰

(۴۲) پیام جاودانہ، نادر مہربان، نشر مہربان، طبع اول، قم، ایران، ۱۳۷۸ش، ص ۲۹

☆☆☆☆☆

قرآن اور عقیدہ ورائے کی آزادی

ثاقب اکبر☆

دین و مذہب کا نام آتا ہے تو عام طور پر پابندیوں کا خیال آتا ہے۔ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ دین آزادی کا پیام بر نہیں پابندیوں کا نقیب ہے۔ عقائد و نظریات اہل مذہب کی طرف سے ڈکٹیٹ کیے جاتے ہیں۔ اہل مذہب نظریات و افکار میں انسانی اختیار و ارادہ کے آزادانہ استعمال کو روا نہیں جانتے۔ بہت سے مذہبی معاشروں میں جس طرح کی آویزش پائی جاتی ہے اور چھوٹے چھوٹے مذہبی مسائل پر جس طرح سے فسادات پھوٹ پڑتے ہیں حتیٰ کہ قتل و غارت کا بازار گرم ہو جاتا ہے، اسے بہت سے افراد مذہب کی تنگ نظری اور شدت پسندی کے لیے دلیل بنا لیتے ہیں۔ کسی مذہبی نظریے پر دوسرے کے قتل کو روا جاننا اور مخالف نظریہ رکھنے والے کے لیے فتوے صادر کرنا مذہبی فکر میں آزادی کے نہ ہونے کی ہی دلیل سمجھا جاتا ہے۔ مغرب میں کلیسا کے دَور اقتدار کو جبر و استبداد کا دور اسی لیے قرار دیا جاتا ہے کہ اس میں کسی کو فکر اور رائے کی آزادی نہ تھی، یہاں تک کہ مظاہر فطرت و قدرت کے بارے میں آزادانہ رائے رکھنے کی آزادی نہ تھی۔ ایک دین کے ماننے والوں نے صرف دوسرے دین کے ماننے والوں کے خلاف خوں ریز جنگیں برپا نہیں کیں بلکہ ایک ہی دین کے ماننے والوں نے آپس میں مختلف مسالک کا اتنا خون بہایا ہے کہ الامان۔ یہ پرانی تاریخ کا ہی قصۂ غمناک نہیں عصر حاضر میں بھی دین و مذہب کے نام پر کشت و خون کا بازار اسی طرح گرم ہے۔

اس پس منظر کے ہوتے ہوئے ہم اس سوال کا جائزہ لیتے ہیں کہ عقیدہ و رائے کی آزادی کے حوالے سے قرآن کا نقطۂ نظر کیا ہے۔ ہم اس بات کو آغاز ہی میں واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ کسی بھی دین و مذہب کے ماننے والوں کے ہر فکر و عمل کو ان کے دین و مذہب کے کھاتے میں نہیں ڈال دینا چاہیے۔ فکر و عمل کا تعلق فرد یا افراد سے ہے۔ دین و مذہب کو اس کے اصل مصادر و مراجع سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اسلام کا سب سے

☆محقق، دانشور، شاعر، صدر نشین البصیرہ، اسلام آباد

پہلا، بنیادی اور اہم ترین مصدر قرآن ہے۔ قرآن حکیم کے بارے میں مسلمانوں کا مجموعی عقیدہ یہ ہے کہ اس کا متن پوری طرح محفوظ ہے اور اس میں کوئی کمی بیشی واقع نہیں ہوئی۔

علاوہ ازیں یہ دیگر مصادر کے لیے ''حَکم'' کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ دوسری بات کسی حد تک قابل بحث ہے۔ تاہم ہمارا نظریہ یہی ہے کہ ہر دوسری بات کو پرکھنے اور اس کے صحیح یا غلط ہونے کو جانچنے کے لیے قرآن معیار اور کسوٹی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی لیے ہم عقیدہ ورائے کی آزادی کے حوالے سے قرآن کا نقطۂ نظر سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہر سنت اور حدیث کو اس کی طرف پلٹایا جائے گا اور ہر فتویٰ کو قرآن کے پیش نظر ہی جانچا جائے گا۔

چند بنیادی آیات

عقیدے کی آزادی کے حوالے سے عام طور پر یہ دو آیات پیش کی جاتی ہیں:

لَآ اِکۡرَاهَ فِی الدِّیۡنِ (۱)

یعنی: ''دین میں اِکراہ نہیں ہے۔''

یعنی دین میں جبر اور زبردستی نہیں ہے۔ گویا دین نہ جبر سے قبول کیا جانا چاہیے نہ دوسروں پر زبردستی ٹھونسنا چاہیے۔ ہر کسی کو آزاد ہونا چاہیے کہ وہ کوئی بھی دین یا عقیدہ اختیار کر لے۔

دوسری آیت سورۂ کافرون کی ہے:

لَکُمۡ دِیۡنُکُمۡ وَلِیَ دِیۡنِ (۲)

یعنی: ''تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین۔''

اس آیت مجیدہ کا لفظی ترجمہ تو یہ بنتا ہے: ''ایک دین تمھارا ہے اور ایک دین میرا ہے۔'' یعنی تم اپنا دین رکھو میں اپنا۔ اس سورہ کے نزول کا پس منظر یہ ہے کہ اسلام کو نہ ماننے والے ایک گروہ نے ''کچھ لو کچھ دو'' کی بنیاد پر پیغمبر اسلامؐ کو اسلام قبول کرنے کی پیش کش کی، وہ بعض بتوں کی پوجا کی اجازت مانگتے تھے یا بعض بتوں کو باقی رکھنا چاہتے تھے۔ اس پر یہ سورہ نازل ہوئی جس کا مفہوم یہ ہے کہ دین اور عقیدے کے معاملے میں کچھ لو اور کچھ دو نہیں ہوسکتا۔ ہر آدمی آزاد ہے کہ غور و فکر کر کے ایک نظریہ یا عقیدہ اختیار کرے۔

انسان کا طرۂ امتیاز ہی آزادی ہے

ہماری رائے یہ ہے کہ قرآن حکیم میں ان کے علاوہ بھی بہت سی آیات ہیں جو بالواسطہ یہ بلا واسطہ عقیدے اور رائے کی آزادی کے نظریے پر دلالت کرتی ہیں۔ بلا واسطہ اس نظریے کو بیان کرنے والی ایک اور آیت ملاحظہ کیجیے:

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا. (۳)

یعنی: ''یقیناً ہم نے انسان کو راستے کی راہنمائی کردی ہے، اب چاہے وہ شکرگزار ہوجائے اور چاہے ناشکرا بن جائے۔''

یہ آیت تخلیق انسانی کے مراحل بیان کرتے ہوئے آئی ہے۔ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ ایک دور تھا، جب یہ انسان نہیں تھا۔ پھر نطفے کی صورت میں اس کے سفرِ تخلیق کا آغاز ہوا۔ پھر رفتہ رفتہ وہ پورا انسان بن گیا جس کے پاس سننے اور دیکھنے کی صلاحیت موجود تھی۔ یہ صلاحیتیں اس کے لیے امتحان اور آزمائش کا ذریعہ بن گئیں۔ اللہ نے انسان کے اندر ایسی صلاحیتیں رکھیں کہ وہ حق و باطل، درستی و نادرستی کو پہچان سکتا تھا۔ فطرت و عقل کے خزانے صحیح راستے کی راہنمائی کے لیے ہی ہیں۔ اب اس انسان کو ارادہ و اختیار کی آزادی سے سرفراز کیا گیا۔ اس آزادی کو بروئے کار لاکر اور اپنی صلاحیتوں کا مثبت استعمال کرکے اب چاہے تو شکرگزار ہوجائے اور عقل و فطرت کے خلاف راستہ اختیار کرکے اور اپنی صلاحیتوں کا منفی استعمال کرکے چاہے تو ناشکرا ہوجائے۔

قرآن حکیم کے تصور کے مطابق عقل انسان کا مابہ الامتیاز ہے۔ انسان کو فاعلِ مختار بنا کر بھیجا گیا ہے۔ جنت اور جہنم کا تصور اسی اختیار اور آزادی کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ جنت اس آزادی کے مثبت استعمال ہی کا نتیجہ ہے اور جہنم اس آزادی کے منفی استعمال ہی کا انجام ہے۔ آزاد ارادے کے بغیر اسلام لانا اسلام نہیں اور اظہار کفر، کفر نہیں۔ جبر و اکراہ تو اس تصور دین کے خمیر سے ہی سازگار نہیں۔

انبیاء آزادیٔ فکر کے علمبردار تھے

انبیائے الٰہی کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بنیادی طور پر آزادیٔ فکر ہی کے علمبردار تھے۔ وہ دوسروں کو بھی اس آزادی سے سرفراز کرنا چاہتے تھے اور اپنے لیے بھی اس آزادی کے طالب

تھے۔قرآن حکیم اس امر کی بہت سی شہادتیں پیش کرتا ہے کہ انبیاء کے مخالفین جبر واکراہ سے کام لیتے تھے۔وہ مخالف نظریہ اختیار کرنے پر انبیاء اوران کے ساتھیوں پر ظلم وتشدد کرتے تھے،انھیں دھمکیاں دیتے تھے،جلا وطن کرتے تھے یہاں تک کہ قتل وغارت سے بھی باز نہ آتے تھے۔آیئے چند ایک آیات ملاحظہ کرتے ہیں:

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بارے میں ہے:

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ (۴)

یعنی:''کہنے لگے:اے نوح!اگر تم باز نہ آئے تو تمھیں سنگسار کر دیا جائے گا۔''

اس آیت کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ قوم کے وڈیروں کو حضرت نوحؑ پر ایک اہم اعتراض یہ تھا کہ اُن پر ایمان لانے والے اور اُن کے ساتھی معاشرے کے پس ماندہ اور پچھڑے ہوئے محروم لوگ تھے جنھیں وہ **اَلْاَرْذَلُوْنَ** (۵) کہتے تھے،یعنی نہایت گھٹیا اور پست۔ان وڈیروں کا کہنا تھا کہ انھیں اپنے پاس سے ہٹاؤ پھر ہم تمھارے پاس آئیں گے۔انسانیت کی یہ تذلیل اور ایسی طبقہ بندی حضرت نوحؑ کو قبول نہ تھی۔لہٰذا انھوں نے ایسا مطالبہ قبول کرنے سے انکار کر دیا جس پر انھیں دھمکی دی گئی کہ تمھیں سنگسار کر دیا جائے گا۔

حضرت ابراہیمؑ کو بھی ان کے چچا آزر نے سنگسار کرنے کی دھمکی دی۔قرآن حکیم نے اُس کی دھمکی نقل کی ہے:

لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ (۶)

یعنی:''اگر تم باز نہ آئے تو میں ضرور تمھیں سنگسار کر دوں گا۔

حضرت شعیبؑ کی قوم نے بھی اُن سے کہا:''

وَ لَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ وَ مَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ (۷)

یعنی:''اگر تیرا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم ضرور تجھے سنگسار کر دیتے کیونکہ تیری ہمارے سامنے کوئی حیثیت نہیں۔''

انھوں نے سنگسار تو نہ کیا لیکن جلاوطن کرنے کا اعلان کر دیا۔سورہ اعراف میں ہے:

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا قَالَ اَوَ لَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ (۸)

یعنی:''ان کی قوم کے وڈیرے جو تکبر میں مبتلا تھے کہنے لگے:اے شعیب!ہم تجھے اور تجھ پر

ایمان لانے والوں کو اپنی بستی سے نکال دیں گے یا پھر تم ہمارے مذہب میں واپس آ جاؤ۔
شعیب کہنے لگے: کیا چاہے ہم اسے ناپسند کرتے ہوں؟''

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عقیدے کے اختلاف کی بنا پر اس قوم کے بڑے حضرت شعیبؑ اور اُن کے ماننے والوں کو بستی سے نکال دینے پر تُل گئے۔ اس کام سے رُکنے کے لیے ان کی ایک ہی شرط تھی کہ ہماری ملت اور مذہب میں تم واپس آ جاؤ۔ حضرت شعیب کا جواب بہت زبردست اور چشم کشا تھا۔ وہ کہنے لگے: کیا چاہے ہم تمھارے دین کو پسند نہ کرتے ہوں؟ گویا وہ اپنے لیے عقیدے اور دین کی آزادی کا حق مانگ رہے تھے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ کیا تم زبردستی کرو گے؟ کیا ہماری رائے اور نظریے کو زبردستی تبدیل کرو گے؟

اس سے بعد والی آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت شعیب کا دعویٰ تھا کہ انھوں نے جو عقیدہ اختیار کیا ہے وہ علی وجہ البصیرت ہے، وہ دلیل و منطق کی بنیاد پر ہے اس لیے وہ اسے چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھے۔ گویا وہ اپنی آزادی کا کسی قیمت پر سودا کرنے کو تیار نہ تھے۔

جب اس قوم کے وڈیروں نے حضرت شعیبؑ کا مضبوط موقف سنا تو اُن کے پیروکاروں کو خوفزدہ کرنے کے لیے وہ کہنے لگے:

وَ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَوْمِہٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَیْبًا اِنَّکُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ.(۹)

یعنی: ''ان کی قوم کے بڑے آدمی جو نہ مانتے تھے کہنے لگے: اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو یقیناً تم گھاٹا اٹھانے والے ہو گے۔''

ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ انبیاء ہمیشہ عقیدے اور رائے کی آزادی کے علم بردار رہے ہیں اور اُن کے مخالفین جبر و اکراہ کا سہارا لیتے رہے ہیں۔ ظلم و تشدد ہمیشہ انبیاء کے مخالفین کا طرزِ عمل رہا ہے۔

دیگر ادیان کے ماننے والوں کو مل جل کر رہنے کی دعوت

قرآن حکیم نہ فقط عقیدے اور فکر کی آزادی کا پرچم بردار ہے بلکہ وہ اپنے ماننے والوں سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ مشترک بنیادوں پر دوسروں کو مل جل کر رہنے کی دعوت دیں۔ اہل کتاب کو دعوت دینے کے لیے اُس کا کہنا ہے:

قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَ لَا

نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّ لَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ.(۱۰)

یعنی: ''کہیے: اے اہل کتاب! آؤ اس ایک بات پر اکٹھے ہو جائیں جو تمھارے اور ہمارے درمیان مساوی اور مشترک ہے اور وہ یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اُس کا کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور اللہ کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو مالک ومختار نہ سمجھ لیں۔''

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ رسول اکرمؐ نے مدینہ ہجرت کے بعد وہاں کے غیر مسلموں سے پرامن بقائے باہمی کا جو معاہدہ کیا تھا اور جسے میثاق مدینہ کہتے ہیں، اس میں اہل کتاب کے علاوہ اوس وخزرج کے وہ بت پرست بھی شریک تھے جو ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے۔(۱۱)

اہل کتاب کے مصداق اس زمانے میں یہودی اور مسیحی سمجھے جاتے تھے۔ بعدازاں دیگر ممالک تک مسلمان پہنچے تو اس اصطلاح نے وسعت اختیار کر لی۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ اہل کتاب حضرت محمد ﷺ کے نبوت کے دعویٰ کو برحق نہیں جانتے، قرآن حکیم کو سچی آسمانی کتاب نہیں مانتے اور خانۂ کعبہ کو قبلہ نہیں سمجھتے۔ اس کے باوجود قرآن حکیم نبی کریمؐ سے کہتا ہے کہ انھیں مشترک بنیاد پر مل جل کر رہنے کی دعوت دیں یعنی؛ قرآن ان کے لیے عقیدے کی آزادی کا حق تسلیم کرتا ہے۔

اندھی تقلید سے روکنا

قرآن حکیم جہاں آزاد اندیشی پر زور دیتا ہے وہاں اندھی تقلید سے روکتا بھی ہے۔ اندھی تقلید دراصل آزادیٔ فکر کے لیے زنجیر پا کی حیثیت رکھتی ہے۔ آزاد اندیشی اور آزادی فکر کے لیے ایک سازگار فضا کی ضرورت ہے۔ شخصیت پرستی اور آباء پرستی انسان کو کوتاہ فکر بنا دیتی ہے۔ رائے اور عقیدے کی آزادی کے راستے میں یہ چیزیں رکاوٹ بن جاتی ہیں۔ قرآن حکیم میں کئی ایک آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ انبیاء کے نظریے کی مخالفت کرنے والوں کے پاس اپنے حق میں اس کے سوا کوئی دلیل نہ ہوتی تھی کہ ''ہم نے اپنے آباء کو اسی راستے پر پایا ہے۔'' سورہ مائدہ میں ہے:

وَ اِذَا قِیْلَ لَھُمْ تَعَالَوْا اِلٰی مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ وَ اِلَی الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَیْہِ اٰبَآءَ نَا اَوَ لَوْ کَانَ اٰبَآؤُھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ شَیْئًا وَّ لَا یَھْتَدُوْنَ. (۱۲)

یعنی: ''جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے اُس کی طرف اور رسول کی طرف آجاؤ تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارے لیے وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے آباء کو پایا ہے۔

کیا چاہے ان کے آباء کچھ بھی نہ جانتے ہوں اور نہ راہِ راست پر ہوں (یہ پھر بھی انہی کے راستے پر چلتے رہیں گے)؟''

اس سے ملتی جلتی آیات قرآن حکیم میں بہت سی ہیں۔(۱۳)

قرآن حکیم کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ نبی کریم اس لیے بھی مبعوث ہوئے ہیں کہ لوگوں کو اندھی تقلید اور ایسے رسم و رواج اور خود ساختہ امور سے نجات دیں جو اُن کے لیے زنجیریں اور بوجھ بن چکے ہیں جیسا کہ سورہ اعراف میں ہے:

وَ یَضَعُ عَنۡهُمۡ اِصۡرَهُمۡ وَ الۡاَغۡلٰلَ الَّتِیۡ کَانَتۡ عَلَیۡهِمۡ .(۱۴)

یعنی: ''اور یہ نبی ان لوگوں پر سے ان کے بوجھ کو اتارتا ہے اور ان زنجیروں کو جو ان پر تھیں۔''

عقل وفطرت کو بنیاد بنانا

قرآن حکیم انسان کو عقل وخرد سے کام لینے اور غور وفکر پر ابھارتا ہے۔اپنی دعوت کو عقل کی بنیاد پر پیش کرتا ہے۔قرآن حکیم کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی فطرت پر پیدا کیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

فِطۡرَتَ اللّٰهِ الَّتِیۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیۡهَا.(۱۵)

یعنی: ''اللہ کی فطرت ہے جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا۔''

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن حکیم آزاد غور وفکر کی بنیاد پر انسان کو اپنے پیغام کی طرف بلاتا ہے۔جو دین عقل وخرد کو حرکت دیتا ہو، غور وفکر کرنے پر ابھارتا ہے اسے جبر واکراہ کا راستہ اختیار کرنے کی ضرورت نہیں۔عقل وفطرت جس راستے کی طرف بلائے وہی قرآن اور اسلام کا راستہ ہے۔اس سے بڑھ کر آزادیٔ فکر کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

اس مقام پر یہ کہنا مناسب ہے کہ اگر اسلام کا کوئی حکم بظاہر عقل وفطرت کے منافی معلوم ہوتا ہو تو یا اسے عقل وفطرت کے منافی سمجھنے والے کو چاہیے کہ مزید غور وفکر کرے، ممکن ہے اسے سمجھنے میں غلطی ہوئی ہو یا پھر یہ استنباط اور فہم کا اشتباہ ہے۔اسلام کا کوئی حکم عقل وفطرت کے منافی نہیں ہوسکتا۔یہ موضوع نہایت گہرا ہے اس پر علما اور دانشور بہت کچھ لکھ چکے ہیں تاہم مزید غور وفکر کی گنجائش ہمیشہ باقی رہتی ہے۔البتہ اس اصول کے برحق ہونے میں کوئی شک نہیں۔عقل وفطرت کو انسان کے لیے مابہ الامتیاز قرار دینے والا اور اس بنیاد پر

انسان کو اشرف المخلوقات بنانے والا عقل وفطرت کے خلاف کوئی حکم کیسے دے سکتا ہے؟

علی الاطلاق ''منکر'' سے روکنا اور ''معروف'' کی تشویق وترغیب کرنا بھی انسانی عقل وفطرت پر اعتماد کا غماز ہے۔ قرآن حکیم کی بہت سی آیات میں مطلق طور پر منکر سے روکنے اور معروف کی طرف دعوت دینے کے لیے کہا گیا ہے، بلکہ اسے امت اسلامیہ کی بنیادی ذمہ داریوں اور علامات وخصوصیات میں سے قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (۱۶)

یعنی: ''تم ایک بہترین امت ہو جو سب انسانوں کی طرف بھیجی گئی ہے تاکہ تم معروف کا حکم دو اور منکر سے روکو۔''

چند اہم پہلو

عقیدہ و رائے کی آزادی کے بارے میں قرآن کا نظریہ بیان کرتے ہوئے چند سوالات اور اہم پہلوؤں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا وگرنہ یہ بحث مکمل نہیں ہو سکے گی۔

ایک سوال یہ ہے کہ قرآن حکیم اپنے نہ ماننے والوں، مخالفوں اور دشمنوں کو جہنم کی وعید دیتا ہے اور قرآن کے مطابق ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنے شدید عقاب اور عذاب سے ڈراتا ہے، کیا یہ دھمکی نہیں؟ اس سلسلے میں عرض ہے کہ قرآن کا تصور جنت وجہنم سمجھے بغیر اور قرآن جس خدا کا تصور پیش کرتا ہے اسے جانے بغیر اس سوال کا جواب سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ ہم اس حوالے سے کچھ اشارہ کرتے ہیں۔

جب انسان اپنے ارادے اور اختیار کو استعمال کرنے میں آزاد ہے تو پھر اس آزادی کو انسان صحیح بھی استعمال کر سکتا ہے اور غلط بھی۔ جب انسان اس آزادی اور اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی نعمات کو عقل وخرد کے ساتھ درست استعمال کرتا ہے تو اس دنیا میں بھی بھلائی پاتا ہے اور آخرت میں بھی۔ قومیں اس دنیا میں دانائی اور بصیرت کے راستے پر اجتماعی شعور کے ساتھ گامزن ہو جائیں تو یہی دنیا جنت بن جاتی ہے اور آخرت میں بھی جنت انسان کی مثبت فکر اور مثبت عمل کا نتیجہ ہے۔ اس کے برعکس دوزخ انسان کے اپنے اختیار کردہ برے راستے کا انجام ہے، اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ انفرادی طور پر انسان کی رُوح پاکیزہ ہو اور انسان بندوں کے لیے خیر کا جذبہ رکھتا ہو، خیر کو بطور راستہ اختیار کر لے، اپنے مولا وآقا کی رضا کو اپنا مقصود جانے اور

ان امور میں ریا کاری نہ کر رہا ہو تو وہ جنت ہی میں رہ رہا ہوتا ہے۔ دوزخ بھی اسی طرح سے ہے۔

جنت و دوزخ نتیجے کا نام ہے۔ اس مسئلے پر گہرا غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا تشویق و ترغیب کرنا اور ڈرانا اور خبردار کرنا اسی معنی میں ہے۔ یہ سب کچھ اس کی بندوں سے محبت ہی کا اظہار ہے۔ جیسے ماں باپ اپنی اولاد کو سمجھاتے ہیں کہ اس راستے پر چلو گے تو کامیاب رہو گے اور اس راستے پر چلو گے تو ناکام ہو گے۔ ماں باپ دھمکی نہیں دے رہے ہوتے۔ ماں باپ کا ترغیب و ترہیب کرنا اولاد کی خیر خواہی ہے اور ان سے محبت کا نتیجہ ہے۔ انبیاء کے مخالفین کا دھمکانا، ڈرانا اور تشدد کرنا بالکل جدا پہلو رکھتا ہے۔ اسے خلط ملط نہیں کرنا چاہیے۔

انبیاء کو بھی بشیر و نذیر کہا گیا ہے۔ بعض لوگ ''نذیر'' کا ترجمہ ''ڈرانے والا'' کرتے ہیں، بہتر ہے کہ اس کا ترجمہ ''خبردار کرنے والا'' یا ''متنبہ کرنے والا'' کیا جائے۔ البتہ ''ڈرانے والا'' بھی اسی معنی میں ہے کہ نبی غلط راستے پر چلنے والوں کو ان کے بُرے انجام سے ڈراتے ہیں۔ انبیاء کا نظارت کرنا، اللہ کی نمائندگی میں خیر خواہی کے سوا اور کچھ نہیں۔

یہاں اس طرف بھی اشارہ کر دیا جائے کہ علماء کا اور اہل اللہ کا اللہ سے خوف کھانا اور خشیت الٰہی کی کیفیت میں رہنا عام معنی میں خوف و خشیت نہیں ہے۔ اللہ، اہل اللہ کا مطلوب و مراد ہے۔ وہ اُس کی رضا کے حصول میں سرگرم ہوتے ہیں۔ وہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں کوئی ایسا کام نہ کر بیٹھیں جس سے وہ ناراض ہو جائے۔ یہ ایک بہت دقیق بات ہے۔ اس کے لیے عرفانی موضوعات پر لکھی گئی کتب کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

ایک اور مسئلے کی کچھ وضاحت بھی یہاں مفید رہے گی اور وہ یہ کہ قرآن حکیم ''غیب'' پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے۔ غیب سے یہاں کلی طور پر مراد مادی آنکھ سے غائب کائنات ہے۔ گویا قرآن کہنا چاہتا ہے کہ جہان ماورائے مادہ پر ایمان لانا ضروری ہے۔ دین کی ابتدا دراصل اسی تصور کائنات سے ہوتی ہے۔ دین کے نزدیک انسان صرف مادی جسم سے عبارت نہیں اور نہ کائنات صرف مادی ہے۔ خود خدا جو اس کائنات کا خالق مالک ہے اسے ہماری یہ مادی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں لہٰذا غیب پر ایمان لانے کا تقاضا علیٰ وجہ البصیرت ہے۔ یہ اندھا ایمان اور اندھی تقلید نہیں۔ انسان اپنے نفس کی طرف دیکھے تو اس جہان کو آسانی سے پا سکتا ہے۔ قرآن اور اسلام کسی ایسے ایمان کا تقاضا نہیں کرتا جو بصیرت اور انسانی معرفت کی صلاحیت سے ماوراء ہو۔ ایمان کا یہ

تقاضا آزاد انتخاب کے منافی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ عین آزادی کا پیغام ہے۔ علامہ اقبال کا یہ شعر اسی حقیقت کے ایک پہلو کی طرف اشارہ کرتا ہے:

یہ ایک سجدہ جسے تم گراں سمجھتے ہو　　ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات (۱۷)

حوالہ جات

(۱) ۲/البقرہ/۲۵۶　(۲) ۱۰۹/الکافرون/۶　(۳) ۷۶/دھر/۳

(۴) ۲۶/الشعراء/۱۱۶　(۵) ۲۶/الشعراء/۱۱۱　(۶) ۱۹/مریم/۴۶

(۷) ۱۱/ہود/۹۱　(۸) ۷/اعراف/۸۸　(۹) ۷/اعراف/۹۰

(۱۰) ۳/آل عمران/۶۴

(۱۱) مبارکپوری، صفی الرحمٰن: الرحیق المختوم (لاہور، المکتبۃ السلفیہ، مئی ۲۰۰۲ء) ص ۲۶۳

(۱۲) ۵/مائدہ/۱۰۴　(۱۳) مزید دیکھیے: ۲/البقرہ/۱۷۰　(۱۴) ۷/اعراف/۱۵۷

(۱۵) ۳۰/الروم/۳۰　(۱۶) ۳/آل عمران/۱۱۰

(۱۷) احمد رضا (مرتب): کلید کلیات اقبال اردو (لاہور، ادارہ اہل قلم، دسمبر ۲۰۰۵) ص ۵۵۰

☆☆☆☆☆

قرآن کی دوسری تمام کلاموں پر فضیلت ایسی ہے جیسے اللہ کی فضیلت اس کی مخلوق پر۔

(حضرت رسول اکرمؐ۔ بحار الانوار)

قرآن نہج البلاغہ کی نظر میں

محمد اصغر عسکری ☆

قرآن کے حقیقی پیغام کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے اُن اولیائے خدا کے کلام سے استفادہ کیا جائے، جن کی زندگی قرآن کی عملی تصویر ہے اور جن کی زندگی کا ہر لمحہ قرآنی دستور سے عبارت ہے۔ کیونکہ قرآن جیسے عظیم الٰہی تحفے اور مسلمانوں کی سب سے عظیم میراث کا ادراک وہی کر سکتا ہے جو خود ناطق قرآن ہو، اس نور الٰہی کو اس کی روح سمیت وہ بیان کر سکتا ہے جو خود نورانی اور نور ہو۔ جو قرآن کے نزول سے دس سال قبل سورہ مومنون کی تلاوت کر کے بتلا دے کہ ہمارا رشتہ باطنی قرآن اور حقیقت قرآن سے ہے۔

انہی ہستیوں میں سے ایک عظیم ہستی کہ جن کا تعارف ہی رسول خدا ﷺ نے اسی حوالے سے کرایا ہے، امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کی ذات گرامی ہے، جن کے بارے رسول خدا ﷺ نے فرمایا:

علی مع القرآن و القرآن مع علی (۱)

یعنی: ''علی قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علی کے ساتھ ہے۔''

یعنی یہ رشتہ اور معیت برابری کی بنیاد پر قائم ہے۔ قرآن سے علی - کا رشتہ یک طرفہ نہیں، بلکہ دو طرفہ ہے۔ جیسے علیؑ قرآن کے ساتھ ہیں، ویسے ہی قرآن بھی علیؑ کے ساتھ ہے۔ تو آیئے اس مختصر تحریر میں کلام امیر المومنین علی - کی روشنی میں قرآن کے مقام کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں اگرچہ حضرتؑ نے قرآن کے متعلق جو کلام نہج البلاغہ میں بیان کیا ہے۔ اگر اس تمام کلام کو بیان کیا جائے تو بحث طولانی ہو جائے گی۔ کیونکہ امامؑ نے ۲۰ سے زیادہ خطبات میں قرآن کی عظمت کو بیان کیا ہے اور کبھی ایک طولانی خطبے کے آدھے حصے میں مقام قرآن، قرآن کا امت مسلمہ کی زندگی میں کردار اور قرآن کے متعلق مسلمانوں کی ذمہ داریوں کو بیان فرمایا ہے۔ لہٰذا اس مختصر تحریر میں نہج البلاغہ کے بعض خطباتِ امیر المومنین پر اکتفا کرتے ہیں۔

☆ استاذ، جامعۃ الرضا، بارہ کہو، اسلام آباد

آپؑ نے ارشاد فرمایا:

"وَ کِتَابُ اللّٰہِ بَینَ اَظْھُرِکُمْ نَاطِقٌ لایَعْیٰی لِسَانُہُ وَبَیْتٌ لَّا تُھْدَمُ اَرْکَانُہُ وَعِزٌّ لَا تُھْزَمُ اَعْوَانُہُ"(۲)

یعنی: "اور یہ خدا کی کتاب تمہاری نگاہوں کے سامنے ہے ایسی بولنے والی کتاب ہے جو بولتے ہوئے کبھی تھکتی نہیں ہے اور ایسا گھر ہے جس کے ارکان منہدم نہیں ہوتے یہ وہ عزت ہے جس کے اعوان وانصار شکست خوردہ نہیں ہوتے۔"

گذشتہ امتوں میں اور بالخصوص بنی اسرائیل کے یہودیوں کے پاس آسمانی کتابیں نہیں ہوتی تھیں، عام افراد کی دسترس سے باہر تھیں، صرف تورات کے چند مخصوص نسخے علمائے یہود کے پاس ہوتے تھے، لہٰذا عام لوگوں کے لیے تورات کی طرف رجوع کرنا ناممکن تھا۔ امامؑ فرماتے ہیں کہ یہ صرف قرآن کی خصوصیت ہے کہ وہ ہر فرد کی دسترس میں ہے اور اس عظیم الٰہی کتاب کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ خود خداوند متعال نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیتے ہوئے فرمایا:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَاالذِّکْرَ وَاِنَّالَہٗ لَحٰفِظُوْنَ(۳)

یعنی: "بے شک ہم ہی نے ذکر (قرآن) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔"

مزید برآن پیغمبر گرامی اسلام نے قرآنی آیات کو حفظ کرنے کی بہت تاکید فرمائی، جس کے نتیجے میں آپؐ کے زمانے میں ہی مسلمانوں ایک بڑی تعداد نے قرآن حفظ کرلیا تھا۔ حضرت امیر المومنین نے اسی جانب اشارہ فرمایا ہے کہ قرآن ایسی کتاب ہے جو آپ کے پاس موجود ہے۔ پھر فرمایا:

نَاطِقٌ لایَعْیٰی

یعنی: "ایسی بولنے والی کتاب ہے جو کبھی بولتے ہوئے تھکتی نہیں ہے جس کی زبان میں لکنت نہیں ہے۔"

قرآن کتابِ ناطق یا صامت؟

حضرت امیر المومنین ؑ نے ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

صَامِتٌ نَاطِق(۴)

یہ نکتہ قابل غور ہے کہ امامؑ نے ایک طرف سے قرآن کو صامت، یعنی؛ خاموش کہا ہے اور پھر ناطق بھی کہا ہے۔ یعنی؛ یہ کتاب خاموش بھی ہے اور بولنے والی بھی ہے تو یہ کیسے ممکن ہے؟

اس بارے میں محققین کہتے ہیں ''امامؑ کی یہ تعبیر حقیقت میں قرآن کے بارے میں دومختلف قسم کے نظریات کی طرف اشارہ ہے: ایک نکتہ نظر، یہ ہے کہ یہ ایک مقدس کتاب ہے جو خاموش ہے کسی سے گفتگو نہیں کرتی اور کسی فرد کا اس سے رابطہ نہیں ہے، دوسرا نکتہ نظر یہ ہے کہ قرآن ایک بولنے والی کتاب ہے اور تمام انسانوں کو اس نے اپنا مخاطب قرار دیا ہے۔ انہیں اپنی پیروی کی دعوت دی ہے اور اپنے پیروکاروں کو سعادت و خوش بختی کی نوید دی ہے۔

آپؑ فرماتے ہیں کہ قرآن کے بارے پہلا نظریہ کہ قرآن ایک صامت کتاب ہے اور چند کاغذوں پر مکتوب ہے، تمام مسلمان جس کا احترام کرتے ہیں، اس کو چومتے ہیں، گھر میں اچھی جگہ پر اسے سجاتے ہیں اور بعض اوقات محافل میں اس کی حقیقت کو سمجھے بغیر اس کی تلاوت بھی کرتے ہیں۔ اگر اس نظر سے قرآن کو دیکھیں تو یقیناً ایسے افراد کے لیے قرآن ایک صامت کتاب ہے اور ایسا نظریہ رکھنے والا فرد کبھی بھی قرآن کی آواز کو نہیں سن سکے گا اور قرآن کبھی بھی اس کی مشکل کو حل نہیں کر سکے گا۔ اور یہ نکتہ نظر درست نہیں ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ دوسرے نظریے کو قبول کیا جائے کہ جس کے مطابق قرآن، کتاب زندگی ہے، انسانیت کے لیے ایک آئین اور منشور ہے۔ لہٰذا قرآن کے اس پہلو کو دیکھیں تو یہ عظیم کتاب صامت نہیں، بلکہ ناطق ہے، انسانوں سے گفتگو بھی کرتی ہے اور ہر میدان میں ان کی مکمل راہنمائی بھی کرتی ہے۔(۵)

حضرت کے اس جملے کی تشریح ایک اور انداز سے بھی کی جاسکتی ہے اور وہ یہ کہ قرآن کا مقام و مرتبہ بہت بلند تھا اور اس کلام الٰہی کی حقیقت، نزول کی کیفیت اور حقیقی شناخت عام انسانوں کے لیے ناممکن تھی۔ اور دوسری طرف سے اس عظیم کتاب کے نزول کا مقصد انسان کی ہدایت تھا، لہٰذا اس عظیم کتاب نے اپنے اس عظیم مرتبے سے تنزل کیا ہے اور یہ حقیقت قرآنی کلمات، آیات اور جملوں کی شکل میں اتری ہے تاکہ انسان کے لیے اس کا سمجھنا اور پڑھنا آسان ہو جائے پھر بھی اس عظیم کتاب کی تمام آیات ایک عام انسان کے لیے قابل فہم نہیں ہیں، اور اس کی آیات کی گہرائی پیغمبر گرامی اسلام اور آئمہ ÷ جو کہ (**راسخون فی العلم**) ہیں کی تفسیر و تبین کے بغیر ممکن نہیں ہے لہٰذا اس پہلو سے دیکھیں تو قرآن بہت سے افراد کے لیے صامت ہے۔ یعنی؛ اسے ائمہ ÷ کی تفسیر کے بغیر سمجھنا ناممکن ہے، اور دوسری طرف دیکھیں تو پیغمبرؐ اور ائمہ ÷ کی بیان کردہ تفسیر کی روشنی میں یہ کتاب ہر انسان کے لیے ناطق ہے۔

پس امامؑ کے اس جملے کا مفہوم یہ ہُوا کہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے، جو تمہاری دسترس میں ہے اور ایسی

بولنے والی کتاب ہے جو کبھی تھکتی نہیں، انسانوں کو مسلسل فلاح وسعادت کی دعوت دیتی ہے، اپنے پیروکاروں کو خوش بختی اور سعادت کی طرف بلا رہی ہے۔لہٰذا یہ کتاب اپنی ذمہ داری کی ادائیگی سے کبھی نہیں تھکتی۔

ایک اور خطبہ میں آپ فرماتے ہیں:

"ذٰلِکَ الْقُرآنُ فَاسْتَنْطِقُوهُ وَ لَن یَّنطِقَ وَ لٰكِنْ أُخْبِرُكُمْ عَنْهُ، أَلا اِنَّ فِيهِ عِلْمَ مَا يَأتِی، وَ الْحَدِيثَ عَنِ الْمَاضِیْ، وَ دَوَاءَ دَائِكُم، وَ نَظْمَ مَا بَينَكُمْ". (۲)

یعنی: " یہ وہ قرآن ہے جسے تم بلواؤ اور یہ خود ہرگز نہیں بولے گا، لیکن میں تمہیں اس کے بارے بتاتا ہوں یاد رکھو! اس میں مستقبل کا علم ہے اور ماضی کی داستان ہے اس میں تمہارے درد کی دوا ہے اور تمہارے امور کی تنظیم کا سامان ہے۔"

امامؑ نے اس خطبہ میں فرمایا: "ولن ینطق" "یہ قرآن ہرگز نہیں بولے گا تم اسے بلواؤ۔اس سے مراد یہ ہے کہ پیغمبرؐ اور ائمہ اطہار ÷ کی بیان کردہ تفسیر کے بغیر یہ نہیں بولے گا اور تم اس سے استفادہ نہیں کر پاؤ گے، کیونکہ قرآن الٰہی علوم ومعارف کا ایک ایسا سمندر ہے کہ عالم غیب سے مرتبط ہستیاں ہی اس کی گہرائی میں غوطہ ور ہوسکتی ہیں اور اس کی تہہ سے انسانیت ساز گرانبہا گوہر وموتی حاصل کرسکتی ہیں۔اسی لیے خداوند متعال نے پیغمبرؐ اور علوم اہل بیت ÷ کی روشنی میں ان عظیم معارف کے سمندر سے مستفید ہونے کا حکم دیا ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ ائمہ طاہرین ÷ کو قرآن ناطق کیا گیا ہے۔اور خود ائمہ ÷ نے بھی قرآن کے حقیقی وارث کے طور پر اپنا تعارف کرایا ہے۔ایک صحابی امام جعفر صادق - کی خدمت میں عرض کرتا ہے: مولیٰ آپ کا علم کتنا ہے؟ امامؑ نے فرمایا جو کچھ زمینوں اور آسمانوں میں ہے، جو کچھ گزر چکا ہے اور جو کچھ آنے والا ہے، میں جعفر صادق ان سب کو جانتا ہوں، پھر خود امامؑ نے وضاحت کی کہ یہ تمام علوم قرآن میں ہیں۔

پس حضرت امیر المومنین علی - نے اس جملے میں جب یہ فرمایا کہ یہ قرآن ہمارے علوم کے بغیر بات نہیں کرتا تو پھر فرمایا "الا اخبر کم عنه " آؤ پس میں آپ کو بتاتا ہوں کہ قرآن کیا ہے؟ "ألا أنّ فیه علم ما یاتی " فرمایا جو کچھ تمہاری ضرورت ہے وہ قرآن میں موجود ہے اس میں گزشتہ کا علم ہے، آئندہ کا علم ہے تمہارے دردوں کی دوا ہے اور تمہارے امور کو تنظیم کرنے کا سامان ہے۔

انسانی زندگی میں قرآن کا کردار

حضرت علی - نے اپنے اس کلام میں انسان کی تمام مشکلات کا حل قرآن کو قرار دیا ہے، فرمایا اس میں

تمہارے دردوں کی دوا ہے، انفرادی اور اجتماعی ہر قسم کے درد کی دوا ہے، اور قرآن شفا بخش نسخہ ہے لہٰذا اس شفا بخش نسخے کو گہرائی سے سمجھنا چاہیے تا کہ انسان کی انفرادی واجتماعی مشکلات و دردوں کا علاج کیا جا سکے، اسی سے یہ مطلب بھی واضح ہو جاتا ہے کہ جب ان انفرادی واجتماعی مشکلات کا علاج قرآن سے ہی ممکن ہے تو ضروری ہے کہ پہلے ان مشکلات کو پہچانا جائے۔ کیونکہ جب تک بیماری کی درست تشخیص نہیں ہوگی، اس کا علاج ممکن نہیں ہے۔

حضرت نے اپنے ایک اور خطبے میں اسی مطلب کو یوں بیان فرمایا ہے:

دواء لیس بعدہ دُاءٌ

یعنی: ''قرآن ایک ایسا معالج ہے کہ جس کے علاج کے بعد کبھی بیماری نہیں آئے گی۔''

اور شاید یہی فرق ہے دنیا کے جسمانی معالج میں اور قرآن جیسے حقیقی معالج میں کہ دنیا کے معالج جب علاج کرتے ہیں تو کوئی بھی اس بات کی ضمانت نہیں دیتا کہ آئندہ یہ بیماری ختم ہو جائے گی یہ صرف قرآن کی خصوصیت وانفرادیت ہے کہ جس کے معالجے کے بعد آئندہ بیمار نہ ہونے کی ضمانت موجود ہے۔

قرآن میں تمام مشکلات کا حل ہے، مگر ضرورت اس بات کی ہے کہ اس پر ہمارا ایمان ویقین بھی ہونا چاہیے اور دل کی گہرائی سے ہمیں اس کا ادراک کرنے کی ضرورت ہے، آج اگر اتنا عظیم معالج ہونے کے باوجود امتِ مسلمہ مشکلات میں گھری ہوئی نظر آتی ہے تو اس کی بڑی وجہ قرآن سے دوری ہے۔ اور علامہ اقبال نے بھی شاید اسی درد کو بیان کیا ہے۔

گر تو می خواهی مسلماں زیستن نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن

یعنی اگر تو مسلمان بن کر زندگی گزارنے کا خواہشمند ہے
تو قرآن کے بغیر ایسی زندگی ممکن نہیں ہے

ایک عام فہم بات ہے کہ ڈاکٹر جب کسی مریض کو نسخہ لکھ دے، اگر مریض اس نسخے کو چومتا رہے، سینے سے لگاتا رہے تو کبھی بھی تندرست نہیں ہوگا اسے چاہیے تھا کہ میڈیکل سٹور سے دوا خریدتا پھر ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق استعمال کرتا تب اس کی مشکل حل ہوتی۔

قرآن بھی انسانوں کے انفرادی واجتماعی تمام دردوں کا معالج ہے۔ لہٰذا قرآن کا بھی صرف ظاہری احترام کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ روحِ قرآن اور قرآن کے حقیقی پیغام کو سمجھنا ضروری ہے۔ البتہ

اس نکتہ کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ جب ہم کہتے ہیں کہ قرآن میں تمام مسائل ومشکلات کا حل موجود ہے تو اس سے مراد قطعاً یہ نہیں ہے کہ قرآن مسائل حل کرنے کی کوئی کتاب ہے اور قرآن نے پہلے ایک ایک مسئلہ اور مشکل کو بیان کیا ہو اور پھر ترتیب سے اس کا حل بتایا ہو بلکہ قرآن نے کلی اصول بتائے ہیں کہ جن پر عمل کر کے تمام انسان دنیا وآخرت کی سعادت حاصل کر سکتے ہیں۔

آیت اللہ مصباح لکھتے ہیں: بعض کم علم، بے بصیرت لوگ امام علی - کے اس: ''جملے کہ قرآن میں تمام دردوں کی دوا ہے'' کی غلط تشریح کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان دردوں اور مشکلات سے مراد صرف انفرادی اور معنوی واخلاقی مشکلات ہیں۔(۷)

جب کہ یہ تشریح نادرست ہے بلکہ ان مشکلات سے انفرادی واجتماعی دونوں قسم کی مشکلات مراد ہیں اور اس پر حضرت علی - کا یہ کلام شاہد ہے۔آپ نے فرمایا

اذا التسبت علیکم الفتن کقطع اللیل المظلم فعلیکم باالقرآن(۸)

یعنی: ''جب آپ پر فتنے، تاریک رات کے ٹکڑوں کی طرح متشبہ ہو جائیں تو تم پر قرآن کی طرف رجوع کرنا لازم ہے۔''

پھر حضرت نے اپنے اسی خطبے میں فرمایا!''**ونظم مابینکم**''یعنی قرآن ایسی کتاب ہے جس میں تمہارے امور کو منظّم کرنے کا سامان موجود ہے۔یعنی؛ یہ کتاب تمہارے اجتماعی روابط وتعلقات کو معین کرتی ہے۔اس مطلب کی وضاحت سے قبل ایک مقدمے کا بیان کرنا ضروری ہے کہ کسی بھی سیاسی واجتماعی نظام کا سب سے بڑا مقصد اجتماعی نظم وامنیت کو قائم کرنا ہوتا ہے۔ ہر حکومت کی سب سے بڑی ذمہ داری یہی ہوتی ہے یا کم از کم دنیا میں حاکم ہر سیاسی نظام کا نعرہ یہی ہوتا ہے اور وہ نظام اپنے آپ کو اجتماعی نظم وامنیت کا سب سے بڑا پاسدار گردانتا ہے۔

لہٰذا قرآنی اور دینی ثقافت ایسے ہی سیاسی نظام کا تصور پیش کرتی ہے جو انسان اور کائنات کی تخلیق کا مقصد بتائے، دنیا وآخرت میں انسان کی سعادت کی ذمہ دار ہو۔ جو کچھ اسلام وقرآن کے پیش نظر ہے وہ انسان کی سعادت اور تکامل ہے،اس مختصر مقدمے کے بعد اب آتے ہیں حضرتؑ کے اس جملے کی طرف، حضرت کی یہ تعبیر معجزانہ ہے اور آپ نے اس میں اجتماعی نظم وامنیت میں قرآن کے کردار کو واضح فرمایا ہے۔ فرمایا''**ونظم ما بینکم** ''یعنی؛ اگر تم ایسا نظم چاہتے ہو جس کے نتیجے میں تمام انسان اپنے جائز حقوق کو حاصل

کرسکیں تو تمہیں چاہیے کہ تم اپنی زندگی کو قرآن کے بتائے ہوئے اصولوں پر قائم رکھو''ونظم ومابینکم'' میں ''بینکم'' سے پتا چلتا ہے کہ اس سے مراد اجتماعی نظم ہے نہ انفرادی نظم۔

حضرتؑ اسی خطبے میں فرماتے ہیں: قرآن ایک ایسا واعظ ہے جو اپنے پیروکاروں سے کبھی خیانت نہیں کرتا اور ایسا ہادی ہے جو کبھی گمراہ نہیں کرتا۔ اور ایسا خطیب ہے جو کبھی غلط بیانی سے کام نہیں لیتا اور جس نے بھی اس کتاب کی ہمنشینی اختیار کی اور اس عظیم کتاب میں غور وفکر وتدبر کیا تو اس کی ہدایت میں اضافہ ہوا اور اس کی گمراہی میں کمی آئی۔

قرآن کی پیروی اور انسانی ضرورتیں:

آپؑ نے فرمایا:

"وَ اعْلَمُوا أَنَّهُ لَيسَ عَلٰى اَحَدٍ بَعدَ الْقُرآنِ مِن فَاقَةٍ وَ لَا لِأَحَدٍ قَبلَ الْقُرآنِ مِن غِنًى فَاسْتَشفُوهُ مِن اَدْوَائِكُم وَ اسْتَعِينُوا بِهِ عَلٰى لَأوَائِكُم فَاِنَّ فِيهِ شِفَاءً مِن أَكْبَرِ الدَّاءِ وَ هُوَ الْكُفْرُ وَ النِّفَاقُ وَ الْغَيُّ وَ الضَّلَالُ." (۹)

یعنی: ''اور جان لو قرآن کے بعد کوئی بھوکا نہیں رہ سکتا اور نہ قرآن سے پہلے کوئی بے نیاز ہو سکتا ہے اپنی بیماریوں میں اس سے شفا حاصل کرو اور اپنی مصیبتوں میں اس سے مدد مانگو کہ اس میں بدترین بیماری کفر ونفاق اور گمراہی و بے راہ روی کا علاج بھی موجود ہے، اس کے ذریعے اللہ سے سوال کرو اور اس کی محبت کے وسیلے سے اس کی طرف رخ کرو۔ اور اس کے ذریعے مخلوقات سے نہ مانگو اور یاد رکھو وہ ایسا شفیع ہے جس کی شفاعت مقبول ہے اور ایسا بولنے والا جس کی باتیں مصدقہ ہے جس کے لیے قرآن روز قیامت شفاعت کرے گا اس کے حق میں شفاعت قبول ہے۔''

اس عظیم خطبے میں حضرت نے فرمایا کہ قرآن جس معاشرے پر حاکم ہو وہاں کوئی محتاج وضرورت مند باقی نہیں رہتا، کیونکہ قرآن موحدین کی زندگی کو منظم کرتا ہے اور خداوند متعال نے قرآن کے پیروکاروں کو دنیا میں عزت اور آخرت میں ان کی نجات کی ضمانت دی ہے، قرآن انسان کی انفرادی واجتماعی مادی ومعنوی تمام ضروریات کو پورا کرتا ہے۔

اور پھر حضرت نے فرمایا:

وَ لَا لِأَحَدٍ قَبلَ الْقُرآنِ مِن غِنًی

یعنی: ''قرآن کے بغیر کسی کی ضرورت پوری نہیں ہوسکتی اور قرآن کے بغیر کوئی بے نیاز نہیں ہوسکتا۔''

یعنی؛ قرآن کے بغیر انسانی اقدار اور عدل وانصاف کی بنیاد پر کبھی معاشرہ قائم نہیں ہوسکتا، پس تم اپنی مشکلات کا علاج قرآن سے طلب کرو اور سختیوں و مصیبتوں میں قرآن سے مدد مانگو۔ پھر حضرتؑ نے اپنے کلام میں سب سے بڑی بیماری کو بیان کیا کہ تمہاری انفرادی واجتماعی بیماریوں میں سے سب سے بڑی بیماری کفر و گمراہی اور نفاق ہے اور اس کا علاج قرآن میں موجود ہے۔ لہٰذا تم قرآن کی طرف رجوع کرو۔

حضرتؑ نے ایک اور خطبہ میں ارشاد فرمایا:

''ثُمَّ أنزَلَ عَلَیهِ الْکِتَابَ نُوراً لاتُطْفَأُ مَصَابِیْحُهَ وَ سِرَاجاً لایَخْبُو تَوَقُّدُهُ وَ بَحْراً لایُدْرَکُ قَعْرُهُ'' (۱۰)

یعنی: ''پھر خداوند متعال نے اپنے پیغمبرؐ پر قرآن کو ایک نور کی صورت میں نازل فرمایا کہ جس کی قندیلیں کبھی بجھ نہیں سکتیں، اور ایسے چراغ کے مانند کہ جس کی لو کبھی مدھم نہیں پڑسکتی اور ایسے سمندر کے مانند جس کی تھاہ مل نہیں سکتی۔''

حضرت نے اس خطبے میں قرآن کی توصیف کرتے ہوئے تین خوبصورت تشبیہات کو بیان فرمایا ہے، سب سے پہلے قرآن کو نور کہا ہے اور فرمایا ایسا نور ہے کہ جس کے چراغ کبھی نہیں بجھتے، نورِ قرآن دوسری تمام روشنیوں سے مختلف ہے معقول کو محسوس سے اگر تشبیہ دی جائے تو قرآن کے نور کو یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ قرآن بجلی کے اس عظیم منبع کی مانند ہے کہ جو تاریک راتوں میں تاروں کے ذریعے بڑے راستوں میں جس سے بڑے بڑے چراغ جلتے ہوں اور سڑک کے کنارے اور چوکوں پر سائن بورڈ لگے ہوں جو راستے کی راہنمائی کررہے ہوں اور خطرناک پہاڑی راستوں میں جہاں گرنے کے خطرات موجود ہوں وہاں یہ سائن بورڈ راہنمائی کریں تاکہ مسافر اپنی منزل تک پہنچ جائیں قرآن بھی دینی معاشرے میں یہی کردار ادا کرتا ہے اس فرق کے ساتھ کہ قرآن کے جلائے ہو یہ چراغ ہمیشہ روشن ہیں کبھی بجھے نہیں ہیں نیتجاً حق کا راستہ کبھی بھی تاریک نہیں ہوا بلکہ ہمیشہ روشن واضح ہے۔

اسی خطبہ میں آگے بڑھ کر حضرت علی -ارشاد فرماتے ہیں:

"نُوْراً لَیسَ مَعَهُ ظُلْمَةٌ" (۱۱)

یعنی: قرآن وہ نور ہے جس کے ہوتے ہوئے ظلمت وتاریکی کا امکان نہیں ہے۔

اس لئے کہ یہ آسمانی کتاب ایسے چراغ اور قندیلیں رکھتی ہے جو اس سے نور حاصل کرتی ہیں اور ہمیشہ ہدایت وسعادت کی راہوں کو روشن رکھتی ہیں۔

قرآن راہ نجات

انسان کی زندگی کا سب سے اہم مقصد وہدف اس کی اخروی اور ابدی زندگی کو سعادت مند بنانا اور کامیابی ہونا چاہیے کیونکہ دنیا کی اس زندگی عارضی اور آخرت کا مقدمہ ہے انسان کی مثال اس دنیا میں اس مسافر جیسی ہے کہ جو کسی اجنبی شہر میں روزی کمارہا ہے قناعت سے گزر بسر کر کے اپنی کمائی کو اپنے شہر بھیجتا ہے تا کہ اپنے لیے اچھا گھر بنائے تا کہ جب اپنے وطن کو واپس لوٹے تو خوشحال زندگی گزار سکے۔

حضرت علی - نے اسی مطلب کو خوبصورت تشبیہ دیتے ہوئے بیان فرمایا ہے اور لوگوں کو قرآن پر عمل کرنے اور اس کے بتائے ہوئے دستور زندگی کو اپنانے کی دعوت دی ہے۔

آپ نے فرمایا:

"فَاسْئَلُوا اللّٰهَ بِهِ وَ تَوَجَّهُوا اِلَیهِ بِحُبِّهِ وَ لاتَسْئَلُوْا بِهِ خَلْقَهُ اِنَّهُ مَا تَوَجَّهَ العِبَادُ اِلٰی اللّٰهِ بِمِثْلِهِ وَ اعْلَمُوْا اَنَّهُ شَافِعٌ وَ مُشَفَّعٌ وَ قَائِلٌ مُصَدِّقٌ وَ أَنَّهُ مَن شَفَعَ لَهُ الْقُرآنُ یومَ الْقِیَامَةِ شُفِّعَ فِیهِ وَ مَن مَّحَلَ بِهِ الْقُرآنُ یومَ الْقِیَامَةِ صُدِّقَ عَلَیهِ". (۱۲)

یعنی: "قرآن کے ذریعے سے اللہ سے مدد مانگو اور اسی کی دوستی کو لیے ہوئے اس کا رخ کرو اور اسے لوگوں سے مانگنے کا ذریعہ نہ بناؤ یقیناً بندوں کے لیے خدا کی طرف متوجہ ہونے کا اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں ہے تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن ایسا شفاعت کرنے والا ہے جس کی شفاعت مقبول اور ایسا کلام کرنے والا ہے جس کی ہر بات تصدیق شدہ قیامت کے دن جس کی یہ شفاعت کرے گا وہ اس کے حق میں مانی جائے گی، اور اس روز جس کے عیوب یہ بتائے گا تو اس کے قول کی تصدیق کی جائے گی۔"

حضرت نے اس خطبہ میں لوگوں کو قرآن کی پیروی کرنے کی دعوت دی ہے اور فرمایا ہے کہ قرآن کے دستور کی پیروی کر کے اپنے اجتماعی وانفرادی دردوں کا معالجہ کرو اور قرآن پر عمل کر کے خدا سے قربت حاصل کرو اور قرآن کو دوسرے لوگوں سے مدد لینے کا ذریعہ نہ بناؤ۔ قیامت کے دن ایک ندا دینے والا پکار کر کہے گا کہ دیکھو! قرآن کی کھیتی بونے والوں کے علاوہ ہر بونے والا اپنی کھیتی اور اپنے اعمال کے نتیجہ میں مبتلا ہے لہٰذا تم قرآن کی کھیتی بونے والے اور اس کے پیروکار رہو اور اپنے پروردگار تک پہنچے کے لیے اسے دلیل راہ بناؤ اور اپنے نفسوں کے لیے اس سے پند ونصیحت چاہو اور اس کے مقابلے میں اپنی خواہشوں کو غلط وفریب خوردہ سمجھو۔

حوالہ جات

(۱) المستدرک، حاکم نیشاپوری ج ۳، ص ۱۲۱
(۲) نہج البلاغہ، ادارہ نشر معارف اسلامی لاہور، مترجم مفتی جعفر حسین، خطبہ نمبر ۱۳۱
(۳) الحجر/۹
(۴) نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۴۵، مفتی جعفر حسین
(۵) قرآن در آئینہ نہج البلاغہ، ص ۱۵، آیت اللہ مصباح یزدی
(۶) نہج البلاغہ، خطبہ ۱۵۶، ص ۴۱۵، مفتی جعفر حسین
(۷) قرآن در آئینہ نہج البلاغہ، ص ۱۷
(۸) بحار الانوار، ج ۷۴، ص ۱۳۶، باب ۶
(۹) نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۷۴، ص ۴۶۰، مفتی جعفر حسین
(۱۰) نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۹۶، ص ۵۵۹، مفتی جعفر حسین
(۱۱) نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۹۶، ص ۵۶۰، مفتی جعفر حسین
(۱۲) نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۷۴، مفتی جعفر حسین

☆☆☆☆☆

قرآن کریم کے انسانوں سے خطابات

ڈاکٹر ساجد علی سبحانی ☆

خطاب یا نداء ایک ایسا اسلوب ہے جس سے مخاطب کو اپنی طرف متوجہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔ عربی زبان میں حروف نداء (Interjections) **یا ،أیا ،هیا ،أيْ** اور ہمزہ مفتوحہ ہیں۔ قرآن کریم میں نداء کے لیے ان حروف میں سے صرف ''یا'' استعمال ہوئی ہے۔ قرآن کریم کے بعض خطابات انفرادی ہیں جن میں خطاب اور مضمون دونوں انفرادی ہیں جیسے ''**یا آدم ،یا ابراهیم ،یا ایها المزمل** ''وغیرہ اور بعض خطابات اجتماعی ہیں، یہ دو طرح کے ہیں ایک وہ خطابات جن میں ایک خاص انسانی گروہ کو کسی وصف کے ساتھ خطاب کیا گیا ہے۔ جیسے ''**یا ایها الذین امنو ،یا ایهاالرسل ،یابنی اسرائیل اور یا اهل کتاب**'' دوسرے تمام بنی آدم کے لیے عمومی خطابات کے مضامین کی ضرورت واہمیت، مثال کے طور پر یا ''**یابنی آدم ،یا ایها الناس** ''وغیرہ۔ مقالہ ہذا میں ایسے خطابات ان عمومی مضامین میں سے جو اس مقالہ میں زیر بحث لائے گئے ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) خلقت میں برابری
(۲) عبادت پروردگار
(۳) پیغام تقویٰ
(۴) نبوت ورسالت پر ایمان
(۵) روز قیامت کی یاددہانی
(۶) رزق اور تمام نعمتیں عطیہ خداوندی
(۷) شیطان انسان کا کھلا دشمن
(۸) انسان کو صرف حلال وطیب کھانے کا حکم
(۹) زندگی حیات کا نکتہ اختتام رب کائنات
(۱۰) زندگی میں میانہ روی کی پابندی
(۱۱) قرآن کریم کا نزول پوری انسانیت کے لیے
(۱۲) خالق کی نگاہ میں انسان کے لیے لباس کا فلسفہ
(۱۳) انسان اپنے رب کی نسبت دھوکے میں نہ پڑے
(۱۴) اللہ تعالیٰ غنی (بے نیاز) علی الاطلاق اور انسان ہر مرحلہ میں اس کا محتاج

☆ رکن مجلس ادارت، نور معرفت، نور الہدیٰ ٹرسٹ، بارہ کہو، اسلام آباد

درج بالا قرآنی اصولوں کی انسانی معاشرے کے لیے اہمیت وافادیت ویسے تو ہر دور میں مسلم رہی ہے مگر آج انسانی معاشرہ جن مشکلات سے دُچار ہے اگر ان اصولوں کو اپنایا جائے تو اُن تمام مشکلات کا ازالہ ہو سکتا ہے۔عصر حاضر میں انسانی سوسائٹی جن مشکلات سے دُچار ہے ان میں سے اہم یہ ہیں:

(۱)انسان کی اپنے رب سے غفلت
(۲)طبقاتی تقسیم اور قومی ولسانی امتیازات
(۳)حقوق اللہ اور حقوق العباد سے غفلت
(۴)شیطان پرستی
(۵)وحی الٰہی کی پیروی نہ کرنا
(۶)عدل وانصاف پر مبنی اقتصادی نظام کا نہ ہونا
(۸)زندگی کے کاموں میں افراط وتفریط
(۹)مقصد تخلیق کے بارے انسان کی غلط فہمی
(۱۰)غلط نظریہ حیات اور روز قیامت سے غفلت
(۷)انسان کا اپنی اصلیت وحقیقت کی طرف متوجہ نہ ہونا

درج بالا قرآنی اصولوں کو دل و جان سے تسلیم کرنے اور معاشرے میں ان کو عملی کرنے سے مذکورہ مشکلات پر یقیناً قابو پایا جاسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں انسان کو مختلف اغراض واہداف کے تحت مختلف اسالیب کے ساتھ مخاطب قرار دیا ہے۔اس قسم کے خطابات بعض تو انفرادی ہیں،جن میں خطاب اور مضمون دونوں انفرادی ہیں۔جیسے'' **یا آدم ،یا نوح ،یا ابراھیم ،یا موسیٰ ،یا عیسی بن مریم ،یأیھاالنبیّ**'' یہ اسلوب قرآن کریم میں ۱۳ مرتبہ آیا ہے۔اسی طرح سے'' **یـا یھـأ الـرسـول**'' کا خطاب بھی انفرادی ہے جو کہ قرآن مجید میں ۲ مرتبہ آیا ہے،۔'' **یـأیّھـا الـمـزّمل ،یأیّھا المّدثر** '' کے خطابات بھی اسی قبیل سے ہیں،لیکن قرآن کے بعض خطابات اجتماعی ہیں،یہ خطابات دوطرح کے ہیں:

ا۔ایسے خطابات جن میں ایک خاص انسانی گروہ کو کسی وصف کے ساتھ مخاطب قرار دیا گیا ہے،جیسے '' **یـایّھأ الرسّل** '' کا خطاب جو کہ قرآن کریم میں ایک بار آیا ہے۔اسی طرح صاحبان ایمان کو'' **یـأیّھاالّذین آمنوا**'' کہہ کر خطاب کیا گیا ہے۔یہ اسلوب خطاب قرآن کریم میں ۸۹ مرتبہ آیا ہے۔اسی طرح کفار کو'' **یا یھا الـذیـن کـفـروا** '' کے خطاب سے پکارا گیا ہے۔یہ خطاب قرآن کریم میں ایک مرتبہ آیا ہے اور کفار کو قرآن کریم میں'' **یـا یھـا الـکـافرون** '' سے بھی خطاب کیا گیا ہے،یہ بھی ایک مرتبہ آیا ہے۔قرآن کریم میں بعض مقامات پر ایک امت کو بھی مخاطب قرار دیا گیا ہے جیسے'' **یـابـنـی اسرائیل** '' یہ اسلوب نداء قرآن مجید میں ۶ مرتبہ آیا ہے۔اس طرح اہل کتاب کو'' **یااھل الکتاب** '' سے خطاب کیا گیا ہے۔

۲۔بعض خطابات Public Addreses یعنی؛عمومی خطابات ہیں۔جن میں انسان کے کسی خاص فرد یا جماعت کو مدنظر نہیں رکھا گیا بلکہ انسان کو Collectivly پکارا گیا ہے۔اس اسلوب خطاب میں جو مضامین بیان کیے گئے ہیں، وہ عمومی ہیں۔ان کا تعلق کسی خاص فرد یا خاص قبیلہ یا خاص جماعت سے نہیں ہے بلکہ ان کی ضرورت اور اہمیت وافادیت تمام بنی آدم کے لیے ہے۔اس قسم کے خطابات میں ایک ''**یا بنی آدم**'' کا اسلوب ہے جو کہ ۵ مرتبہ آیا ہے دوسرا خطاب ''**یاایھا الانسان**'' کا خطاب ہے جو۲ مرتبہ آیا ہے، اور تیسرا خطاب ''**یاایھا الناس**'' کا ہے جو۲۱ مرتبہ آیا ہے۔پہلے ضروری ہے کہ ان تین کلمات کی لغوی وضاحت کی جائے یعنی: ''**بنی آدم**''؛''**الانسان**'' ''**ا لناس**''

ا۔بنی آدم

جہاں تک بنی آدم کے کلمہ کا تعلق ہے تو اس کے معنی ''آدم کی اولاد'' کے ہیں،''**بنی**'' کا لفظ''**ابن**'' کی جمع ہے یہ اصل میں ''**بنین**'' تھا،عربی گرائمر کے مطابق اضافت کی وجہ سے نون جمع کو گرا دیا گیا۔آدمؑ ''ابوالبشر'' کا اسم گرامی ہے۔تمام انسان حضرت آدمؑ کی اولاد ہیں،اسی لیے ہر انسان کو آدمی بھی کہا جاتا ہے اور اس لحاظ سے سب انسان برابر ہیں۔

لفظ آدم قرآن مجید میں۲۰ مرتبہ آیا ہے۔یہ اسم علم،اعجمی(none Arabic) ہے جیسے آذر، غیر منصرف ہے اور اسباب منع صرف میں سے علمیت اور عجمہ دو اسباب اس میں پائے جاتے ہیں،لیکن بعض ماہرین لسانیات نے اسے مشتق قرار دیا ہے پھر اس کے ''مشتق منہ'' میں انہوں نے اختلاف کیا ہے۔اس سلسلہ میں درج ذیل نظریات بیان کیے گئے ہیں۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ'' اُدیم الارض'' سے مشتق ہے جس کے معنی روئے زمین کی مٹی کے ہیں، حضرت آدمؑ کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ ان کے جسم کو بھی اُدیم الارض یعنی روئے زمین کی مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔بعض نے کہا ہے کہ یہ''**اُدمة**'' سے مشتق ہے جس کے معنی گندمی رنگ کے ہیں۔یہ نام آپ کو اس لیے دیا گیا ہے کہ آپ گندمی رنگ کے تھے۔بعض نے کہا ہے کہ آدم،''ادام'' سے مشتق ہے جس کے معنی ہر اس چیز کے ہیں جس سے طعام لذیذ اور خوشگوار ہو۔حضرت آدمؑ میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی روح پھونک دی اور پھر اسے شہوت اور غضب کے ساتھ عقل وفہم دے کر احسن تقویم میں پیدا کیا اور اس کے سر پر تاج کرامت رکھا۔ اب کائنات کی لذت اور خوش گواری وجود انسان کی برکت سے ہے۔

(الراغب الاصفہانی،معجم مفردات الفاظ القرآن،دارالفکر بیروت،لبنان)

ارشاد الٰہی ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلاً .(بنی اسرائیل/۷۰)

یعنی: ''(یہ تو ہماری عنایت ہے) کہ ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انہیں خشکی وتری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی۔''

لفظ آدم کے اشتقاق کے بارے میں ان تمام نظریات سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر لفظ آدم کو عربی کلمہ اور مشتق مانا جائے تو پھر علمیت کے علاوہ اسباب منع صرف میں سے وہ کونسا سبب ہے جس کی بنا پر یہ کلمہ غیر منصرف ہے۔

۲۔الانسان:

یہ لفظ ہر فردِ بشر پر بولا جاتا ہے۔اس کی جمع ''أناسی'' ہے۔بعض اوقات قرینہ کی وجہ سے یہ لفظ تمام افراد بشر پر بھی دلالت کرتا ہے۔لفظ انسان، مرد اور عورت دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے، عورت کو بھی انسان کہا جاتا ہے ''انسانة'' نہیں۔لفظ ''الانسان'' قرآن کریم میں ۵۶ مرتبہ آیا ہے اور انسان بغیر الف و لام کے ایک مرتبہ آیا ہے۔(ابن منظور لسان العرب، ج۱،ص۱۱۲۔۱۱۴، دار لسان العرب، بیروت، لبنان)

لفظ انسان کے اشتقاق اور معنی کے بارے میں مشہور لغوی ابن منظور نے دو نظریات ذکر کیے ہیں:

الف: انسان مادہ ''نسی'' (ن س ی) سے ہے۔یہ دراصل اِنْسِیَانَ، بروزن اِفْعِلان تھا۔چونکہ اس کی تصغیر میں عربوں نے اُنَیْسِیَان کہا ہے اور صرفی قواعد کی رو سے کسی کلمہ کی تصغیر عام طور سے اس کی اصلیت کو بتاتی ہے لہٰذا جب تصغیر میں یاء موجود ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے مادہ اصلیہ میں بھی 'یاء' موجود تھی، لیکن کثرت استعمال کی وجہ سے 'ی' گر گئی ہے۔

حِبْرُ الأمة صحابی رسولؐ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ انسان کو انسان اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ اپنے عہد کو بھول گیا تھا۔

ب: لفظ انسان مادہ انس (أ،ن،س) بروزن فِعلان ہے۔

انس مانوس ہونے کے معنی میں ہے، انسان کو انسان اس لیے کیا گیا ہے کہ اسے جس چیز سے محبت

ہوتی ہے اس سے مانوس ہو جاتا ہے۔

۳۔الناس:

قرآن کریم میں الناس کا لفظ بھی بہت کثرت سے آیا ہے۔جس کے معنی ThePeople اور The masses کے ہیں۔قرآن کریم کا اختتام بھی الناس پر ہوا ہے۔قرآن مجید میں اُن مضامین میں، لفظ الناس آیا ہے جن کا تعلق پوری انسانیت سے ہے۔مثال کے طور پر تمام آسمانی کتابیں بنی نوع انسان کی ہدایت وراہنمائی کے لیے نازل کی گئی ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَنْزَلَ التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ. مِنْ قَبْلُ هُدًى لِلنَّاسِ وَأَنْزَلَ الْفُرْقَانَ .(ال عمران/۳،۴)

یعنی:''اس نے تم پر یہ کتاب نازل کی جو حق لے کر آئی ہے اور ان کتابوں کی تصدیق کر رہی ہے جو پہلے سے آئی ہوئی تھیں اس سے پہلے وہ انسانوں کی ہدایت کے لیے تورات اور انجیل نازل کر چکا ہے نیز حق وباطل میں تمیز کرنے والی کتاب (قرآن مجید) کو نازل کیا۔''

اسی طرح نزول قرآن کا مقصد بیان کرنے کے لیے ارشاد الٰہی ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ. (البقرہ/۱۸۵)

یعنی:''رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہِ راست دکھانے والی اور حق وباطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔''

مذکورہ بالا آیت میں''الـنـاّس''کا لفظ''انسان''کے لفظ سے''اسم جمع''(collective non) ہے۔اس کا معنی''جـمـاعة الـنـاس''یعنی ایک انسانی گروہ ہے۔اس کی اصلیت کے بارے ابوالھثیم سے منقول ہے کہ یہ اُناس تھا،حرف تعریف (اَلْ) آنے کے بعد الأناس بنا۔کثرت استعمال کی وجہ سے ہمزہ کو گرا دیا گیا اور لام کو نون میں ادغام کیا گیا تو الناس بنایا اور''اَلْ''حروف تعریف ہیں اس لیے ان دونوں کے درمیان یا(أیّها،أیتها) کو فاصل قرار دیا جاتا ہے۔(لسان العرب،ج۱،ص۱۱۲)

عربی زبان میں حروف نداء(Interjections)یـا ،أیا ،ھیا، ای ،ہمزہ مفتوحہ ہیں۔قرآن مجید

میں نداء کے لیے ان حروف میں سے صرف ''یا'' استعمال ہوئی ہے۔ اگر منادی، الف لام کے ذریعے معرفہ ہو تو منادی مذکر سے پہلے (اَیُّھا) اور منادی مونث سے پہلے (ایتھا) لایا جاتا ہے اور اس قاعدے کے مطابق ''**یاایھا الناس**'' پڑھا جاتا ہے۔ جس کا ترجمہ ہے: اے لوگو، (**یاایھا الناس**) کی نحوی ترکیب اس طرح ہے کہ ''یا'' حرف ندا، (ای) منادی نکرہ (**مقصودہ مبنی علی الضم**) یہ محل نصب میں ہے۔ ''**الناس**'' ایّ کا بدل ہے ''ھا'' حرف تنبیہ زائد ہے، یہ لازم ہے اس سے جُدا نہیں ہوتی ہے۔

(محی الدین الدرویش، اعراب القرآن۔ ج، ا ص ۵۳، دار ابن کیثر، بیروت، لبنان)

ان الفاظ کی وضاحت کے بعد اب ہم ان آیات کا مطالعہ کرتے ہیں جو عمومی خطابات اور عمومی مضامین پر مشتمل ہیں:

خلقت میں برابری

قرآن مجید کے عمومی خطابات میں ایک مضمون یہ ہے کہ تمام انسان خلقت کے اعتبار سے برابر ہیں۔ سب حضرت آدمؑ کی اولاد ہیں۔ حضرت آدم کو اللہ تعالیٰ نے خلق کیا ہے لہٰذا تمام بنی نوع انسان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

یاأَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّکُمُ الَّذِی خَلَقَکُمْ مِّنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ...

یعنی: ''لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا'' (النساء/۱)

اسی طرح ارشاد الٰہی ہے:

یَـاأَیُّھَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّأُنثَی وَجَعَلْنَاکُمْ شُعُوبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاکُمْ إِنَّ اللهَ عَلِیمٌ خَبِیرٌ.

یعنی: ''ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔'' (الحجرت/۱۳)

خلقت میں برابری کا قرآنی نظریہ طبقاتی تقسیم اور نسلی ولسانی امتیازات کی نفی کرتا ہے اور تمام انسانوں کے لیے برابر حقوق ثابت کرتا ہے۔

عبادت پروردگار

خلقت انسان کا مقصد اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی عبادت و بندگی ہے۔ارشاد الٰہی ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ .

یعنی:''میں نے جن اور انس کو اس کے سوا کسی کام کے لیے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔''(الذاریات/۵۶)

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر انسان کو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا حکم آیا ہے،اس اہم نکتہ کی طرف متوجہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو مخاطب قرار دے کر ارشاد فرمایا ہے:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمْ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ

یعنی:''لوگو! بندگی اختیار کرو اپنے اس رب کی جو تمہارا اور تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں اُن سب کا خالق ہے۔''(البقرہ/۲۱)

پیغامِ تقویٰ

تقویٰ، یعنی: اللہ تعالیٰ کے غیظ وغضب سے ڈرنا بھی ایک عظیم صفت ہے۔قرآن مجید میں مختلف اسالیب کے ساتھ انسان کو تقویٰ کی اہمیت وضرورت اور اس کے ثمرات کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔آج اگر انسانی معاشرے میں لوگوں کے دلوں میں خوف خدا کا جذبہ پیدا ہو جائے تو معاشرہ کو درپیش تمام مشکلات کا ازالہ ہو جائے۔یہی وجہ ہے کہ انسانوں کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے تا کہ صالح انسانی معاشرہ تشکیل پائے۔ارشاد ربانی ہے:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ ...

یعنی:''لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا''(النساء/۱)

قرآنی نکتہ نظر سے تقویٰ کی اس قدر اہمیت ہے کہ ارکانِ اسلام کا فلسفہ تشریع تقویٰ کو کہا گیا ہے۔

نبوت ورسالت پر ایمان

اللہ تعالیٰ نے انسان کو خلق کرنے کے ساتھ اس کی ہدایت وراہنمائی کا انتظام بھی کیا ہے۔اس مقصد کے لیے ایک تو اسے قوت عقل سے نوازا، جس سے وہ خوب وبد کی تشخیص کر سکتا ہے، دوسرا یہ کہ ایک لاکھ چوبیس

ہزار انبیاء پر مشتمل نبوت کا ایک سلسلہ قائم کیا۔ اگر عقل حجت باطنی ہے تو رسول حجت ظاہری ہے اس ضمن میں ارشاد قدوسی ہے:

رُسُلاً مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ.

یعنی: ''یہ سارے رسول خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے ہیں تا کہ ان کو مبعوث کر دینے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلہ میں کوئی حجت نہ رہے۔'' (النساء/۱۶۵)

اللہ تعالیٰ کی جانب سے نبوت عامہ (بعثت انبیاء ÷) اور نبوت خاصہ (بعثت خاتم الانبیا ﷺ) انسان پر ایک عظیم امتنان و احسان ہے۔ اس ضمن میں درج ذیل آیات کریمہ کو ملاحظہ کریں۔

۱۔ يَاأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَائَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا

یعنی: ''لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس روشن دلیل آ گئی اور ہم نے تمہاری طرف ایسی روشنی بھیج دی جو تمہیں صاف صاف راستہ دکھانے والی ہے۔'' (النساء/۱۷۴)

۲۔ يَاأَيُّهَاالنَّاسُ قَدْ جَائَكُمْ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِنْ رَبِّكُمْ فَآمِنُوا خَيْرًا لَكُمْ.

یعنی: ''لوگو! تمہارے پاس پروردگار کی طرف سے حق لے کر رسول آ گیا ہے لہٰذا اس پر ایمان لے آؤ جس میں تمہارا فائدہ ہے۔'' (النسآء/۱۷۰)

۳۔ قُلْ يَاأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَائَكُمْ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُم ..(یونس/۱۰۸)

یعنی: ''لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آ چکا ہے''

۴۔ يَابَنِي آدَمَ إِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي فَمَنْ اتَّقَى وَأَصْلَحَ فَلاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاهُمْ يَحْزَنُونَ . وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا أُوْلَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (الاعراف/ ۳۵، ۳۶)

یعنی: ''اے بنی آدم! یاد رکھو اگر تمہارے پاس خود تم ہی میں سے ایسے رسول آئیں جو تمہیں میری آیات سنا رہے ہوں تو جو کوئی نافرمانی سے بچے گا اور اپنے رویہ کی اصلاح کرے گا اس کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے اور جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلائیں گے اور ان کے مقابلہ میں سرکشی برتیں گے، وہی اہل دوزخ ہوں گے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔''

۵۔ قُلْ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ

وَالْاَرْض. (الاعراف/۱۵۸)

یعنی: ''اے محمد کہو کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف اس خدا کا پیغمبر ہوں جو زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے۔''

۶۔قُلْ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ نَذِيرٌ مُبِين. (الحج/۴۹)

یعنی: ''اے محمد کہہ دو! کہ لوگو میں تمہارے لیے صرف وہ شخص ہوں جو (برا وقت آنے سے پہلے) صاف صاف خبر کر دینے والا ہو۔''

نزول قرآن پوری انسانیت کے لیے

قرآن کریم کے نزول کا تعلق بنی نوع انسان سے ہے۔کسی خاص فرد یا خاص امت سے نہیں۔البتہ ہر فرد اور ہر امت اپنی استعداد وصلاحیت کے مطابق اس سرچشمۂ ہدایت سے فیض یاب ہوتی ہے۔لہٰذا جہاں ایک طرف ارشاد فرمایا کہ

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِی أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ. (البقرہ/۱۸۵)

وہاں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ

ذَلِكَ الْكِتَابُ لاَرَيْبَ فِيهِ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ . (البقرہ/۲)

یعنی: ''یہ (اللہ) کی کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں ہدایت ہے پرہیزگار لوگوں کے لیے۔''

نزول قرآن پوری انسانیت کے لیے موعظہ اور نسخہ کیمیا ہے۔ارشاد قدوسی ہے:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَائَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ .

یعنی: ''لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی ہے یہ وہ چیز ہے جو دلوں کے امراض کی شفا ہے۔'' (یونس/۵۷)

روز قیامت کی یاد دہانی

ہر صاحب فکر انسان کے ذہن میں ایک بنیادی سوال یہ اُبھرتا ہے کہ اس کی زندگی کا انجام کیا ہوگا مرنے کے بعد کیا پیش آئے گا، اس بھری ہوئی کائنات کا انجام کیا ہوگا۔قرآن مجید نے اس سوال کا بہت واضح جواب کئی مقامات پر دیا ہے کہ انسان مرنے کے بعد فنا نہیں ہوتا، بلکہ اسے ایک دوسری زندگی عطا کی جاتی ہے

جو حیات اخروی کہلاتی ہے۔ یہ زندگی قبر و برزخ سے شروع ہو کر روز قیامت سے متصل ہوگی۔ قیامت کے دن اعمال کا حساب و کتاب ہوگا اور انسان اپنے ہر عمل کی جزا یا سزا پائے گا۔ قرآن مجید نے معاد کی کچھ تفصیلات بھی بیان کی ہیں۔ تعلیمات قرآن کے مطابق ہر انسان کو کبھی اس دن سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔ اسے ہر لحظہ موت اور آخرت کی طرف متوجہ رہنا چاہیے۔ ارشاد الٰہی ہے:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ تُرَابٍ. (الحج/۵)

یعنی: ''لوگو! اگر تمہیں موت کے بعد کی زندگی کے بارے میں کچھ شک ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔''

يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ. (الحج/۱)

یعنی: ''لوگو! اپنے رب کے غضب سے بچو یہ حقیقت ہے کہ قیامت کا زلزلہ بڑی (ہولناک) چیز ہے۔''

روز قیامت سوائے اپنے عمل کے انسان کو دنیا کی کوئی چیز یہاں تک کہ اولاد بھی کام نہیں آئے گی، اس بارے میں ارشاد فرمایا:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَايَجْزِي وَالِدٌ عَنْ وَلَدِهِ وَلَامَوْلُودٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَالِدِهِ شَيْئًا إِنَّ وَعْدَ اللهِ حَقٌّ فَلَاتَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَايَغُرَّنَّكُمْ بِاللهِ الْغَرُورُ. (لقمان/۳۳)

یعنی: ''لوگو! بچو اپنے رب کے غضب سے اور ڈرو اس دن سے جب کہ کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے بدلہ نہ دے گا اور نہ کوئی بیٹا اپنے باپ کی طرف سے کچھ بدلہ دینے والا ہوگا، فی الواقع اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ پس یہ دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ دھوکہ باز تم کو اللہ کے معاملے میں دھوکہ دینے پائے۔''

روز قیامت انسان کو اس کے ہر عمل سے آگاہ کیا جائے گا ارشاد الٰہی ہے۔

يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلَى أَنْفُسِكُمْ مَتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ. (یونس/۲۳)

یعنی: ''لوگو! تمہاری یہ بغاوت اُلٹی تمہارے ہی خلاف پڑ رہی ہے، پھر ہماری طرف تمہیں پلٹ کر آنا ہے اس وقت ہم تمہیں بتا دیں گے کہ تم کیا کچھ کرتے رہے ہو۔''

رزق اور تمام نعمتیں عطیہ خداوندی

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے شمار مادی اور معنوی نعمتوں سے نوازا ہے، ارشاد قدوسی ہے:

وَإِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللهِ لاتُحْصُوهَاْ. (النحل/ ۱۸)

یعنی: ''اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو گن نہیں سکتے۔''

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مختلف مواقع پر انسان، افراد اور اُمتوں پر اپنی نعمتوں کا ذکر کیا ہے اور اس بات کی یاد دہانی کرائی ہے کہ انسان کو ان نعمات خداوندی کی قدر کرنی چاہیے، کفران نعمت نہیں کرنا چاہیے۔ ہر نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور ہر نعمت سے اس کی رضا ومنشاء کے مطابق فائدہ اٹھانا چاہیے۔ نعمات خداوندی کے حوالے سے یہ پیغام بھی پوری انسانیت کو دیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

يَـاأَيُّهَـا النَّـاسُ اذْكُـرُوا نِـعْمَةَ اللهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللهِ يَرْزُقُكُمْ مِنْ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لاإِلَهَ إِلَّا هُوَ فَأَنَّى تُؤْفَكُونَ .

یعنی: ''لوگو! تم پر اللہ کے جو احسانات ہیں انہیں یاد رکھو کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق بھی ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے۔ کوئی معبود اس کے سوا نہیں۔ آخر تم کہاں سے دھوکہ کھا رہے ہو۔'' (الفاطر/۳)

اللہ تعالیٰ غنّی اور انسان اس کا محتاج

اللہ تعالیٰ واجب الوجود اور انسان ممکن الوجود ہے۔ ممکن کی ماہیت میں واجب الوجود کی طرف فقر واحتیاج ہے، بلکہ ممکن عین فقر ہے۔ وجود اور لوازم وجود تمام میں وہ اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے، ایک لمحہ کے لیے بھی وہ زندہ نہیں رہ سکتا اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت نہ ہو، اللہ تعالیٰ کی ذات واجب الوجود ہے، اس کی ہستی کسی کی عطا کردہ نہیں ہے، وہ انسان بلکہ پوری کائنات سے بے نیاز ہے، غنّی مطلق کا مصداق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ تعلیمات قرآن کے مطابق ہر انسان کو اپنی اصلیت وحقیقت کی طرف متوجہ رہنا چاہیے تاکہ وہ غلط فہمی میں نہ رہے اور یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ خدا کی خدائی اس کی وجہ سے چل رہی ہے یا اس کی عبادت اللہ تعالیٰ کو فائدہ پہنچاتی

ہے۔نہیں ہرگز ایسانہیں اس کی خدائی اس وقت بھی قائم تھی جب انسان کا نام ونشان نہ تھااور اگر انسان عبادت پروردگار بجالاتا ہے تو اس کا فائدہ خود انسان کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے نہیں، اس ضمن میں ارشادقدوسی ہے:

يَـاأَيُّهَـا الـنَّاسُ أَنْتُمْ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللهِ وَاللهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ . إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ . (الفاطر۱۶/۱۵)

یعنی: ''لوگو! تم ہی اللہ کے محتاج ہو اور اللہ تو غنی وحمید ہے وہ چاہے تو تمہیں ہٹا کر کوئی نئی خلقت تمہاری جگہ لے آئے۔''

اسی طرح ارشاد الٰہی ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ . (الاخلاص ۱،۲)

یعنی: ''کہو وہ اللہ ہے یکتا، اللہ سب سے بے نیاز ہے۔''

شیطان، انسان کا کھلا دشمن

جب ابلیس نے تکبر کے نتیجہ میں حکم الٰہی کی مخالفت کی اور حضرت آدمؑ کو سجدہ نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے فرشتوں کی صف سے نکل جانے کا حکم دیا اور اُسے رجیم (پھینکا ہوا، ذلیل وخوار) قرار دیا۔اس نے اللہ تعالیٰ سے قیامت تک کے لیے مہلت مانگی کہ اسے انسانوں کو گمراہ کرنے کا موقع مل جائے۔اللہ تعالیٰ نے اس کی درخواست قبول کر لی اور مہلت دے دی۔ ابلیس نے عزت پروردگار کی قسم کھا کر سوائے اس کے مخلص بندوں کے تمام انسانوں کو گمراہ کرنے کی خبر دی، جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنا اٹل فیصلہ سنا کر فرمایا کہ میں جہنم کو تجھ سے اور تیرے تمام پیروکاروں سے بھر دوں گا (سورہ ص ۸۲)

اس پورے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ شیطان روز اول سے انسان کا کھلا دشمن ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس کی تصریح بھی فرمائی ہے کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ارشادقدوسی ہے:

أَلَـمْ أَعْهَـدْ إِلَيْـكُـمْ يٰبَنِيْ اٰدَمَ أَنْ لَّاتَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ إِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ وَّأَنِ اعْبُدُوْنِي هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ . (سورہ یٰسٓ ۶۰،۶۱)

یعنی: ''اے اولاد آدم! کیا میں نے تم کو ہدایت نہ کی کہ شیطان کی بندگی نہ کرو، وہ تمہارا کھلا

دشمن ہے اور میری ہی بندگی کرو، یہ سیدھا راستہ ہے۔''

یہ تو انسان پر اللہ کا کرم ہے کہ اس نے انسان کو اس کے دشمن کی پہچان کرائی ورنہ اسے کیونکر معلوم ہوتا کہ شیطان اس کا دشمن ہے اور سمجھ دار انسان کبھی دشمن کے فریب میں نہیں آتا، بلکہ وہ ہمیشہ اس کے مکر وفریب سے محفوظ رہنے کی کوشش کرتا ہے، سمجھ دار انسان کبھی دشمن کو اپنے گھر نہیں بلاتا اور نہ ہی وہ دشمن کو اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ وہ اسے یا اس کی اولاد کو نقصان پہنچائے۔

یہ سب کچھ اس وقت ممکن ہے جب انسان اپنے خالق کے فرمان پر یقین کر لے کہ شیطان اس کا یقیناً دشمن اور کھلا دشمن ہے، اس حقیقت کی طرف قرآن مجید میں انسان کو متعدد آیات کریمہ میں متوجہ کیا گیا ہے اور یہ واضح ہے کہ قرآن مجید میں ایک مضمون کا تکرار سے آنا اس کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔ خالق کائنات کا یہ پیغام بھی بلاتفریق مذہب ودین تمام بنی نوع انسان کے لیے ہے۔ اس لیے یہاں بھی عمومی خطاب کا اسلوب اختیار کیا گیا۔ ارشاد ربانی ہے:

يَـاأَيُّهَـا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلاَلًا طَيِّبًا وَلاَتَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّـهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ . إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللهِ مَا لاَتَعْلَمُون. (البقرہ/ ۱۶۸، ۱۶۹)

یعنی: ''لوگو! زمین میں جو حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں انہیں کھاؤ اور شیطان کے بتائے ہوئے راستوں پر نہ چلو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے، تمہیں بدی اور فحش کاموں کا حکم دیتا ہے اور یہ سکھاتا ہے کہ تم اللہ کے نام پر وہ باتیں کہو جن کے متعلق تمہیں علم نہیں کہ وہ اللہ نے فرمائی ہیں۔''

انسان کو صرف حلال طیّب کھانے کا حکم

اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ جو کہ انسان اور کائنات کی تمام اشیا کا خالق ہے وہی بہتر جانتا ہے کہ انسان کے لیے کیا مفید ہے اور کیا مضر۔ اسی بنیاد پر اس نے بعض چیزوں کو انسان کے لیے حرام اور بعض کو حلال قرار دیا ہے، اعیان خارجیہ (External Substances) کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے انسانی سوسائٹی کے لئے سودی نظام معیشت کو بھی حرام اور نقصان دہ قرار دیا ہے۔ اس وقت امریکہ اور مغربی ممالک میں اٹھنے والی وال اسٹریٹ کی تحریک اس قانون الٰہی کی سچائی کی واضح دلیل ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں انسان کو حلال اور پاکیزہ اشیاء کھانے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا. (البقرہ/ ۱۶۸)

یعنی: ''لوگو! زمین میں جو چیزیں حلال اور پاکیزہ ہیں انہیں کھاؤ''

علامہ طباطبائیؒ اس یت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ آیت میں اُکل صرف کھانے پینے تک محدود نہیں ہے بلکہ اس میں ہر قسم کا تصرف (disposal) شامل ہے لہٰذا اُکل کے معنی میں وسعت ہے کہ ہر وہ تصرف جس کا اللہ تعالیٰ نے اذن نہیں دیا ہے وہ حرام ہے، اس سے اجتناب لازم ہے صرف وہی تصرف حلال ہے جس کی قانون الٰہی نے اجازت دی ہے۔

(علامۃ طباطبائیؒ؛ تفسیر المیزان ج ۱، ص ۴۲۵ دار الکتب الاسلامیہ، تہران، ایران)

خالق کی نگاہ میں انسان کے لیے لباس کا فلسفہ

لباس کے معاملہ میں انسان شروع سے غلط فہمی میں رہا ہے اور یہ آج بھی برقرار ہے، لباس کے دراصل تین مقاصد ہیں۔ ایک زینت دوسرا جسم کو سردی گرمی کے اثرات سے محفوظ رکھنا تیسرا جسم کے قابلِ شرم حصوں کی پردہ پوشی۔ (ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، ج ۲، ص ۱۹، ناشر: ترجمان القرآن لاہور)

نزول قرآن سے پہلے زمانہ جاہلیت کے لوگ لباس کو صرف پہلے دو مقاصد کے لیے استعمال کرتے تھے، تیسرے مقصد یعنی؛ پردہ پوشی کو وہ کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے یہاں تک کہ وہ خانہ کعبہ کا برہنہ طواف بھی عبادت سمجھتے تھے۔ قرآن مجید نے ان کے نظریہ لباس کو یکسر بدل دیا، تعلیمات الٰھیہ کے مطابق انسان کے لیے لباس کا فلسفہ صرف زینت اور حفاظت جسم نہیں ہے، بلکہ اس کے ساتھ حصول تقویٰ بھی ہے۔

ارشاد الٰہی ہے:

يَابَنِي آدَمَ قَدْ أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا وَلِبَاسُ التَّقْوَى ذَلِكَ خَيْرٌ ذَلِكَ مِنْ آيَاتِ اللهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ. (الاعراف/ ۲۶)

یعنی: ''اے اولاد آدم ہم نے تم پر لباس نازل کیا ہے کہ تمہارے جسم کے قابل شرم حصوں کو ڈھانکے اور تمہارے لیے جسم کی حفاظت اور زینت کا ذریعہ بھی ہو اور بہترین لباس تقویٰ کا لباس ہے، یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ شاید کہ لوگ اس سے سبق لیں۔''

زندگی میں میانہ روی کی پابندی

قانون الٰہی انسان کو دنیوی چیزوں سے فائدہ اٹھانے سے منع نہیں کرتا بلکہ وہ جس قدر چاہے کھائے پیئے۔ ہاں! حکم الٰہی یہ ضرور ہے کہ انسان کھانے پینے بلکہ ہر کام میں میانہ روی کی پابندی کرے، مقررہ حدود سے تجاوز نہ کرے۔ تعلیمات اسلام میں اعتدال اور میانہ روی کی بہت تاکید کی گئی ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

يَابَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلاتُسْرِفُوا إِنَّهُ لايُحِبُّ الْمُسْرِفِين . (الاعراف/۳۱)

یعنی: ''اے بنی آدم ہر عبادت کے موقع پر اپنی زینت سے آراستہ رہو اور کھاؤ پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

انسان دھوکے میں نہ پڑے

ہر انسان کوشش کرتا ہے کہ وہ کسی کے دھوکے میں نہ آئے تاکہ کہیں ناقابل تلافی نقصان سے دوچار نہ ہو جائے۔ رب کائنات بڑا کریم ہے اس کے کرم کا کوئی اندازہ نہیں۔ لہٰذا انسان اس دھوکے میں نہ رہے کہ اس کا رب کریم ہے وہ جو چاہے کر گزرے کچھ نہیں ہوگا۔ ہرگز نہیں انسان غلط فہمی میں ہے اس کا رب اگر کریم و رحیم ہے تو قہار و جبار بھی ہے۔ دراصل انسان جب روز قیامت کو جھٹلاتا ہے اور اس پر ایمان نہیں لاتا تو اس کا رویہ یوں ہوتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

يَاأَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ . الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ. فِي أَيِّ صُورَةٍ مَا شَاءَ رَكَّبَكَ . كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُونَ بِالدِّينِ .

یعنی: ''اے انسان کس چیز نے تجھے اپنے اس رب کریم کی طرف سے دھوکے میں ڈال دیا۔ جس نے تجھے پیدا کیا تجھے نِک سُک سے درست کیا تجھے متناسب بنایا اور جس صورت میں چاہا تجھ کو جوڑ کر تیار کیا۔ ہرگز نہیں بلکہ تم لوگ جزا و سزا کو جھٹلاتے ہو۔'' (الانفطار/۶، ۹)

انسان اپنے رب کی طرف

ایک غلط فہمی انسان کو یہ ہو سکتی ہے کہ وہ جتنی توانائی خرچ کر رہا ہے وہ اسی دنیا تک محدود ہے اس کے

سوا کچھ نہیں، اللہ نے قرآن مجید میں انسان کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کیا ہے کہ انسان اپنے نامہ اعمال کے ہمراہ اپنے رب کے حضور ضرور حاضر ہوگا اور دنیا میں جو سخت کوشش کے ساتھ زندگی گزار رہا ہے یہ دراصل سفر کرتا ہوا ایک راستہ طے کر رہا ہے اور اس سفر کا رخ رب کی طرف ہے اور اُسے وہیں پہنچنا ہے۔ لہٰذا سوچ سمجھ کر زندگی گزارے اس سلسلہ میں ارشاد ربانی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ.فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ.فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا.وَّيَنْقَلِبُ اِلٰٓى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا.وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ.فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا.وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا .

یعنی: ''اے انسان تو کشاں کشاں اپنے رب کی طرف چلا جارہا ہے اور اُس سے ملنے والا ہے۔ پھر جس کا نامہ اعمال اس کے سیدھے ہاتھ میں دیا گیا اُس سے ہلکا حساب لیا جائے گا اور وہ اپنے لوگوں کی طرف خوش خوش پلٹے گا۔ رہا وہ شخص جس کا نامہ اعمال اس کے پیٹھ کے پیچھے دیا جائے گا تو وہ موت کو پکارے گا اور بھڑکتی ہوئی آگ میں جا پڑے گا۔'' (الانشقاق/۶،۱۲)

منابع

(۱) آیات کے اعداد وارقام: '' **المعجم المفهرس لالفاظ القرآن الكريم محمد فواد عبد الباقى** ''

(۲) آیات کا ترجمہ جناب مودودی کی تفسیر تفہیم القرآن سے لیا گیا ہے۔

(۳) **ابن منظور لسان العرب ،ج ۱ ،ص ۱۱۲ . ۱۱۴ ،دارلسان العرب ،بيروت ،لبنان**

(۴) **الراغب الا صفهانى ،معجم مفردات الفاظ القرآن، دارالفكر بيروت ،لبنان**

(۵) سوفٹ ویر، جامع نورتفاسیر الشیعہ ،نورالانوار۳، مرکز تحقیقات کامپیوتری علوم اسلامی، قم، ایران

(۶) علامہ طباطبائیؒ، تفسیر المیزان ج۱، ص۴۲۵ دارالکتب الاسلامیہ، تہران، ایران

☆☆☆☆☆

حفاظت قرآن

حجۃ الاسلام آفتاب حسین جوادی☆

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا ازلی وابدی پیغام اور اسلام کا اساسی منشور ہے جو ہر قسم کی تحریف وتغیر سے محفوظ ہے۔ چونکہ قرآن کریم کی جمع وتدوین کا فریضہ خود پیغمبر اسلام ﷺ نے ادا کر دیا تھا۔ آپ کے حکم کے مطابق سب سے پہلے جامع اور مدون حضرت علی علیہ السلام تھے۔ جیسا کہ علامہ سیوطی نے لکھا ہے۔

" واحد من جمع القرآن وعرضه علیٰ رسول الله ﷺ

یعنی: ''حضرت علیؑ ان افراد میں سے ایک ہیں جنہوں نے قرآن جمع کیا اور اسے رسول اللہؐ کے سامنے پیش کیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۷ طبع کانپور)

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس آئین اور منشور کی جمع اور محفوظ کرنے کی خود ذمہ داری لی ہے۔

چنانچہ ارشاد فرمایا:

"لاتُحَرِّکْ بِهِ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِهِ . إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ"

یعنی: ''(اے رسول) آپ وحی کو جلدی (حفظ) کرنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں اس کا جمع کرنا اور پڑھوانا یقیناً ہمارے ذمے ہے''۔ (قیامت/۱۶، ۱۷)

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

"سَنُقْرِئُکَ فَلَاتَنسَی"

یعنی: ''ہم عنقریب تیرے سامنے (قرآن کو) پڑھیں گے اور تو اس کو کبھی فراموش نہیں کرے گا۔'' (الاعلیٰ:۶)

نبی مکرم ﷺ نے اپنی وفات کے قریب حضرت علی بن ابی طالبؑ کو وصیت فرمائی:

☆محقق، مولف، اُستاذ جامعۃ الکوثر، اسلام آباد

"یا علی القرآن خلف فراشی فی الصحف والحریر والقراطیس فخذوہ واجمعوہ ولا تضیعوہ".(بحارالانوار/کتاب القرآن/ جلد ۸۹ص ۴۸)

یعنی:''اے علیؑ قرآن مجید میرے بستر کے عقب میں مختلف صحیفوں پر ابریشم اور کاغذوں کی صورت میں موجود ہے پس اسے لے لو اور جمع کر لو اور ضائع نہ ہونے دو۔''

قرآن وحدیث سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ آغاز وحی کے ساتھ ہی مکہ مکرمہ میں قرآن مجید کی کتابت وتدوین شروع ہو چکی تھی۔علاوہ بریں حدیث ثقلین جو شیعہ وسنی دونوں کے نزدیک متواتر ہے،اس پر شاہد ہے کہ قرآن مجید آنحضرتؐ کے عہد مبارک میں جمع ہو چکا تھا اور خود قرآن میں بھی "الکتاب" کہا گیا ہے۔یہ قرآن کریم تواتر ہم سے تک پہنچا ہے، نیز نبی مکرمؐ کے حکم سے ہی ترتیب دیا گیا اور اسی ترتیب سے آیات کو مرتب کیا گیا۔چونکہ ان آیات کی ترتیب توقیفی ہے۔اسی کا نام جمع قرآن ہے۔

حفاظت قرآن پر خود قرآن کی گواہی:

قرآن کریم ہر طرح کی تحریف سے محفوظ ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

" إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ "(الحجر، ۹)

یعنی:''ہم ہی نے اس قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

اس آیت مبارکہ میں خود اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن) کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے اس آیت مبارکہ میں متکلم کی ضمیر''نا'' کا اضافہ تاکید کے لیے کیا گیا ہے۔پھر ذیل کا جملہ اور پہلا جملہ اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ یہ کتاب صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ایک''اِنَّ''اور تین مرتبہ ضمیر متکلم کا استعمال کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اسی متکلم کا ہی کلام ہے۔اتنی زیادہ تاکیدات کا آنا،اس حفاظت کی شدت وقوت کو بیان کر رہا ہے کہ یہ کلام انسانوں کی طرف سے ہر قسم کے تغیر وتبدل سے محفوظ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پہ فرمایا:

" وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ . لايَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلامِنْ خَلْفِهِ تَنزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ".(فصلت: ۴۱. ۴۲)

یعنی:''اور یہ ایک ایسی کتاب ہے جو قطعاً ناقابل شکست ہے۔کوئی باطل نہ تو اس کے سامنے سے آسکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے کیونکہ یہ صاحب حکمت اور قابل تعریف اللہ

کی طرف سے نازل کی گئی ہے''۔

یہاں دو باتیں قابل غور ہیں:

الف) اس کتاب کو ''عزیز'' کے وصف سے موصوف کیا۔

ب) کسی بھی طرف سے باطل کا اس تک نہ پہنچنا۔

اس سے ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس عظیم کتاب کو ہر قسم کی تحریف سے پاک قرار دیتے ہوئے اس کے محفوظ ہونے کی گواہی دی ہے۔لفظ ''عزیز'' ایسی حالت میں کہا جاتا ہے جہاں کوئی چیز اس پر غلبہ حاصل نہ کر سکے۔اسی بنا پر اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ''عـــزیـــز'' بھی ہے، جس کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کی ذات ہمیشہ غالب رہنے والی ہے، کبھی مغلوب نہیں ہوگی۔اب قرآن کریم کو ''عـزیز'' سے تعبیر کرنے کی وجہ بھی درحقیقت یہی ہے کہ وہ کبھی مغلوب نہیں ہوسکتا۔اس کے علاوہ دیگر بہت سی ایسی آیات مبارکہ موجود ہیں کہ جنہیں عدم تحریف قرآن کے مقام میں بطور مؤید لایا جاسکتا ہے، مثلاً:

'' وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ'' (**الحاقه**/ ۴۴، ۴۵)

یعنی: ''اگر وہ ہم پر جھوٹ باندھتا تو ہم اسے پوری قوت کے ساتھ پکڑ لیتے''

اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قرآن مجید کا ہر ایک لفظ و جملہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔اس میں غیر خدا کی طرف سے ایک حرف کا بھی اضافہ نہیں ہوا۔اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کا یہاں تک اہتمام کیا ہے کہ اگر میرے حبیب حضرت محمد ﷺ بھی کسی کلمہ کا اضافہ کر دیتے تو ہم اُنہیں بھی ایسا نہ کرنے دیتے۔ایک مقام پہ فرمایا:

''قَالَ الَّذِينَ لَايَرْجُونَ لِقَائَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هٰذَآ أَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَـدِّلَـهُ مِنْ تِلْقَائِ نَفْسِي إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَى إِلَيَّ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ'' (**یونس**/ ۱۵)

یعنی: ''جو لوگ ہماری ملاقات (اور قیامت) کی اُمید نہیں رکھتے، کہتے ہیں: کوئی اور قرآن لے آؤ اس کے علاوہ یا اسے تبدیل کرو۔کہہ دو مجھے کوئی حق نہیں کہ میں اسے تبدیل کر دوں۔میں تو اسی بات کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی ہوتی ہے۔اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو (قیامت) کے عظیم دن کی سزا سے ڈرتا ہوں''۔

اس آیت مبارکہ سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید صرف اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہے، اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے، حتیٰ رسول اللہ ﷺ کو بھی اس میں ردوبدل کی اجازت نہیں ہے لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ قرآن جس چیز کی اجازت حضرت محمد ﷺ کو بھی نہیں دیتا، وہ کسی عام انسان کو ردوبدل کی اجازت دیدے۔ علاوہ ازیں احادیث وروایات میں بھی اس امر کی صراحت کی گئی ہے کہ موجودہ قرآن مجید غیر محرف اور ہر قسم کی کمی وبیشی سے پاک ہے۔ کتب احادیث اس سلسلہ میں واضح روایات سے بھری پڑی ہیں چنانچہ حضرت علی بن ابی طالبؑ نے فرمایا:

"انا لم نحکم الرجال و انما حکمنا القرآن و هذا القرآن انما هو خط مسطور بین الدفتین، لاینطق بلسانٍ و لا بُدَّ له مِن ترجمان"

یعنی: ''ہم نے بندوں کو حاکم نہیں بنایا بلکہ قرآن کو حاکم بنایا ہے اور یہ قرآن وہی ہے جو دو جلدوں کے درمیان مسطور ہے؛ وہ زبان سے نہیں بولتا؛ بلکہ اس کے لیے ترجمان کی ضرورت ہے''۔ (نہج البلاغہ جلد۲ص ۷طبع رحمانیہ مصر)

آپ کا یہی فرمان ذیشان تاریخ کامل ابن اثیر جلد۳ص ۱۶۶ طبع قاہرہ میں بھی بعینھا مرقوم ہے۔ اصول کافی میں ایک مفصل "کتاب فضل القرآن" ہے، جس میں متعدد ذیلی ابواب ہیں ان ابواب میں قرآن مجید حفظ کرنے، اس کی تعلیم حاصل کرنے، دوسروں کو سکھانے اور قرآن کی فضلیت وغیرہ سے متعلق بے شمار احادیث ائمہ اہل بیتؑ سے ذکر ہوئی ہیں۔

اگر اسلامی مکاتب فکر کی کتب میں ایسی روایات پائی جاتی ہیں جن میں سے بعض سے بادی النظر میں تحریف کا مفہوم ظاہر ہوتا ہے تو ان روایات کے تحت کسی قسم کا نظریہ قائم نہیں کیا جاسکتا، بلکہ ان روایتوں کی توجیہ کی جائے گی کہ ان سے مراد تحریف نہیں ہے اور اگر قابل توجیہ نہیں ہیں تو ایسی روایات کو مخالف قرآن سمجھ کر یکسر مسترد کردیا جائے گا۔ یہاں پر ہم تحریف معنوی ولفظی کی قدرے وضاحت کیے دیتے ہیں۔

معنوی تحریف

اس سے مراد درحقیقت قرآن کریم کے الفاظ کے معانی میں تغیر وتبدل کرنا ہے، یعنی؛ متکلم نے اس لفظ میں ایک معنی کا ارادہ کیا ہے، لیکن مخاطب اس کلمہ کو اس معنی پر حمل نہیں کرتا بلکہ کسی اور معنی میں استعمال کرتا ہے۔ راغب اصفہانی نے تحریف کی جو تعریف کی ہے ظاہراً وہ اسی معنی کی طرف پلٹتی ہے کہتے ہیں کہ بعض

اوقات لفظ میں اس بات کی صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ دو معنی پر دلالت کرسکتا ہے۔یعنی اپنے صیغے اور مادہ کے اعتبار سے اس میں دو معانی کی صلاحیت پائی جاتی ہے، متکلم اس سے ایک معنیٰ کا ارادہ کرتا ہے جب کہ مخاطب اس سے متکلم والے معنی کا ارادہ نہیں کرتا بلکہ اپنے نظریے اور مبنیٰ کے مطابق اس لفظ کو دوسرے کے طرف پھیر دیتا ہے۔

اس اعتبار سے تحریف معنوی سے مراد یہ ہوگی (کہ قرآن کریم کے الفاظ کو وہ الفاظ کو قرار دینا جو رسول اللہ ﷺ پر واقعاً نازل ہوئے مگر اس کے معانی واقیعیہ کا ارادہ نہ کرنا) بلکہ معانی کو اپنی مرضی اور منشاء کے مطابق اخذ کرنا۔تمام مکاتب فکر کے نزدیک اس طرح کی تحریف قرآن مجید میں کی جاتی ہے ،تفسیر بالرائے بھی تحریف معنوی ہی کی ایک قسم ہے۔

تحریف لفظی

تحریف لفظی سے مراد یہ ہے کہ قرآن کریم کے کلمات ،عبارات اور جملوں میں کمی بیشی کرنا۔یعنی قرآن کریم میں کسی کلمہ کو کم زیادہ کرنا یا کسی آیت یا عبارت کو کم یا زیادہ کرنا تحریف لفظیہ کہلاتا ہے۔بالفاظ دیگر الفاظ وعبارات قرآن کریم میں تغیر وتبدل کو تحریف لفظی کہا جاتا ہے۔جہاں تک تحریف لفظی کا تعلق ہے اس کی کئی اقسام ہیں: مثلاً تحریف بالزیادہ اور تحریف بالنقیصہ

تحریف بالزیادہ

اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن کریم میں کوئی لفظ یا عبارت یا آیت یا سورت موجود نہ ہو اور اس کا بعد میں اضافہ کیا جائے۔مثلاً کوئی آیت قرآن میں موجود نہیں تھی یا کوئی سورت موجود نہ ہو اور اس کا بعد میں اضافہ کیا جائے۔جہاں تک تحریف کی اس قسم کا تعلق ہے تو اہل اسلام یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں اس طرح کی تحریف بالکل واقع نہیں ہوئی۔کیونکہ اس کا معنی یہ بنتا ہے کہ قرآن میں ایک سورت نہیں تھی ،لیکن بعد والے لوگوں نے اس کا اضافہ کر دیا ہے۔کیونکہ قطع نظر اس بات کے کہ سارے اہل اسلام اس کے متحقق نہ ہونے پر متفق ہیں یہ خود قرآن کریم کے اعجاز (معجزہ ہونے) کے بھی منافی ہے اور ممکن ہی نہیں کہ کسی میں اتنی صلاحیت ہو کہ وہ قرآن جیسا کوئی کلام لا کے دکھا دے۔جس طرح کہ قرآن خود شاہد ہے کہ اگر جن وانس سب مل کر اس جیسا کوئی قرآن لانے کی کوشش کریں تو اس جیسا کلام لانے سے عاجز ہوں گے۔

تحریف بالنقیصہ

اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن کریم میں کچھ کلمات یا سورتیں موجود تھیں، لیکن بعد میں نکال دی گئیں۔ علمائے اسلام نے اسے بھی ردّ کیا ہے اور اس بات کو ثابت کیا ہے کہ یہ وہ ہی قرآن ہے جو آنحضرتؐ پر نازل ہوا اور کسی کمی یا زیادتی کے بغیر ہمارے پاس موجود ہے۔

قرآن کی تحریف کا ردّ

محققین اسلام نے تحریف کی ان دونوں قسموں کو ردّ کیا ہے اور اس سلسلے میں واضح دلائل سے ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید ہر قسم کی زیادتی و کمی سے محفوظ ہے۔ البتہ بعض اسلامی کتب میں نقل ہونے والی روایات سے یہ شبہہ ایجاد کیا جاتا ہے کہ قرآن میں تحریف واقع ہوئی ہے۔ لیکن محققین قرآن کے مطابق یہ روایات، حفاظت قرآن سے متعلق خود قرآنی آیات کے خلاف ہیں۔ جیسا کہ ہم نے اوپر ان آیات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ روایات اُصول حدیث اور رجال کے حوالے سے بھی قابل تأمل ہیں۔ جس کی وجہ سے ان پر اعتماد کرنا مشکل ہے۔ محققین کے نزدیک اگر ان روایات کی کوئی توجیہ کی جا سکے تو ٹھیک اور اگر کسی قسم کی توجیہ نہیں کی جا سکتی تو انہیں مخالف قرآن سمجھ کر مسترد کر دینا چاہیے۔ چونکہ ائمہ معصومین ÷ نے مخالف قرآن روایت کی تصدیق کرنے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ حضرت امام محمد باقر -فرماتے ہیں:

"لا تصدق علینا الا ماوافق کتاب اللہ وسنة نبیّه (ص)"

یعنی: ''ہماری احادیث میں سے فقط ان احادیث کی تصدیق کرو جو کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کے مطابق ہوں۔'' (وسائل الشیعہ، ج ۱۸، صفحہ ۱۹، طبع جدید ایران)

اسی طرح امام جعفر صادق -فرماتے ہیں:

"فما وافق کتاب اللّٰہ فخذوہ و ماخالف کتاب اللّٰہ فدعوہ"

یعنی: ''جو کتاب خدا کے مطابق ہو، اسے اخذ کرلو اور جو اس کے مخالف ہو، اسے ردّ کر دو''۔

(وسائل الشیعہ، ج ۱۸، صفحہ ۷۵، طبع جدید ایران)

ہمارے آٹھویں امام حضرت رضا -فرماتے ہیں:

"اذا کانت الروایات مخالفة للقرآن کذبتها"

یعنی: ''جوروایات قرآن کریم کی مخالف ہوں میں اُن کی تکذیب کرتا ہوں''۔

(اُصول کافی، صفحہ ۶۰۴ طبع لکھنو)

بنابرایں، اگرچہ تحریف قرآن کی روایات تمام اسلامی فرقوں کی کتابوں میں نقل ہوئی ہیں لیکن تمام محقق اور انصاف پسند علمائے اسلام قرآن کریم کی تحریف کو ردّ کرتے ہیں اور انہوں نے تحریف قرآن کی ضعیف روایات کو بنیاد بنا کر کسی بھی گروہ یا فرقے کی طرف عقیدہ تحریف کی نسبت دینے کو ایک ناپسندہ فعل قرار دیا ہے۔ اور اسے اسلام و قرآن کی تعلیمات کے منافی سمجھا ہے۔

اگر مشرق سے لے کر مغرب تک سب لوگ مرجائیں لیکن صرف ایک قرآن میرے پاس ہو تو مجھے کسی قسم کی وحشت محسوس نہیں ہوگی۔

(امام زین العابدینؑ۔ بحارالانوار)

کتاب شناسی

تفسیر نمونہ کا تعارف

سید رمیز الحسن موسوی ☆

عصر حاضر کی تفاسیر میں سے ایک اہم اور مقبول ترین تفسیر ''تفسیر نمونہ'' ہے۔ یہ تفسیر آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی مدظلہ نے حوزہ علمیہ قم کے چند فاضل علماء کے تعاون سے فارسی زبان میں ۲۷/جلدوں میں تالیف کی ہے۔اس تفسیر نے دنیا بھر کے قرآن دوستوں میں خاصی مقبولیت حاصل کی ہے اور دنیا کی تمام زندہ زبانوں میں قرآن کا مطالعہ کرنے والوں کی توجہ کا مرکز بنی ہے۔ یہ تفسیر عصر حاضر کی نوجوان نسل کی علمی وفکری اور معنوی وقرآنی معرفت کی پیاس کو بجھانے کے لیے تالیف کی گئی ہے اور اس میں اخلاق وتربیت کے حوالے سے اسلامی نظریات وافکار کو عام فہم انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

آیت اللہ مکارم شیرازی اور اُن کی ٹیم نے یہ تفسیر لکھ کر عصر حاضر کی نوجوان نسل کی علمی ومعنوی پیاس بجھانے میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔خصوصاً انقلاب اسلامی ایران کے بعد نوجوانوں میں قرآن اور اسلامی معارف کو سمجھنے کی جو پیاس محسوس کی جارہی ہے،اسے بجھانے کے لئے یہ تفسیر بہت ہی مفید ثابت ہوئی ہے اور اس نے قرآن فہمی کے میدان میں ایک بہت بڑے خلاء کو پُر کیا ہے۔اگر یہ تفسیر نہ ہوتی تو شاید عام لوگوں کے لئے قرآن فہمی کے سلسلے میں بہت بڑا خلاء محسوس کیا جاتا ہے۔ چونکہ یہ تفسیر دنیا کی جس زبان میں بھی ترجمہ ہوئی ہے،اس نے قرآن دوست عوام کے ایک بڑے طبقے کو اپنی جانب راغب کیا ہے اور قرآن فہمی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔اُردو زبان میں بھی اس تفسیر کا ترجمہ،ایران میں اسلامی انقلاب کے عروج کے ساتھ ہی شروع ہوگیا تھا جس کی وجہ سے اُردو سمجھنے والوں کی ایک بڑی تعداد اس کی طرف متوجہ ہوگئی تھی اور بہت جلد اس تفسیر نے عام وخاص کی توجہ اپنی جانب مبذول کرالی تھی۔اس مقبولیت کی بنا پر اس تفسیر کا تفصیلی تعارف ضروری سمجھا گیا ہے۔

☆ مدیر نورِ معرفت، بہارہ کہو، اسلام آباد

تفسیر نمونہ کی تألیف کا محرک

اس تفسیر کے مقدمے میں آیت اللہ مکارم مدظلہ اپنے اس کام کے محرک کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ہر زمانے کی کچھ خصوصیات، ضرورتیں اور تقاضے ہوتے ہیں جو زمانے کی بدلتی ہوئی کیفیت، تازہ مسائل اور منشاء شہود پر آنے والے نئے معانی ومفاہیم سے ابھرتے ہیں۔ اسی طرح ہر دور کی اپنی کچھ مشکلات اور پیچیدگیاں ہوتی ہیں اور یہ سب معاشرتی اور تہذیبی وتمدنی تبدیلیوں کا لازمہ ہوتا ہے۔ کامیاب افراد اور صاحبان توفیق لوگ وہ ہوتے ہیں جو اُن ضروریات اور تقاضوں کو سمجھ سکیں، جنہیں ''عصری مسائل'' کہا جاتا ہے۔

ہر زمانے کے علماء اور دانشوروں کا فریضہ ہے کہ وہ پوری چابکدستی سے ان مسائل، تقاضوں، احتیاجات اور روحانی کمزوریوں اور معاشرتی خلأ کا ادراک کریں اور انہیں صحیح شکل وصورت میں پُر کریں تاکہ وہ غلط تعلیمات وافکار سے پُر نہ ہوجائیں۔ کیونکہ ہماری زندگی کے ماحول میں خلاء ممکن نہیں ہے۔ مایوس اور منفی سوچ رکھنے والے حضرات کے گمان کے برخلاف جن مسائل کو میں نے اپنی سمجھ کے مطابق واضح طور پر معلوم کیا ہے اور سمجھا ہے، ان میں سے ایک نسل نو کی مفاہیم اسلام اور دینی مسائل کو جاننے کی پیاس ہے، بلکہ یہ پیاس فقط سمجھنے کی نہیں بلکہ چکھنے، چھونے اور آخر کار ان مسائل پر عمل کرنے کی بھی ہے۔

ان مسائل نے نسل نو کی روح اور وجود کو بے قرار کر رکھا ہے، لیکن یہ فطری امر ہے کہ یہ سب جواب طلب ہیں۔ ان خواہشات اور تقاضوں کا جواب دینے کے لئے **پہلا قدم**، علمی میراث اور اسلامی تہذیب وتمدن کو عصر حاضر کی زبان میں ڈھالنا اور عالی مفاہیم کو موجودہ دور کی زبان میں موجودہ نسل کی روح، جان اور عقل میں منتقل کرنا ہے۔ **دوسرا قدم**، یہ ہے کہ اس زمانے کی مخصوص ضرورتوں اور تقاضوں کو اسلام کے اصولوں سے استنباط کر کے پورا کیا جائے۔ یہ تفسیر انہی دو اہداف ومقاصد کی بنیاد پر لکھی گئی ہے۔''

جلد چہارم کے مقدمے میں وہ مزید لکھتے ہیں:

اس تفسیر کے لکھنے کا مقصد یہ تھا کہ فارسی زبان میں قرآن مجید کی ایک ایسی تفسیر مہیا کی جائے جو خاص وعام کے لئے مفید ہو۔ ایسی تفسیر جس کی زبان رواں ہو، جس میں پیچیدہ علمی اصطلاحات، مفسرین کے اختلافات، ادھر اُدھر کے بکھرے ہوئے اقوال کی بھرمار نہ ہو، ایک ایسی تفسیر جو مختلف علوم کی ترقی کی روشنی میں قرآن سے نئی معلومات فراہم کر سکے، جس میں تاریخی قرائن، شان نزول اور ہادیان اسلام سے نقل شدہ محکم احادیث سے استفادہ کیا جائے جو اسلامی مصادر ومنابع سے ہم تک پہنچی ہیں۔ ایسی تفسیر جو تفسیر ہونے کے

علاوہ، اسلام کے اُصول وفروع کے بارے میں نئے سوالات، دور حاضر کے مسائل اور مختلف اعتراضات بھی پیش نظر رکھے اور ایسے مسائل کا حل بھی پیش کرے۔''

تفسیر کا اسلوب

عصر حاضر میں تفسیر قرآن سے لگاؤ رکھنے والے عوامی حلقوں میں تفسیر نمونہ مقبول ترین تفسیر سمجھی جاتی ہے۔ یہ تفسیر قرآن کی مکمل تفسیر ہے اور ترتیبی اسلوب کے ساتھ لکھی گئی ہے جو قرآن کے آغاز سے شروع ہو کر آخر قرآن پر ختم ہوتی ہے۔

اس تفسیر کے اسلوب کو اجتہادی، تحلیلی اور عقلی اسلوب کہا جا سکتا ہے۔ اس میں موجودہ دور کے جدید مسائل کو پیش کرتے ہوئے بعض آیات کی سائنسی وضاحت کی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ تربیتی پہلو کو بھی مدنظر رکھا گیا ہے اور اس سلسلے میں قرآنی نقطہ نظر کو پیش کیا گیا ہے۔ شیعہ وسنی اختلافی مسائل میں بھی ''تقریب بین المذاہب'' کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے اور اپنا اصولی وعلمی موقف پیش کرتے ہوئے، بے جا تعصّبات کو اُچھالنے سے پرہیز کیا گیا ہے اور مختلف عناوین کی مناسبت سے اہل بیت اطہار ÷ کی احادیث سے بخوبی استفادہ کرتے ہوئے تفسیر قرآن میں اہل بیت ÷ کی مرجعیت کو پایہ ثبوت تک پہنچایا گیا ہے۔ یہ تفسیر پندرہ سال (۱۳۹۶ سے لیکر ۱۴۱۰ ہجری) کی مدت میں لکھی گئی ہے۔

مقدمہ تفسیر

پہلی جلد پر ایک مختصر مقدمہ لکھا گیا ہے جس میں اس تفسیر کو لکھنے کا محرک بیان کیا گیا ہے، جس کا اوپر تذکرہ ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ تفسیر کے آغاز، تفسیر کی حقیقت، تفسیر بالرائے، ہر زمانے کے مخصوص تقاضے، گروہی کام کے طریقہ کار، اس تفسیر کی خصوصیات اور منابع کے بارے میں وضاحت کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ تفسیر نمونہ کی بعض دوسری جلدوں پر بھی تفسیری موضوعات کے بارے میں مختصر مقدمے لکھے گئے ہیں۔

آیات کی تفسیر کا اسلوب

اس تفسیر میں ہر سورہ کی تفسیر کا آغاز، اس سورہ کے نام، سورہ کے مکی ومدنی ہونے اور آیات کی تعداد کے تذکرے سے ہوتا ہے۔ اور پھر اس سورہ کی خصوصیات کو چند نکات میں ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ نکات معمولاً سورہ کی فضیلت، اس کی قرائت کے ثواب اور اس کے مقام ومنزلت کے بارے میں ہیں۔ یہ حصہ زیادہ

تر روایات پر مشتمل ہے۔اس کے بعد مذکورہ سورہ کے مضامین کے بارے میں خلاصہ ذکر کیا جاتا ہے۔بعض مقامات پر سورہ کی وجہ تسمیہ بھی بیان کی گئی ہے۔جس کو ایک سوال کی شکل میں پیش کر کے اس کا جواب دیا گیا ہے۔مثلاً سورۂ مائدہ کے بارے میں لکھتے ہیں:اس کا نام ''مائدہ اس لئے ہے، کیونکہ حضرت عیسیٰ - کے انصار کے لئے مائدہ کے نزول کا واقعہ اسی سورہ کی آیت ۱۱۴ میں ذکر ہوا ہے۔''

اس کے بعد آیات کی تفسیر شروع ہوتی ہے۔اس حصے میں سب سے پہلے ایک ہی مضمون کی کچھ آیات کو مشخص کر کے، اُن کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔اس کے بعد ہر آیت کے شان نزول کو خصوصی اہمیت دی جاتی ہے اور اس کے بارے میں روایات کے سہارے بحث کی جاتی ہے۔پھر آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اس حصے میں بعض تفسیری مطالب کے ساتھ اس بحث کو مکمل کیا جاتا ہے۔چونکہ خود آیات کا مضمون ہی اس کا عنوان بن جاتا ہے، لیکن بعد میں مضامین میں فرق کرنے کے لئے دوسرے عناوین سے بھی مدد لی جاتی ہے۔یہ چیز مضمون کو سمجھنے اور تفسیر کا مطالعہ کرنے میں قاری کی بہت مدد کرتی ہے۔مثلاً سورۂ مائدہ کی پہلی آیت کی تفسیر کو ''ایفائے عہد ضروری ہے'' کے عنوان سے شروع کیا گیا ہے جو آیت کو سمجھنے کے لئے قاری کے ذہن کو آمادہ کر دیتا ہے۔

آیت کی تفسیر ذکر کرنے کے بعد ''چند اہم نکات'' کے عنوان سے بہت سے قیمتی مطالب سوال وجواب کی صورت میں پیش کئے جاتے ہیں۔مثلاً سورۂ مائدہ کی پہلی آیات کی تفسیر کے ضمن میں چند اہم نکات کے تحت ایک فقہی قاعدے ''**اصالة اللزوم فی العقود**'' کی تفصیل ذکر کی گئی ہے، جو قاری کی فقہی معلومات میں اضافے کا باعث بنتی ہے۔اسی طرح جلد اول میں صفحہ ۱۸۷ (اُردو ترجمہ) پر ''قرآن اور مسئلہ شفاعت'' اور جلد اول ہی میں صفحہ ۲۹۴ (اُردو ترجمہ) پر ''کیا احکام شریعت میں نسخ جائز ہے'' کے عنوان سے مفصل معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

یہ نکات: یا تو پیش کی گئی آیات سے اخذ کئے گئے ہیں یا آیات سے اخذ شدہ نتائج سے لیے گئے ہیں یا جدید مسائل اور سوالات کی آیات پر تطبیق سے حاصل ہوئے ہیں یا آیات سے مناسبت رکھنے والے علمی موضوعات پر مشتمل ہیں یا احکام شریعت کے فلسفے کو بیان کر رہے ہیں یا حدود و احکام الٰہی کا دفاع کر رہے ہیں یا پھر قرآنی آیات سے فقہی و اصولی استفادہ کرنے کی غرض سے پیش گئے ہیں۔

مادہ پرستوں کے نظریات کا ردّ

یہ تفسیر جس زمانے میں لکھی گئی ہے وہ مادہ پرستانہ نظریات کا زمانہ تھا اور نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد کیمونسٹ نظریات کی طرف راغب ہورہی تھی اور اُن کے درمیان اس قسم کے نظریات کی ترویج کی جارہی تھی۔ لہٰذا اس تفسیر میں اسی قسم کے سوالات اور شبہات کے جوابات دینے کی سعی کی گئی ہے۔ اسی لئے اس تفسیر میں بعض اعتقادی موضوعات میں مادہ پرستانہ نظریات اور منکرین خدا کے شبہات کو مدنظر رکھ کر جوابات دیئے گئے ہیں۔

مکتب اہل بیت کی علمی نمائندگی

تفسیر نمونہ میں اسلامی مذاہب کے درمیان تقریب اور وحدت کو خاصی اہمیت دی گئی ہے۔ لیکن یہ چیز اس بات کا باعث نہیں بنی کہ شیعہ وسنی مذاہب کے درمیان نظریاتی اور فقہی اختلافات کے بارے میں اپنے افکار وعقائد سے ہاتھ اُٹھالیا جائے اور اتحاد بین مسلمین کے بہانے اپنے اصولی موقف کو پیش ہی نہ کیا جائے۔ بلکہ نظریاتی اختلاف کے بارے میں مخالفین کی نظریاتی کمزوری خصوصاً وہابی افکار کی علمی کمزوری کو واضح کرتے ہوئے قرآنی تعلیمات کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے اور ''جدال احسن'' کا طریقہ اپنایا گیا ہے۔ مثلاً شفاعت کے موضوع پر سورۂ بقرہ کی آیت ۴۷، ۴۸ کے ذیل میں وہابیوں کے شبہات کو پیش کر کے اُن کا جواب دیا گیا ہے۔ اسی طرح عقائد کے باب میں بھی مذہب اہل بیت ÷ کے عقلی ونقلی دلائل کو احسن انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

اسرائیلیات سے پرہیز

جن آیات میں قرآنی قصص خصوصاً انبیائے کرام کے قصے آئے ہیں، اُن میں اسرائیلیات سے بچتے ہوئے مستند روایات سے قصص قرآن کی جزئیات کو واضح کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ اسی ضمن میں قرآنی قصص اور تورات میں ذکر ہونے والے قصوں کا موازنہ بھی کیا گیا ہے اور توارت جیسی الٰہی کتاب کے ساتھ منسوب غیر عقلی قصوں کے نقائص کی نشاندہی کی گئی ہے۔ جیسا کہ جلد اول میں'' کیا قرآن تورات وانجیل کے مندرجات کی تصدیق کرتا'' کے عنوان سے بہت ہی مفید معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

تفسیر نمونہ کے حواشی

تفسیر نمونہ میں بہت سے مقامات پر مفید حواشی بھی موجود ہیں جو اس تفسیر کے مفسرین کی جانب سے اضافہ کئے گئے ہیں۔ان حواشی میں مختلف قسم کی معلومات فراہم کی گئی ہیں۔مثلاً متن اور اس کے مضامین کے منابع کا ذکر،بعض مطالب میں تفسیر نمونہ کی دوسری جلدوں میں رجوع کرنے کی تاکید۔بعض دوسرے تفسیری اقوال کی طرف اشارہ اور بعض لغوی یا علمی واصطلاحی توضیحات۔

تفسیر نمونہ کی چند نمایاں خصوصیات

تفسیر نمونہ کی نمایاں خصوصیات کا تذکرہ کرتے ہوئے خود آیت اللہ مکارم شیرازی مدظلہ لکھتے ہیں:

۱۔قرآن چونکہ کتاب زندگی ہے۔اس لئے اس تفسیر میں آیات کی ادبی وعرفانی تفسیر کے زندگی کے مادی،معنوی،تعمیر نو کرنے والے،اصلاح کنندہ،زندگی سنوارنے والے اور بالخصوص اجتماعی مسائل کی طرف توجہ دی گئی ہے۔اور زیادہ تر انہی مسائل کا تذکرہ کیا گیا ہے جو فرد اور معاشرے کی زندگی سے قریبی تعلق رکھتے ہیں۔

۲۔آیات میں بیان کئے گئے عنوانات کو ہر آیت کے ذیل میں جچی تلی اور مستقل بحث کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔مثلاً سود،غلامی،عورتوں کے حقوق،حج کا فلسفہ،قمار بازی کی حرمت کے اسرار،شراب،سور کا گوشت،جہاد اسلامی کے ارکان واہداف وغیرہ کے موضوعات پر بحث کی گئی ہے تاکہ قارئین اس کے ایک اجمالی مطالعے کے لئے دوسری کتب کی طرح رجوع کرنے سے بے نیاز ہو جائیں۔

۳۔کوشش کی گئی ہے کہ آیات کا ترجمہ رواں،سلیس،منہ بولتا،لیکن گہرا اور اپنی نوع کے لحاظ سے پر کشش اور قابل فہم ہو۔

۴۔لاحاصل ادبی بحثوں میں پڑنے کے بجائے اصلی لغوی معانی اور آیات کے شان نزول کی طرف خصوصی توجہ دی گئی ہے۔کیونکہ قرآن کے دقیق معانی سمجھنے کے لئے یہ دونوں چیزیں زیادہ موثر ہیں۔

۵۔مختلف اشکالات،اعتراضات اور سوالات جو بعض اوقات اسلام کے اصول وفروع کے بارے میں کئے جاتے ہیں،ہر آیت کی مناسبت سے ان کا ذکر کیا گیا ہے اور ان کا جچا تلا اور مختصر سا جواب دیا گیا ہے۔مثلاً شبہ آکل وماکول (وہ جانور جو دوسرے جانوروں کو کھا جاتے ہیں)،معراج،تعدد ازدواج،عورت اور مرد کی میراث کا فرق،عورت اور مرد کے خون بہا میں اختلاف،قرآن کے حروف مقطعات،احکام کی منسوخی،اسلامی جنگیں اور غزوات،مختلف الٰہی آزمائشیں اور ایسے ہی بیسیوں سوالوں کے جوابات اس طرح دیئے گئے ہیں کہ آیات کا مطالعہ کرتے وقت محترم قاری کے ذہن میں کوئی استفہام باقی نہ رہے۔

۶۔ایسی پیچیدہ علمی اصطلاحات جن کے نتیجہ میں کتاب ایک خاص صنف سے مخصوص ہو جائے، سے دوری اختیار کی گئی ہے۔البتہ ضرورت کے وقت علمی اصطلاح کا ذکر کرنے کے بعد اس کی واضح تفسیر وتشریح کر دی گئی ہے۔

تفسیر نمونہ کے منابع

اس تفسیر کے منابع و مآخذ میں بہت سی شیعہ وسنی تفاسیر شامل ہیں جیسا کہ اس کے مقدمے میں آیا ہے کہ اس تفسیر میں ان تفاسیر و کتب سے استفادہ کیا گیا ہے:

۱۔تفسیر مجمع البیان، تالیف شیخ طبرسی۔ ۲۔تفسیر انوار التنزیل، تالیف قاضی بیضاوی۔
۳۔تفسیر الدر منثور، تالیف جلال الدین سیوطی۔ ۴۔تفسیر برہان، تالیف محدث بحرانی۔
۵۔تفسیر المیزان، تالیف علامہ طباطبائی۔ ۶۔تفسیر المنار، محمد عبدہ مصری۔
۷۔تفسیر فی ظلال، تالیف سید قطب ۸۔تفسیر مراغی، تالیف احمد مصطفیٰ مراغی۔
۹۔تفسیر صافی، تالیف فیض کاشانی۔ ۱۰۔تفسیر نور الثقلین تالیف عبد علی حویزی۔
۱۱۔اسباب النزول واحدی۔

ان کتابوں کے علاوہ فقہ، تاریخ، لغت اور حدیث کے دوسرے منابع سے بھی استفادہ کیا گیا ہے جن میں اہم ترین منابع یہ ہیں: تفسیر پرتوی از قرآن، بحار الانوار، سفینۃ البحار، کنز العرفان، نہج البلاغہ، وسائل الشیعہ، خصال صدوق، اختصاص شیخ مفید، محاسن برقی، کافی، امالی مفید، مناقب ابن شہر آشوب، مصباح المنیر فیومی، مفردات راغب، بلوغ الارب، سیرۂ ابن ہشام، کامل ابن اثیر، صحیح بخاری، سنن بیہقی، کشف الارتیاب اور بہت سے علمی و دینی مجلّات۔

تفسیر نمونہ میں گروہی کام کا طریقہ

اس تفسیر کی تالیف میں آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی کے ہمراہ حوزہ علمیہ کے تقریباً دس علمائے کرام نے کام کیا ہے۔اس گروہی کام کے طریقہ کار کے بارے میں آیت اللہ مکارم شیرازی لکھتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ اگر چہ فارسی زبان میں آج ہمارے پاس کئی ایک تفاسیر موجود ہیں۔اس میں شک نہیں کہ یہ وہ تفاسیر ہیں جو ہمارے بزرگ قدماء کی میراث ہیں یا بعد میں عصر حاضر کے علماء نے انہیں تحریر کیا ہے اور کچھ ایسی ہیں جو چند صدیاں پہلے لکھی گئی تھیں اور ان کی مخصوص نثر علماء وادباء سے مخصوص ہے۔

موجود تفاسیر میں بعض اس سطح پر ہیں کہ صرف خواص کے طبقے کا حصہ ہیں اور دیگر طبقات ان سے استفادہ نہیں کر سکتے اور بعض قرآن کے خاص گوشوں کو بیان کرتی ہیں۔ان کی مثال ایک گلدستہ کی سی ہے جسے کسی تروتازہ باغ سے چنا گیا ہو جس میں باغ کی نشانیاں تو ہیں لیکن باغ نہیں ہے۔لہٰذا جوان نسل کی طرف سے یہ سوال عام طور پر پوچھا جاتا ہے کہ ہم کس تفسیر کا مطالعہ کریں؟

اس طرح اس بار بار کے سوال کا کوئی ایسا جواب نہ مل سکا یا بہت کم ملا کہ جو قانع کنندہ ہو، وجدان کو مطمئن کرے اور پیاسے متلاشی کی تشنگی روح کو سیراب کر سکے۔اس پر ہم نے فیصلہ کیا کہ اس سوال کا جواب عمل سے دینا چاہئے کیونکہ اس وقت اس کا صرف زبانی جواب ممکن نہیں ہے،لیکن مشکلات اور روز افزوں مشاغل کے ہوتے ہوئے اور اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ قرآن ایک ایسا بیکراں سمندر ہے،جس میں آسانی سے اور ساز وسامان، تیاری، وقت اور کافی غور وفکر کے بغیر داخل نہیں ہوا جاسکتا اور یہ وہ بحر بیکراں ہے، جس میں بہت سے لوگ غرق ہوئے اور ڈوب چکے ہیں۔حسرت واندوہ کے عالم میں اس دریا کے کنارے کھڑا میں اس کی امواج فروشاں کا نظارہ کر رہا تھا کہ ایسے میں اچانک ایک بجلی سی فکر میں گوندگئی۔امید کا دریچہ کھلا اور مسئلے کی راہ حل سجھائی دینے لگی اور وہ تھی گروپ سسٹم میں کام کرنے کی سوچ اور پھر دس فاضل،مخلص،محقق، آگاہ اور باخبر جوان جو''عشرہ کاملہ'' کے مصداق ہیں، میرے رفیق راہ بن گئے۔ان کی شبانہ روز پرخلوص کوششوں سے مختصر سی مدت میں یہ پودا ثمر آور ہوگیا اور توقع سے بھی جلدی اس کی پہلی جلد چھپ گئی۔

اس بناء پر کہ کوئی نکتہ عزیز قارئین کے لئے مبہم نہ رہنے پائے ہم اپنے طریقہ کار کی بھی اجمالا تشریح کئے دیتے ہیں۔ پہلے آیات قرآنی مختلف حصوں میں ان محترم علماء میں تقسیم کردی جاتی تھیں (ابتداء میں دو دو افراد کے پانچ گروپ تھے)۔ضروری ہدایات وراہنمائی کی روشنی میں وہ ان مختلف تفاسیر کا مطالعہ کرتے جو اس تفسیر کا منبع اور اصلی کتب ہیں،جنہیں اس فن کے عظیم محققین نے سپرد قلم کیا ہے۔ چاہے وہ محققین سنی ہوں یا شیعہ سب کا مطالعہ کیا جاتا۔

اس کے بعد وہ معلومات اور ماحصل جو موجودہ زمانے کے احتیاجات اور تقاضوں پر منطبق ہوتے، انہیں رشتہ تحریر میں لایا جاتا۔ بعدازاں اس گروپ کی اجتماعی نشستیں ہفتے کے مختلف دنوں میں منعقد ہوتیں اور یہ تحریریں پڑھی جاتیں اور ان کی اصلاح کی جاتی۔ان نشستوں میں ہی قرآن کے بارے میں جن نئی معلومات کا اضافہ ضروری ہوتا وہ کیا جاتا۔ پھر اصلاح شدہ تحریروں کو صاف کر کے لکھا جاتا۔صاف کر کے لکھنے کے بعد ان

سب تحریروں کو ان میں سے چند منتخب علماء پھر سے پڑھتے اور انہیں منضبط کرتے۔ آخری شکل دینے کے لئے آخری میں، میں خود پورے اطمینان سے اس کا مطالعہ کرتا اور بعض اوقات اسی حالت میں محسوس ہوتا کہ اس میں چند پہلوؤں کا مزید اضافہ کیا جانا چاہئے اور پھر یہ کام انجام دیا جاتا۔ ضمنی طور پر آیات کا رواں ترجمہ بھی میں اسی موقع پر کر دیتا تھا۔

عام مطالب (آیات کے ذیلی ترجمہ اور بعض پہلوؤں کے علاوہ جن کا یہ حقیر اضافہ کرتا) چونکہ ان محترم حضرات کے قلم سے ہوتے تھے اور قدرتی طور پر مختلف ہوتے تھے اس لئے میں ان تحریروں کو ہم آہنگ کرنے کے لئے بھی ضروری کاوش انجام دیتا تھا''۔

تفسیر نمونہ کی طباعت

تفسیر نمونہ ۲۷ جلدوں میں (وزیری سائز کے ساتھ) فارسی زبان میں دار الکتب الاسلامیہ، تہران نے شائع کی ہے۔ اس کے ہمراہ ایک جلد میں اس تفسیر کی موضوعی فہرست بھی شائع ہوئی ہے۔ جس کی تفصیل آگے چل کر بیان کی جائے گی۔ اس کی پہلی جلدیں ۱۴۰۰ ہجری میں اور اس کی آخری جلدیں ۱۴۱۴ ہجری میں اختتام پذیر ہوئی ہیں۔ ہر فہرست کے ساتھ آیات اور مضامین کی مفصل فہرست بھی دی گئی ہے۔ پہلی جلد میں مئولف کی جانب سے ایک مختصر مگر جامع مقدمہ بھی لکھا گیا ہے۔ اس تفسیر کی بعض جلدیں نظر ثانی اور اضافات کے ساتھ بعد میں بھی کئی بار چھپ چکی ہیں۔ بعض جلدوں کے آخر میں تفسیر کے ختم ہونے کی تاریخ بھی درج ہے۔ آخری جلد کی تکمیل کی تاریخ: ۱۸ ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ درج ہے۔

فارسی میں تفسیر نمونہ کا خلاصہ بھی ''برگزیدہ ای از تفسیر نمونہ'' کے عنوان سے ۵ جلدوں میں شائع ہو چکا ہے، جو احمد علی بابائی نے کیا ہے۔ جس کے تیرہ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

تفسیر نمونہ کی موضوعی فہرست

تفسیر نمونہ کے حوالے سے ایک اور اہم کام اس ۲۷ جلدی تفسیر کی موضوعی فہرست ہے کہ جو قارئین اور محققین کو اس تفسیر سے استفادہ کرنے میں بہت مدد و معاون ہو سکتی ہے۔ اس فہرست کے کل دس حصے ہیں:

۱۔ حروف تہجی کے لحاظ سے فہرست ۲۔ مطالب و مضامین کی فہرست

۳۔ انہی مطالب کی موضوعی فہرست بھی تیار کی گئی ہے جو تقریباً ۵۳۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

۴۔تفسیر میں نقل ہونے والی احادیث کی فہرست
۵۔اعلام کی فہرست
۶۔کتب کی فہرست
۷۔ازمنہ وامکنہ کی فہرست
۸۔قبائل وطوائف کی فہرست
۹۔تفسیر نمونہ میں آنے والے اشعار کی فہرست
۱۰۔لغات کی فہرست

یہ فہرست ۱۱۳۱ صفحات پر مشتمل ہے جو پہلی دفعہ ۱۳۸۵ھ شمسی میں ''راہنمای تفسیر نمونہ'' کے نام سے دارالکتب الاسلامیہ۔تہران کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔

تفسیر نمونہ کے ترجمے

یہ تفسیر ابھی تک دنیا کی چند زندہ زبانوں میں ترجمہ ہوچکی ہے۔عربی میں یہ ''الامثل'' کے نام سے شائع ہوئی ہے اور اس کا انگریزی ترجمہ بھی ہورہا ہے۔

اُردو ایڈیشن

اُردو میں یہ تفسیر ''تفسیر نمونہ'' کے نام ہی سے مولانا صفدر حسین نجفی اعلی اللہ مقامہ کے قلم سے ترجمہ ہوکر مقبولیت عام حاصل کرچکی ہے۔اُردو میں اس کی پہلی جلد کا ترجمہ ۲۲ شوال ۱۴۰۲ ہجری بمطابق ۱۲،اگست ۱۹۸۲ء کو تکمیل ہوا ہے۔اس کا پہلا ایڈیشن ۱۵ شعبان المعظم ۱۴۰۴ ہجری کو حوزہ علمیہ جامعۃ المنتظر لاہور کی طرف سے شائع کیا گیا ہے۔جس کے بعد اس کی دوسری جلدیں بھی تسلسل کے ساتھ شائع ہوتی رہی ہیں۔اُردو میں پہلے یہ تفسیر ۲۷ جلدوں میں ہی شائع ہوئی ہے،لیکن بعد میں ۱۵ جلدی ایڈیشن بھی بازار میں آگیا ہے۔

منابع

(اس مقالے کی تیاری میں ان منابع اسے استفادہ کیا گیا ہے)

(۱) مقدمہ تفسیر نمونہ،جلد اول،(اُردو) جامعۃ المنتظر ،لاہور
(۲) مقدمہ تفسیر نمونہ،جلد چہارم،(اُردو) جامعۃ المنتظر ،لاہور
(۳) راہنمای تفسیر نمونہ،محمد جعفر امامی،دارالکتب الاسلامیہ،تہران
(۴) سوفٹ ویئر،جامع نور تفاسیر (نسخہ نورالانوار ۳)،مرکز تحقیقات کامپیوتری علوم اسلامی،قم

☆☆☆☆☆

برصغیر کے شیعہ علماء کی تفسیری تالیفات

ڈاکٹر سید زوار حسین نقوی ☆

اس امر کی تعیین کہ برصغیر میں سب سے پہلی تفسیر کب لکھی گئی، ایک انتہائی مشکل کام ہے۔ لیکن بعض لوگوں کا خیال ہے کہ برصغیر کے لوگوں کا مدینہ منورہ کے مرکز اسلام سے رابطہ، دوسری صدی ہجری سے شروع ہوا۔ مسلمان تاجروں کی مدینہ آمد و رفت اس بات کا موجب بنی کہ وہ دینی مسائل سے آشنائی حاصل کریں اور بعد میں یہ تاجر برصغیر میں سکونت پذیر ہوئے جس کے نتیجے میں منصورہ میں انہوں نے ایک حکومت تشکیل دی جس کا حاکم ایک عرب خاندان تھا۔ ۷۱۲ء میں محمد بن قاسم کے برصغیر پر حملے کے بعد عمر بن عبدالعزیز نے سندھ کے راجوں اور نوابوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو ان میں سے بہت سوں نے اس دعوت کو خوشی خوشی قبول کر لیا۔

۸۸۳ء میں عمر ابن عبدالعزیز نے اپنے ہمسایہ ہندو حاکم کے حکم پر تفسیر نگاری کا حکم جاری کیا اور ایک عراقی عالم کو جو کہ سندھ میں پلا بڑھا تھا، سنسکرت زبان میں (جو کہ اس زمانے میں ہندوستان اور سندھ کی علمی زبان شمار ہوتی تھی) تفسیر لکھنے کا حکم دیا۔ بقول بزرگ بن شہریار، یہ تفسیر برصغیر میں قرآن کریم پر لکھی جانے والی سب سے پہلی تحریر تھی۔ ﴿۱﴾

یہ سلسلہ جاری رہا اور حال میں اردو زبان میں لکھی جا چکی تفاسیر کی تعداد ۷۰۰ تک پہنچ چکی ہے۔ اس کے علاوہ مقامی زبانوں کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی زبانوں میں بھی برصغیر میں تفاسیر لکھی جا چکی ہیں۔ مجلّات کے علاوہ اخبارات میں بھی تفسیر کے عنوان کے تحت مقالات چھاپ رہے ہیں۔ ایک عرصہ تک روزنامہ جنگ اس عنوان سے احتشام الحق تھانوی کی تفسیر چھاپتا رہا۔ ﴿۲﴾

☆ اُستاذ، محقق، فاضل حوزہ علمیہ مشہد مقدس

جہاں تک اہل تشیع کے قرآن پر لکھنے کا تعلق ہے تو اس حوالے سے یہی کہا جا سکتا ہے کہ برصغیر کے پیروان مکتب اہل بیت نے بھی تفسیر نگاری، نیز لغات القرآن، علوم القرآن اور تجوید القرآن پر کافی کام کیا ہے اور اردو، پنجابی، عربی، فارسی، پشتو، گجراتی اور انگلش وغیرہ میں کئی آثار معرض وجود میں لائے ہیں۔ راقم نے ایک استقراء کے بعد ان آثار کی درج ذیل تفصیل مہیا کی ہے:

۱۔ اردو:

اردو زبان میں ۱۹۴ تالیفات ہیں کہ جن میں سے ۷۰/عدد مکمل تفسیر، ۴۰/عدد مختلف سوروں کی تفسیر، ۱۲/عدد بھی چند سوروں کی تفسیر اور ۷۱/عدد تفسیر موضوعی ہیں۔

۲۔ انگریزی:

انگریزی زبان میں ۷/تالیفات ہیں۔

۳۔ عربی:

عربی زبان میں ۷۱ تألیفات ہیں۔

۴۔ فارسی:

فارسی زبان میں ۹/تالیفات ہیں۔

۵۔ سندھی:

سندھی زبان میں ۳/تالیفات ہیں۔

۶۔ پشتو، گجراتی اور بلتی زبان

ان زبانوں میں سے بھی ہر ایک زبان میں ایک ایک تالیف موجود ہے۔ ذیل میں ہم مختلف زبانوں میں موجود ان تألیفات کا اجمالی تعارف پیش کرتے ہیں:

اردو تألیفات

۱۔ حاشیہ بر تفسیر بیضاوی، سید علاالدولہ بن قاضی نوراللہ شوشتری؛ ۱۶۰۳۔۱۶۶۹/م؛ ۱۰۹۱/ق۔ ﴿۳﴾

۲۔ تفسیر قرآن مجید بہ روایت اہل بیتؑ شیخ محمد بن جعفر گجراتی ۱۱۱۱۔۱۰۴۷/ق ۱۶۳۴۔۱۶۹۸/ق۔ ﴿۴﴾

۳۔تفسیر مرتضوی، غلام مرتضی جنون آبادی،۱۱۹۴ق۱۷۸۰م،ص ۲۴۶؛ اس تفسیر کے متعدد خطی نسخے درج کتابخانوں میں موجود ہیں:

1۔کتابخانہ اداری ہندوستان، تاریخ کتابت ۱۲۴۰ق۔

2۔کتابخانہ مرکزی حیدرآباد، ۱۲۵۶ق۔

3۔ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد، ۱۲۰۰ق۔

4۔سالار کتابخانہ؛ جنگ حیدرآباد؛ ۱۲۷۰ق۔

5۔کتابخانہ مولانا آزاد و پنجاب یونیورسٹی، لاہور؛ ۱۲۰۰ق۔

6۔کتابخانہ خاص کراچی (چاپی ۱۲۵۹ق *.(اثناعشری،۱۱۹۴ق۱۷۸۰م؛ص ۱۲۸۔ *. بمبئی، مطبع حیدری ۱۲۵۹ق۱۸۴۳م؛صص ۲۷۶۔۲۷۹۔﴿۵﴾

۴۔تفسیر مرتضوی (منظوم) غلام مرتضی فیض آبادی، اثناعشری،۱۱۹۴ق۱۷۸۰م؛ص ۱۲۸؛اس کتاب کا خطی نسخہ ''ادارہ ادبیات اردو'' حیدرآباد دکن میں موجود اور آصف الدولہ کے زمانے کا لکھا ہوا ہے۔﴿۶﴾

۵۔تفسیر القرآن، وزیر علی، نسخہ خطی کتابخانہ آصفیہ؛ ص ۳۳۰؛ خط نستعلیق، تالیف :۱۸۳۰م ۱۲۵۰ق؛ کتابت ۱۲۷۳ق؛﴿۷﴾

۶۔ترجمہ وتفسیر ''توضیح مجید فی تنقیح کلام اللہ المجید''؛ سید علی مجتہد بن سید دلدار ۱۲۵۹ق (بمبئی، مطبع حیدری؛ ۱۲۵۲ق۱۸۳۶م ج ۴؛ یہ اردو زبان میں اہل تشیع کی طرف سے قرآن کریم کا پہلا مکمل مکتوب ترجمہ وتفسیر ہے۔﴿۸﴾ بمبئی، حیدری ۱۲۵۳ق۱۸۳۷م؛ ج ۴۔﴿۹﴾

۷۔تفسیر منہاج السداد، امداد بن علی رحمٰن بخش (امیر راجہ ۱۲۱۸۔۱۲۶۲ق۱۷۹۹۔۱۸۴۳م)

۸۔ترجمہ وتفسیر تنویر البیان؛ سید علی لکھنوی، آگرہ؛ اعجاز محمدی ۱۸۵۹م۱۲۷۲ق۔﴿۱۰﴾ آگرہ؛ اعجاز محمدی ۱۹۱۰م۔

۹۔تفسیر القرآن لتخریج لغات الفرقان؛ محمد سلیم؛ حیدرآباد دکن، مطبع حیدری؛ ۱۲۸۱ق۱۸۶۴م۔﴿۱۱﴾

۱۰۔عمدۃ البیان فی تفسیر القرآن؛ سید عمار علی (رئیس سونی پت) دہلی؛ مطبع یوسفی جلد ۱ و ۲؛ ۱۸۶۹م۱۲۸۸ق ص ۸۱۸، ج ۲؛ ۱۳۰۲ق ص ۶۹۹۔ (*دہلی، مطبع یوسفی ۱۳۰۔۱۳۰۰ق۱۸۸۴۔ ۱۸۸۹م ص ۱۶۷۴۔﴿۱۲﴾ دہلی؛ مطبع یوسفی ۱۳۱۰ق۱۸۹۲م ج ۳؛ (ج ۱،ص ۵۲۸؛ ج ۲،ص ۱۹؛ و ج ۳،

ص۵۵۸۔ .(*، دہلی، مطبع یوسفی ۔۱۹۰۴ء رم *.۱۸۹۹ء رم۱۳۱۸ رق ۔﴿۱۳﴾

۱۱۔ انوار الساطع: تفسیر سورہ واقعہ (اردو عربی) مولانا حافظ محمد ابراہیم / میر سیالکوٹی (ت۱۸۷۴رم)، سیالکوٹ، پاکستان، ۱۹۵۶رم ۔﴿۱۴﴾

۱۲۔ معدن الوداد، سید محمد سیرین سرفراز علی فیض آبادی، نسخہ خطی کتابخانہ کلب حسین، کتابت ۱۸۸۴رم۱۳۰۳رق ۔﴿۱۵﴾

۱۳۔ ترجمہ قرآن کریم؛ تاج العلماء مولانا سید علی محمد؛ ۱۳۱۲رق ۱۸۹۴رم لکھنو؛ ۱۸۸۵رق ۱۳۰۴رق؛ ۲ جلدیں، عربی متن کے بغیر؛ مسیحت وسر سید احمد کا رد۔﴿۱۶﴾

۱۴۔ ترجمہ قرآن شریف مع تفسیر؛ محمد حسین قلی خان (ش) لکھنو؛ ۱۸۸۵رم ۱۲۹۸رق، حسینی اثنا عشری ۷۹۶، ص ۱۷﴿۱۷﴾ لکھنو؛ ۱۸۸۶رم؛ ۱۲۹۹رق، ص۱۳۳۴ ۔﴿۱۸﴾ قاموس محل انتشار کلکتہ / دہلی ﴿۱۹﴾ کلکتہ، مطبع اثنا عشری ﴿۲۰﴾

۱۵۔ ترجمہ قرآن شریف، محمد حسین قلی خان ابن نواب مہدی خان؛ لکھنو؛ مطبع اثنا عشری؛ ۱۲۹۹رق ۱۸۸۶رم ص ۷۹۶؛ عربی متن کے بغیر ہے۔

۱۶۔ تفسیر عمدۃ البیان، مولانا سید عمار علی سونی پتی ۱۳۰۴رق ۱۸۸۶رم؛ لاہور، مطبع پنجابی، ۱۲۸۸رق۔ اس تفسیر میں اہل بیت علیہم السلام کی روایات اور آیات کی عقائد پر تطبیق کی گئی ہے۔ اس پر ممتاز العلما مولانا محمد تقی کی تقریظ موجود ہے۔ ۱۲۸۹رم *(ج:۱ ملتان، انجمن تنویر العزا، ۱۴۰۶رق؛ ص ۵۲۸؛ ج:۲ ملتان، انجمن تنویر العزا، ۱۴۰۶رق؛ صفحات ۵۵۹؛ ج:۳ ملتان، انجمن تنویر العزا ۱۴۰۶رق صفحات ۵۵۸؛ یہ جلد پہلی بار لاہور میں بھی پنجابی مطبع میں ۱۲۹۰رق میں ۶۹۹ صفحات میں چھپی ہے۔

۱۷۔ تفسیر ینابیع الابرار؛ مولانا ابراہیم ۱۸۸۸رم ۱۳۰۷رق ج ۳۔

۱۸۔ ترجمہ کلام اللہ؛ حافظ فرمان علی (متوفی ۱۳۲۳رق) ۱۳۰۸رق ۱۸۹۰رم ﴿۲۱﴾ لکھنو؛ نظامی پریس ۱۳۲۶رق ۱۹۰۸رم صفحات ۴۶۰ ﴿۲۲﴾ لکھنو؛ نظامی پریس، چاپ دوم، ۱۹۳۳رم۔ * لکھنو؛ نظامی پریس چاپ ۳، ۱۹۴۷رم ۱۳۶۵رق۔ * کراچی، پیر محمد ابراہیم ۱۳۹۰رق ۱۹۷۰رم، صفحات ۱۰۸۸۔ *۔ لاہور، مکتبہ تعمیر ادب، پنجاب پریس صفحات ۹۶۰؛ اس ترجمہ میں عربی متن کا مکتب تشیع کے اصول ومبانی کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔﴿۲۳﴾

۱۹۔تنویر البیان فی تفسیر القرآن، سید علی بن غفران مآب؛ ۱۲۵۹ق ۱۸۴۲م؛ آگرہ، اعجاز محمدی، ۱۸۹۳م ۱۳۱۳ق، ج ۱، صفحات ۴۰۰؛ ج ۲، صفحات ۳۸۲؛ ج ۳، صفحات صفحات ۴۰۴ ﴿۲۴﴾؛ ترجمہ: خلاصة المنهج (ملا فتح اللہ کاشانی ۹۹۷ق)۔﴿۲۵﴾ اس اثر کے مولف کا شمار شاہ رفیع الدین ۱۲۳۳ق، ۱۸۱۸م اور شاہ عبدالقادر ۱۲۰۳ق ۱۸۱۵م کے معاصرین میں سے ہوتا ہے۔﴿۲۶﴾

۲۰۔انوار الانظار، تاج العلماء مولانا سید علی محمد؛ ۱۳۱۲ق؛ ۱۸۹۴م۔﴿۲۷﴾

۲۔تفسیر تنویر البیان؛ سید محمد حسین اکبر آبادی (ش) آگرہ؛ اعجاز محمدی، ۱۳۱۳ق؛ ۱۸۹۵م ۱۱۹۶ صفحات؛ ترجمہ و تفسیر ''خلاصة المنهج'' از فتح اللہ کاشانی؛*. اعجاز محمدی ﴿۲۸﴾ ۱۹۱۰م۔﴿۲۹﴾

۲۲۔عین الیقین ترجمہ عربی تفسیر منسوب بہ حضرت امام حسین-؛ موسومہ مراۃ؛ مترجم محی الدین خان، محمد ابوالحسن؛ لاہور، ۱۹۰۱م؛ ۱۳۱۴ق۔﴿۳۰﴾

۲۳۔(آثار حیدری) ترجمہ و تفسیر منسوب بہ امام حسن عسکری-، سید شریف حسین بریلوی ۱۳۶۱ق؛ ۱۹۴۲م؛ بمبئی، امامیہ کتب خانہ، ۱۳۰۲ق؛ ۱۹۰۲م؛ صفحات: ۶۴۸؛ ترجمہ پر نظر ثانی: سید محمد ہارون زنگی پوری؛* لاہور؛ مفید عام پریس ۱۳۲۰ق؛ صفحات: ۴۰۰؛ *؛ لاہور، امامیہ کتب خانہ، گیلانی الیکٹرک پریس؛ تقاریظ مولانا سید نجم الحسن (۱۳۵۸ق) و سید محمد ہارون (۱۳۳۹ق)۔﴿۳۱﴾

۲۴۔ترجمہ و تفسیر قرآن شریف؛ مترجم محمد قلی خان (۱۳۲۰ق ۱۹۰۲م) سرسید احمد خان کے نظریات پر رد۔

۲۵۔قرآن شریف مترجم مع حاشیہ؛ مولانا شیخ علی ۱۳۶۷ق؛ ۱۹۴۷م؛ دہلی، مطبع اثنا عشری؛ ۱۹۱۰م ۱۳۳۰ق؛ صفحات: ۹۶۸۔

۲۶۔خلاصة التفسیر؛ سید محمد ہارون زنگی پوری ۱۹۱۰م؛ ۱۳۲۹ق۔

۲۷۔تنویر البیان؛ اردو خلاصہ از ''المنهج'' (تالیف ملا فتح اللہ کاشانی)؛ راحت حسین، کاتب اکبر آبادی؛ آگرہ؛ مطبع اعجاز محمدی ۱۹۱۱م؛ ۱۳۳۰ق؛ یہ ترجمہ و تفسیر مولوی سید حسین معروف سید علی مجتہد لکھنوی کی نگرانی میں انجام پایا، لیکن متن قرآن کے مترجم سید علی ہیں۔﴿۳۲﴾

۲۸۔قرآن مجید؛ مترجم: مقبول احمد؛ دہلی ۱۳۳۱ق؛ ۱۹۱۲م؛ ﴿۳۳﴾ مقبول، صفحات: ۹۶۶؛ ﴿۳۴﴾؛* لاہور؛ افتخار، صفحات: ۷۳۳؛ یہ ترجمہ بامحاورہ اور شیعہ مکتب فکر کی اساس پر ہے۔﴿۳۵﴾ اس ترجمہ کا ایک اور نام بھی ذکر ہوا ہے: آئمہ اہل بیت علیہم السلام کی روایات کے مطابق تفسیر با ترجمہ المعروف بہ

ترجمہ مقبول؛ ۱۹۲۱ء؛ ۱۳۳۹ق۔ یہ ترجمہ ۱۳۳۵ق/۱۹۱۷ء میں نواب حامد علی خان کے حکم سے انجام پایا۔ مقدمہ کے مطابق یہ ترجمہ ۱۳۷۱ق، ۱۹۵۲ء میں بھی چھپا ہے۔﴿۳۶﴾

۲۹۔ **التعلیقات علی تفسیر القمی**؛ علی بن ابراہیم قمی، مفتی سید طیب آغا جزائری لکھنوی؛ ۱۹۱۴ء؛ ۱۳۳۴ق؛ صفحات: ۲۰۳۔

۳۰۔ ترجمہ و تفسیر القرآن الکریم؛ حافظ سید فرمان علی ۱۳۳۴ق؛ ۱۹۱۴ء؛ لاہور، مکتبہ تعمیر ادب؛ پنجاب پریس؛ صفحات: ۹۶۰؛ ﴿۳۷﴾ اس ترجمہ کے متعدد ایڈیشن آ چکے ہیں اور یہ ترجمہ مناظرانہ مباحث پر مشتمل ہے۔

۳۱۔ تفسیر مقبول؛ مقبول احمد؛ دہلی؛ ۱۳۳۵ق؛ ۱۹۱۶ء۔﴿۳۸﴾

۳۲۔ قرآن مجید مترجم، مولانا سید مقبول احمد ۱۳۴۰ق؛ ۱۹۲۱ء؛ لاہور، افتخار بکڈپو کرشن نگر، استقلال پریس لاہور، چاپ اول: ۱۹۵۵ء، ۱۳۳۱ق؛ صفحات: ۱۲۱۰۔ یہ اثر کئی بار تجدید چاپ ہو چکا ہے۔

۳۳۔ ضمیمہ جات مقبول ترجمہ و حواشی؛ مولانا سید مقبول احمد ۱۹۲۱ء، ۱۳۴۰ق؛ دہلی، مقبول پریس، صفحات: ۶۳۲؛ اس ضمیمہ میں مقبول کی تفسیر کا وہ حصہ ہے جو حاشیہ پر نہ آ سکا۔

۳۴۔ قرآن مجید مترجم مع ترجمہ ضیاالقرآن، نجف، ۱۹۲۵ء۔ اس اثر میں عربی متن کے نیچے ترجمہ دیا گیا ہے۔

۳۵۔ خزینۃ الفضائل، سید محمد دہلوی، دہلی، مطبع یوسفی، ۱۹۴۱ء؛ صفحات: ۹۲۔

۳۶۔ ترجمہ و تفسیر قرآن الملقب بہ ضیاءالاسلام، مولانا زیرک حسین امروہی؛ ۱۳۶۵ق؛ ۱۹۴۶ء؛ دہلی، دلی پرنٹنگ ورکس، ۱۳۳۱ق۔ یہ قرآن کریم کی روائی تفسیر ہے اور اس میں جگہ جگہ قرآنی آیات کے ذیل میں تعویذات بھی لائے گئے ہیں۔

۳۷۔ تفسیر رضی، علامہ سید محمد رضی زنگی پوری ۱۹۵۰ء؛ ۱۳۷۰ق؛ بنارس، الجواد بک ڈپو؛ صوبہ رامپور میں نواب علی رضا خان کے حکم سے ایک کمیٹی تشکیل پائی کہ جس کے اراکین میں علامہ حافظ کفایت حسین (۱۹۱۴ء؛ ۱۳۸۸ق) مولانا سید محمد دہلوی (۱۹۷۲ء؛ ۱۳۹۲ق) اور علامہ سید محمد رضی زنگی پوری (۱۹۵۰ء؛ ۱۳۷۰ق) تھے۔ طے یہ تھا کہ یہ گروہ جامع تفسیر لکھیں لیکن تقسیم ہندوستان کی وجہ سے یہ کام انجام نہ پا سکا۔ لیکن اس دوران علامہ سید محمد رضی زنگی پوری نے جو کام انجام دیا اسے ان کے بیٹے مولانا ظفر الحسن نے

منتشر کیا۔﴿۳۹﴾

۳۸۔القرآن الکریم مترجم مع حواشی تفسیر لوامع البیان؛احمد علی میرزا؛لاہور؛کتابخانہ حسینیہ۱۹۵۵ء؛ *لاہور؛زرکمپنی،۲جلد،صفحات:۱۰۱۶۔﴿۴۰﴾

۳۹۔القرآن المبین مع ترجمہ،تفسیر المتقین مطابق باروایات آئمہ معصومین علیہم السلام؛امداد حسین کاظمی، لاہور، انصاف پریس،۱۹۶۰ء﴿۴۱﴾۱۳۸۰ق؛صفحات:۷۳۲؛﴿۴۲﴾ * کراچی؛ادارہ بحر العلوم اشاعۃ القرآن،۱۹۷۰ء؛۱۳۸۹ق؛جاوید؛صفحات:۶۰۶۔

۴۰۔تفسیر المتقین؛سید امداد حسین کاظمی (۱۳۳۵ق؛۱۹۷۵ء) لاہور،شیعہ بک ایجنسی،۱۹۶۱ء؛ ۱۳۸۱ق؛صفحات:۷۹۸۔

۴۱۔تفسیر معارف القرآن؛سید حفاظت حسین بن محمد ابراہیم بھیکپوری (۱۸۹۷۔۱۹۶۴ء)

۴۳۔قرآن مجید مترجم مع تفسیر لوامع القرآن؛مولانا میرزا احمد علی امرتسری (۱۳۹۰ق؛۱۹۷۰ء) لاہور؛ شیخ غلام احمد اینڈ سنز، خورشید عالم پریس؛ سرسید احمد خان کی آراء کا رد (۱۹۹۸) غلام احمد پرویز (۱۹۸۵ء) اور غلام احمد قادیانی ۱۹۰۸ء۔

۴۴۔تفسیر توضیح القرآن،سید مجاور حسین (۱۹۸۰ء) کراچی،۱۹۷۱ء۔﴿۴۳﴾

۴۵۔ایک مفسر قرآن؛مولانا احمد علی؛مکتبہ یوسفی؛لاہور۱۹۷۱ء؛صفحات:۱۳۸۔﴿۴۴﴾

۴۶۔تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف؛حسین بخش جاڑا،النجفی؛(۱۴۱۰ق؛۱۹۹۰ء) سرگودہا/دریا خان؛ دارالعلوم محمدیہ ٹرسٹ/ مکتبہ انوار النجف ۱۹۵۳۔۱۹۷۳ء؛ ۱۳۷۳۔۱۳۹۳ق؛ ق ،۱۴ جلد کامل؛ صفحات:۲۹۰۸﴿۴۵﴾

۴۷۔تفسیر القرآن؛ سید حسن ظفر امروہوی؛ کراچی،شمیم بک ڈپو؛ جلد: ۵؛ ۱۹۷۷۔۱۹۸۵ء؛ ۱۳۹۶۔۱۴۰۴ق۔﴿۴۶﴾

۴۸۔تفسیر القرآن؛ادیب اعظم سید ظفر حسن امروہوی (۱۴۰۹ق؛۱۹۸۸ء) کراچی،شمیم بکڈپو؛ صفحات:۴۰۰؛(۱۹۷۷ء) ج:۲صفحات:۳۴۰(۱۹۸۷ء) ج:۳صفحات:۴۰۲؛(۱۹۸۱ء)﴿۴۷﴾

۴۹۔تفسیر فرات کوفی؛شیخ فرات بن ابراہیم ابن فرات کوفی؛مترجم مولانا ملک محمد شریف ملتانی؛(۱۴۰۷ق؛ ۱۹۸۷ء)﴿۴۸﴾ملتان مکتبہ الساجد؛منظور پرنٹنگ پریس ۱۳۹۸ق؛۱۹۷۸ء؛صفحات:۴۵۳۔﴿۴۹﴾

۵۰۔مطالعہ قرآن؛ پروفیسر کرار حسین؛ کراچی؛ اسلامک کلچر؛ ۱۹۸۷ء؛ صفحات: ۲۲۰۔

۵۱۔مجمع البرہان فی تفسیر القرآن؛ مولانا فیروز حسین قریشی ہاشمی؛ پاکستان، تونسہ، مدرسہ امامیہ ضلع ڈیرہ غازی خان؛ ڈی۔ایچ پرنٹرز؛ لاہور؛ جلد:۲؛ صفحات: ۲۸۰؛ ۱۹۸۷ء؛ ۱۴۰۶ق۔﴿۵۰﴾

۵۲۔تفسیر قرآن معروف فصل خطاب؛ سید العلماء سید علی نقی نقوی بن ابو الحسن لکھنوی؛ ۱۹۸۸ء؛ ۱۴۰۸ق؛ جلد:۱(پارہ اول تا سوم) کشمیر؛ ۱۴۰۲ق؛ ۱۹۸۲ء؛ یہ جلد ادارہ ترویج علوم اسلامیہ، کراچی نے بھی مارچ ۱۹۸۶ء میں چھاپی ہے۔﴿۵۱﴾ جلد:۲(پارہ ۴ تا ۶) دہلی، ۱۹۸۳ء صفحات: ۴۸۳؛ جلد:۳ (پارہ ۷ تا ۱۰) دہلی، ۱۹۸۳ء؛ جلد: (پارہ ۱۱ تا ۱۵) دہلی ۱۹۸۴ء؛ جلد: ۵(پارہ ۱۶ تا ۲۰) کشمیر، ۱۹۸۵ء؛ جلد:۶(پارہ (۲۱ تا ۲۵) کشمیر، ۱۹۸۷ء﴿۵۲﴾۔

۵۳۔ترجمہ تفسیر نمونہ جلد ۱ تا ۲۷؛ آیۃ اللہ مکارم شیرازی، مترجم ج ۴ و ۶ مفتی آغا سید طیب جزائری؛ اور بقیہ جلدوں کا ترجمہ علامہ سید صفدر حسین نجفی (۱۹۸۹ء؛ ۱۴۱۰ق) نے کیا۔﴿۵۳﴾۔

۵۴۔مطالعہ قرآن؛ علامہ سید ذیشان حیدر جوادی؛ لکھنو، تنظیم المکاتب؛ ۱۹۹۴ء؛ صفحات: ۶۴۳۔

۵۵۔ انوار القرآن؛ علامہ ذیشان حیدر جوادی؛ لاہور، مصباح القرآن ٹرسٹ؛ ۱۴۱۵ق؛ ۱۹۹۶ء؛ صفحات: ۱۲۴۲۔﴿۵۴﴾۔

۵۶۔ایمان تفسیر (پنجابی) غلام اکبر یا فتح آبادی؛ لاہور؛ ویکٹوریہ پریس﴿۵۵﴾۔

۵۷۔تفسیر قرآن؛ ناشناختہ؛ خطی؛ براساس مذہب امامیہ، ادارہ ادبیات اردو حیدر آباد دکن کے در کتابخانہ میں موجود ہے۔

۵۸۔تفسیر القرآن (امامیہ مذہب کے مطابق) یوسف حسین مولوی﴿۵۶﴾۔

۵۹۔ **لمع العرفان فی توضیح القرآن**؛ مولانا سید احمد شاہ کاظمی؛ لکھنو﴿۵۷﴾۔

۶۰۔ترجمہ وتفسیر؛ محمد صادق مولوی؛ لکھنو؛ نظامی پریس﴿۵۸﴾۔

۶۱۔قرآن مجید مع خلاصہ التفاسیر؛ دہلی، مطبع یوسفی؛ صفحات ۶۵۰۔

۶۲۔ترجمہ وتفسیر؛ محمد بشیر مولوی﴿۵۹﴾۔

۶۳۔ترجمہ وتفسیر حیدری؛ محمد باقر یزدی؛ بمبئی؛ احمدی؛ صفحات: ۵۷۲؛ ترجمہ تفسیر منسوب بہ امام حسن عسکری -﴿۶۰﴾۔

۶۴۔مقدمہ تفسیر القرآن؛مولانا علی نقی؛،ادارہ علمیہ لاہور؛صفحات:۶۷۱﴿۶۱﴾۔

۶۵۔ترجمہ وتفسیر قرآن مجید؛علی نقی؛لکھنو؛جلد اول کے علاوہ باقی مجلدات غیر چاپی ہیں﴿۶۲﴾۔

۶۶۔**معالمات الاسرار و مکاشفات الاخیار**؛معروف بہ تفسیر حضرت شاہ؛حیدر آباد دکن؛مطبع حیدری﴿۶۳﴾۔

۶۷۔ترجمہ قرآن شریف؛ممتاز علی؛حیدرآباد دکن؛مطبع حیدری﴿۶۴﴾۔

۶۸۔ترجمہ وتفسیر؛اولاد حیدر بلگرمی،آگرہ،مجلدات:۱۱؛مذکورہ مجلدات میں سے فقط ایک جلد چاپ نہیں ہوسکی اور انجمن حیدریہ راولپندی کے کتابخانہ میں موجود ہے﴿۶۵﴾۔

۶۹۔مفید القرآن مع خواص الآیات،زیرک حسین رضوی امروہوی؛حیدرآباد،مطبع حیدری؛محمد عالم مختار نے اس اثر کا نام قرآن مجید مترجم قرار دیا ہے۔﴿۶۶﴾۔

۷۰۔ترجمہ وتفسیر قرآن مجید؛علامہ سید محمد صادق نواسہ نجم الملت؛لکھنو،نظامی پریس؛صفحات:۹۶۰﴿۶۷﴾۔

بعض قرآنی سوروں کی تفسیر

۷۱۔تفسیر سورہ ھل آتی؛شیخ محمد علی حزین؛(۱۶۸۳۔۱۷۶۰ء؛۱۱۰۳۔۱۱۰۸ق)

۷۲۔عمدۃ البیان فی تفسیر القرآن(ترجمہ وتفسیر بقرہ تا بنی اسرائیل بادیباچہ)سید عمار علی(رئیس سونی پت)۱۲۸۸ق؛۱۹۶۹ء؛دہلی؛مطبع یوسفی؛صفحات:۸۱۸؛اس تفسیر کی مجتہد العصر مولوی محمد نقی نے تائید فرمائی ہے۔بنقل از فہرست کتابخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن۔*دہلی؛یوسفی؛۱۳۰۷ق؛صفحات:۱۶۷۴﴿۶۸﴾۔

۷۳۔ابواب المصائب؛میرزا سلامت علی دبیر؛(۱۸۷۲ء؛۱۲۹۲ق)صفحات:۱۶۸؛اس اثر میں سورہ یوسف کی تفسیر ہے اور بعض مقامات پر مصائب بیان ہوئے ہیں﴿۶۹﴾۔

۷۴۔تفسیر سورہ ھل آتی؛تاج العلماء سید علی محمد لکھنوی(۱۳۱۲ق؛۱۸۹۴ء)۔

۷۵۔تنقید جدید؛تاج العلماء مولانا سید علی محمد(۱۳۱۲ق؛۱۸۹۴ء)تفسیر برخی از آیات قرآنی﴿۷۰﴾۔

۷۶۔تفسیر سورہ یوسف؛سید علی اکبر بن سید محمد سلطان العلماء(۱۹۰۷ء؛۱۳۲۷ق)لکھنو۔

۷۷۔ترجمہ وفضائل سورہ یاسین؛حافظ سید فرمان علی(۱۳۳۴ق؛۱۹۱۵ء)۔

۷۸۔اعظم المطالب فی آیات المناقب؛احمد حسین امروہوی(۱۸۵۰۔۱۹۱۸ء؛۱۲۷۰۔۱۳۳۸ق)

امروہہ؛اس کتاب میں آیات ولایت پر بحث ہوئی ہے۔

۷۹۔ اتقان البرہان فی تفسیر القرآن؛ سید محمد حسین لکھنوی (متولد: ۱۳۳۷ق؛ ۱۹۱۸م) لکھنو؛ مطبوعہ اثناعشری؛ ۱۳۲۶ق؛ ۱۹۰۷م۔ یہ اثر آیہ معراج کی تفسیر ہے۔﴿۷۱﴾۔

۸۰۔تفسیر سورہ حمد؛ سید محمد تقی (۱۹۱۲م؛۱۳۴۱ق) لکھنو؛صفحات حصہ اول:۳۰۸؛صفحات حصہ دوم؛۶۶۔

۸۱۔تفسیر سورہ یوسف؛ ممتاز العلماء سید محمد تقی لکھنوی (۱۹۱۲م؛۱۳۴۱ق) لکھنو﴿۷۲﴾۔

۸۲۔ ذیل البیان فی تفسیر القرآن؛ سید آقا حسین لکھنوی (۱۳۴۸ق) لکھنو؛ مطبع عماد الاسلام؛ ۱۹۲۲م؛۱۳۴۲ق؛صفحات:۱۸۸؛ یہ اثر بھی قرآن کریم کی بعض سوروں کی تفسیر ہے۔

۸۳۔تفسیر قرآن مجید (ترجمہ بصورت ضمیمہ) فرمان علی حافظ (اثناعشری) لکھنو؛ نظامی پریس؛ ۱۹۲۳م؛۱۳۴۱ق صفحات:۴۶﴿۷۳﴾۔

۸۴۔ چہاردہ سورہ راسلامی صحیفہ؛ مولانا خواجہ فیاض حسین (۱۹۱۳م؛۱۳۵۱ق) یہ اثر ۱۴ سوروں کا ترجمہ اوران سوروں کے خواص کا بیان ہے۔

۸۵۔تفسیر سورہ یوسف؛ سید ابراہیم بن محمد تقی لکھنوی (۱۹۳۷م؛۱۳۵۷ق)

۸۶۔قرآن مجید؛ (تفسیر سورہ حمد، بقرہ اور آل عمران) مولانا سید اولاد حیدر بلگرامی (۱۹۴۱م؛ ۱۳۶۱ق) لکھنو؛نظامی پریس؛صفحات:۱۲۰۔

۸۷۔مطالعہ قرآن؛ پروفیسر سید سردار نقوی؛ کراچی اسلامک کلچر اینڈ ریسرچ سنٹر؛ آفسٹ پرنٹنگ پریس مجلدات:۵؛(۱۹۸۴م۔۱۹۸۵م) یہ اثر سورہ مبارکہ **اخلاص، الفجر، الفلق، الناس** اور نفس مطمئنہ کی تفسیر ہے۔

۸۸۔دس چھوٹی سورتوں کی تفسیر؛ سید مرتضی حسین فاضل؛(۱۹۸۷م)

۸۹۔تفسیر سورہ کوثر؛ سید مرتضی حسین بن قاسم نقوی لاہوری لکھنوی (۱۹۸۸م؛ ۱۴۰۷ق) لاہور خطی نسخہ۔

۹۰۔ترجمہ البیان فی تفسیر القرآن؛ (آیۃ اللہ العظمی خوئی) مترجم شیخ محمد شفا نجفی؛ اسلام آباد، جامعہ اہل بیت، (۱۴۱۰ق؛ ۱۹۸۹م؛صفحات: ۵۳۴﴿۷۴﴾۔ * لاہور؛ جامعہ اہل بیت اسلام آباد، عظمت برادر پرنٹرز (۱۴۱۰ق؛۱۹۸۹م)﴿۷۵﴾۔

۹۱۔عیون العرفان فی تفہیم القرآن؛ علامہ محمد حسین نجفی (۱۹۹۰ء) سرگودہا، مکتبۃ المبلغ؛ صفحات: ۵۶؛ سورہ حمد اور سورہ بقرہ کی چند آیات کی تفسیر۔

۹۲۔ترجمہ قلب قرآن (تفسیر سورہ یاسین)؛ سید محمد دستغیب شیرازی؛ مترجم مولانا محمد ریاض قدوسی، لاہور، ولی العصر ٹرسٹ؛ ۱۴۱۱ق؛ ۱۹۱۹۱ء؛ صفحات: ۲۶۹ ﴿۷۶﴾۔

۹۳۔احسن الحدیث؛ طالب جوہری؛ لاہور، امام بارگاہ باب العلم (۱۹۹۶۔۲۰۰۲ء) جلد ا میں سورہ فاتحہ کے علاوہ سورہ بقرہ کی ۸۶ آیات ﴿۷۷﴾ کی تفسیر کی گئی ہے۔جلد ۲ میں سورہ بقرہ کی آیت ۸۷ تا ۱۷۹ کی تفسیر پیش کی گئی ہے ﴿۷۸﴾۔

۹۴۔ البیان (تفسیر سور فاتحہ) محمد فضل حق؛ کراچی؛ جامعہ تعلیمات اسلامی؛ صفحات: ۱۷۶ ﴿۷۹﴾۔سورہ یوسف کی بھی بارہویں اور تیرہویں صدی قمری کے نوشتہ جات سے تفسیر کی گئی ہے۔یہ خطی نسخہ گنج بخش کتابخانہ میں (شمارہ: ۱۷۹۷) موجود ہے ﴿۸۰﴾۔

۹۵۔تفسیر وتشریح آیہ ''اصطفی'' اور آل عمران کے معانی؛ مظہر علی اظہر بی.اے.ایڈوکیٹ؛ لاہور؛ امامیہ کتب خانہ؛ صفحات: ۲۴؛ تفسیر آیہ ۳۳، ۴۳ سورآل عمران ﴿۸۱﴾۔

۹۶۔ انوار القران؛ ﴿۸۲﴾ مولانا مشتاق حسین شاہدی؛ کراچی؛ قرآن کریم کے تیرہ سوروں (**فاتحہ ،قد، زلزال، تکاثر، ماعون، والعصر، فیل، قریش، کوثر، اخلاص، فلق، الناس، اللھب**) کی تفسیر ہے ﴿۸۳﴾۔

۹۷۔انوار القرآن (سورہ البقرہ) مولانا اظہار الحسنین؛ لکھنو؛ صفحات: ۶۷۲ ﴿۸۴﴾ بامتن عربی وتفسیر وترجمہ ﴿۸۵﴾۔

۹۸۔سورہ یاسین؛ مولانا رضی جعفر؛ کراچی؛ احمد بک ڈپو؛ صفحات: ۴۸۔

۹۹۔ **تکملۃ تفسیر ترجمان القرآن بلطایف البیان** (سورہ مریم تا سورہ تحریم) مولوی ذوالفقار احمد نقوی بھوپالی؛ آگرہ مفید عام۔

۱۰۰۔تفسیر سورۃ البلد؛ مولوی ذوالفقار احمد نقوی بھوپالی؛ آگرہ مفید عام۔

۱۰۱۔تفسیر القرآن (سورۂ بقرہ کی تفسیر تبلیغی) مولوی ذوالفقار احمد نقوی بھوپالی؛ لکھنو؛ صدیق بک ڈپو۔

۱۰۲۔تفسیر اساس البیان؛ سید علی صفدر، راولپنڈی، ہمدرد پریس مجلدات: ۲؛ قرآن کریم کے ۳۸

سوروں کی تفسیر﴿۸۶﴾۔

۱۰۳۔سورفاتحہ مترجم منظوم (مع فوائد) حیدری، حیدرآباد دکن؛ حیدری ﴿۸۷﴾۔

۱۰۴۔سات سورتیں مع ترجمہ وتفسیر؛ فرمان علی، حیدرآباد دکن؛ مطبع حیدری؛ بامتن عربی﴿۸۸﴾۔

۱۰۵۔تفسیر سورہ ھل آتی؛ سید امیر معزالدین حیدرآبادی﴿۸۹﴾۔

۱۰۶۔تفسیر سورہ یاسین؛ آیت اللہ حسین مظاہری؛ مترجم افتخار حسین نقوی؛ کراچی، مکتبۃ الرضا؛ ۴۴ فصل؛ صفحات: ۶۴۲﴿۹۰﴾۔

۱۰۷۔قرآن مجید کی چند سورتوں کا مطلب (قرآن کریم کی ۲۰ سورتوں کا ترجمہ) سید محمد زکی؛ لاہور؛ زرین آرٹ؛ صفحات: ۹۶

۱۰۸۔تفسیر سورہ یوسف؛ راجہ امداد علی خان؛ تفسیر سورہ یوسف؛ نقطہ کے بغیر۔

۱۰۹۔انوارالآیات؛ سید مرتضی حسین رصدرالافاضل؛ لاہور؛ یہ کتاب سورہ حجرات/۴۹ کی مختصر تفسیر پر مشتمل ہے﴿۹۱﴾۔

۱۱۰۔انوارالفرقان؛ مولانا مشتاق حسین شاہدی؛ کراچی صفحات: ۱۷۵؛ یہ کتاب قرآن کریم کی تیرہ سورتوں کی تفسیر ہے﴿۹۲﴾۔

بعض پاروں کی تفسیر

۱۱۱۔پارہ عم؛ منظوم؛ غلام مرتضی جنون آبادی؛ بمبئی، محمدی پریس ۱۲۶۸ق؛ ۱۸۵۲م﴿۹۳﴾۔

۱۱۲۔تفسیر پارہ اول؛ سید غضنفر علی بی.اے.دہلی؛ ۱۹۲۳م؛ ترجمہ منظوم پارہ اول۔

۱۱۳۔اجزأ من تفسیر القرآن؛ السید حسن بن قلب عابد قلب حسنین ولی محمد حسین رالجالی رالکھنوی (۱۲۸۲ق۔۱۳۴۸ق؛ ۱۸۶۳م۔۱۹۲۹م﴿۹۴﴾۔

۱۱۴۔تفسیر پارہ الم؛ سید غضنفر علی بی.اے.دہلی﴿۹۵﴾۱۹۳۲م؛ منظوم﴿۹۶﴾۔

۱۱۵۔تفسیر پارہ ۳۰؛ مولانا سید قاسم رضا نسیم امروہوی (۱۴۱۰ق) خیر پور؛ مہران بک سنٹر۔

۱۱۶۔تفسیر نور (منظوم) سید غضنفر علی؛ دہلی؛ ۱۳۵۱ق؛ ۱۹۳۲م۔عربی متن کے ہمراہ؛ ﴿۹۷﴾* دہلی، ۱۹۴۲م﴿۹۸﴾۔

۱۱۷۔انوارالقرآن؛ سید راحت حسین بن سید ظاہر حسین الرضوی الہندی الکوپال پوری الھیکپوری

(۱۲۷۹ق۔۱۳۷۵ق؛ ۱۸۷۸۔ ۱۹۵۶م) کھجوا، مطبع اصلاح ۱۳۵۷ق؛ ۱۹۳۸م۔ یہ قرآن کریم کی تفسیر ہے جسے مصنف نے گیارہویں پارے تک انجام دیا اوراس کے بعد ان کی رحلت ہوگئی۔ ان کے بعد ان کے فرزند سید علی نے ان کے کام کو جاری رکھا اور اس کام کو پارہ ۲۳ تک پہنچایا۔ اس کتاب کا مقدمہ اور سورہ فاتحہ، بقرہ اور آل عمران کی تفسیر چھپی ہے۔﴿۹۹﴾

۱۱۸۔ انوارالقرآن (تفسیر پارہ ۳۰) ڈاکٹر بشارت احمد؛ لاہور: پاکستان؛ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام؛ ۱۳۷۵ق؛ ۱۹۵۶م صفحات: ۲۸۸۔ * چاپخانہ ہاکیلانی ۱۳۵۳ق؛ صفحات: ۲۳۳۔﴿۱۰۰﴾

۱۱۹۔ **الکھف و الرقیم فی شرح بسم الله الرحمن الرحیم**؛ عبدالکریم جیلی؛ ترجمہ محمد تقی حیدر، لاہور الکتاب؛ ۱۹۷۷م ﴿۱۰۱﴾ * لاہور الکتاب؛ ۱۹۸۴م؛ صفحات: ۶۱۴؛ عربی متن کے ہمراہ۔﴿۱۰۲﴾

۱۲۰۔ تفسیر یوسفی: پارہ: ۳۰؛ علامہ سید یوسف حسین نجفی امروہوی؛ میرٹ؛ احسن المطابع۔

۱۲۱۔ تفسیر قرآن؛ محمد رضا لاہرپوری؛ یہ اثر تین پاروں کی تفسیر ہے۔﴿۱۰۳﴾

۱۲۲۔ قرآن مبین؛ ڈاکٹر؛ محمد حسن رضوی؛ کراچی؛ میزان اسلامک سنٹر؛ یہ قرآن کریم کے انیس پاروں کی تفسیر ہے۔

تفسیر آیات یا تفسیر موضوعی

۱۲۳۔ **الناسخ و المنسوخ**؛ شیخ محمد بن ابوطالب (۱۶۸۴۔۱۷۶۰م؛ ۱۱۰۳۔۱۱۸۰ق)

۱۲۴۔ **ذریعة المغفرة**؛ مولانا ذاکر علی جونپوری (۱۷۹۱م؛ ۱۲۱۱ق) یہ اثر قرآن کریم کی بعض آیات کی تفسیر ہے۔

۱۲۵۔ **کشف الغطاء عن وجوه آیات هل آتی**؛ مولانا سید رجب علی دہلوی؛ کوہ نور (۱۸۴۶م؛ ۱۲۶۶ق) یہ اثر سورہ ھل آتی کی تفسیر ہے اوراس کے ضمن میں فضایل اہل بیت÷ بیان ہوئے ہیں۔

۱۲۶۔ تفسیر آیۂ ''**انک لعلی خلق عظیم**''؛ مولانا محمد باقر دہلوی (۱۸۵۷م) دہلی۔ یہ اثر اخلاقی موضوعات اور اخلاق پیغمبر کی تشریح ہے۔﴿۱۰۴﴾ * دہلی؛ صفحات: ۱۶۰؛ اس اثر میں جناب محمد سالم بخاری کے آیۂ تطہیر کے بارے میں اشعار نقل ہوئے ہیں۔ * دہلی، مطبع یوسفی (۱۸۸۰م؛ ۱۳۰۰ق)۔﴿۱۰۵﴾

۱۲۷۔ظل ممدود؛ سید ابراہیم بن محمد تقی لکھنوی (۱۸۸۷ء؍ ۱۳۰۷ھ) یہ اثر سورہ ھود؛ یوسف؛ اور کہف کی تفسیر ہے۔﴿۱۰۶﴾

۱۲۸۔''خمسة متحيرة'' قول مولوی سلامت اللہ؛ مولانا علی حسین زنگی پوری (۱۸۹۰ء؍ ۱۳۱۰ھ) یہ اثر سورہ قدر کی تفسیر ہے۔

۱۲۹۔**مفيد المستبصر**؛ مولانا میرزا رضا علی؛ لکھنو، مطبع اثنا عشر (۲۳ شوال ۱۳۱۲ھ۔ ۱۸۹۲ء) صفحات: ۳۲؛ یہ اثر آیۂ'' **محمد رسول الله ...على الكفار**'' کی تفسیر ہے۔

۱۳۰۔**ايجاز التحرير في آية التطهير** ؛ سید ناصر بن مظفر حسین جونپوری (۱۸۹۳ء؍ ۱۳۱۳ھ) ﴿۱۰۷﴾ اس اثر میں آیۂ تطہیر کے ضمن میں اہل بیت اطہار کے فضائل بیان ہوئے ہیں۔﴿۱۰۸﴾

۱۳۱۔ در بے بہا؛ تاج العلماء سید علی محمد لکھنوی (۱۳۱۲ھ؍ ۱۸۹۴ء) لکھنو؛ مطبع اثنا عشری (۱۳۱۰ھ) اس اثر میں قرآنی آیات سے اہل بیت اطہار کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں۔

۱۳۲۔حواشی القرآن؛ تاج العلماء سید علی محمد لکھنوی (۱۳۱۲ھ؍ ۱۸۹۴ء) مذکورہ حواشی، سرسید احمد خان کی آراء کا جواب ہیں۔

۱۳۳۔**التطهير**، قاضی فقیر علی عاقل انصاری، لاہور، اردو اخبار پریس، ۱۹۰۲ء؍ ۱۳۲۱ھ؛ صفحات: ۴۷۔ اس اثر میں ۲۵ دلائل کی روشنی میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ آیۂ تطہیر کا شان نزول پنجتن پاک ہیں۔

۱۳۴۔ برہان البیان؛ مولانا علامہ ابوالقاسم لاہوری (۱۹۰۵ء؍ ۱۳۲۴ھ) ﴿۱۰۹﴾

۱۳۵۔ ازہار التنزیل، سید محمد محسن زنگی پوری (۱۸۴۶۔۱۹۰۷ء) نواب محمد علی خان، لکھنو، نظامی پریس، صفحات: ۲۰۔ اس اثر میں ایسی ۵۸ قرآنی ایات کا ترجمہ کہ جن میں اسلام کا کلمہ استعمال ہوا ہے۔

۱۳۶۔تفسیر **هل آتى**؛ مولانا سید اکبر بن سلطان العلماء (۱۹۰۸ء؍ ۱۳۲۷ھ)۔

۱۳۷۔ **آيات جلي في شأن مولانا علىؑ**؛ آغا عبد علی بن بندہ علی قزلباش دہلوی، مطبع یوسفی، (۱۹۱۰ء؍ ۱۳۳۰ھ) صفحات: ۵۶۰۔ اس کتاب میں تقریباً ۴۰۰ آیات سے امیر المومنین حضرت علی کے فضائل لائے گئے ہیں۔﴿۱۱۰﴾

۱۳۸۔ کشف حقیقت یعنی تفسیر آیت ساق؛ خواجہ غلام حسنین (۱۳۵۶ھ) لاہور، رفاہ عام پریس (۱۹۱۱ء) صفحات: ۲۴۔

۱۳۹۔ اتفاق البرہان، مولانا محمد علی طبسی حیدر آبادی (۱۹۸۱۱ء؛ ۱۳۳۱ق) یہ اثر آیۂ معراج کی تفسیر ہے۔﴿۱۱۱﴾

۱۴۰۔ **تاویل المحکم فی متشابه نصوص الحکم**؛ سید حسن امروہوی، لکھنو؛ ۱۹۱۲ء؛ ۱۳۳۲ق؛ صفحات: ۵۷۸۔﴿۱۱۲﴾

۱۴۱۔ تفسیر **اینما**؛ غلام حسنین کنتوری (۱۹۱۷ء؛ ۱۳۳۷ق) یہ اثر آیۂ شریفہ ' **اینما تولوا فثم** ... کی تفسیر ہے۔

۱۴۲۔ **رسالة اعظم المطالب فی آیات المناقب**؛ سید احمد حسین بن ابراہیم علی امروہوی (۱۹۱۸ء؛ ۱۳۳۸ق) اس اثر میں اہل سنت کی کتب سے امام علی - کے فضائل ومناقب اکٹھے کیے گئے ہیں۔

۱۴۳۔ التنویر؛ مولانا سید حسن عباس موسوی، لکھنو؛ (۱۹۲۱ء؛ ۱۳۴۱ق) یہ اثر قاضی نور اللہ شوشتری کی آیت تطہیر کی تفسیر (۱۰۱۹ق) کا ترجمہ ہے اور اس میں عربی متن بھی ہمراہ ہے۔﴿۱۱۳﴾

۱۴۴۔ آیات فضائل، مولانا محمد تقی (۱۹۲۱ء؛ ۱۲۳۱۴ق) یہ اثر ۴ جلدوں میں ہے اور فضائل اہل بیت اطہار ÷ کی آیات کی تفسیر پر حاوی ہے۔﴿۱۱۴﴾

۱۴۵۔ **توضیح خلافت مقربین**؛ سید حیدر حسین ترمذی، امرتسر، آفتاب برقی پریس (۱۳۴۲ق؛ ۱۹۲۴ء) صفحات: ۱۲۶؛ یہ اثر آیت تطہیر، انما ولیکم، سورہ الم نشرح کی تفسیر اور اولی الامر کے مصداق کے بارے میں ہے۔﴿۱۱۵﴾

۱۴۶۔ **درر سنیہ**، مقرب علی خان جگرانوی (۱۹۲۵ء؛ ۱۳۴۵ق) اس اثر میں امام حسین- کی شہادت کا آیات قرآنی سے اثبات کیا گیا ہے۔

۱۴۷۔ **ذریعة النجات فی العرصات**؛ ابوالقاسم مقرب علی خان جگرانوی (۱۹۲۵ء؛ ۱۳۴۵ق) دہلی، یوسف پریس ۱۹۰۰ء؛ ۱۳۲۰ق۔ صفحات: ۴۰۰۔

۱۴۹۔ **مناقب الصادقین من القران المبین**؛ مقرب علی خان (۱۸۴۴۔۱۹۲۶ء) یہ اثر قرآن کریم سے اہل بیت÷ کے فضائل کے اثبات میں ہے۔

۱۵۰۔ **برهان مجادله فی تفسیر آیة مباهله**؛ شیخ محمد اعجاز حسین محمدی بدایوانی (۱۹۳۰ء؛

۱۳۵۰ق) لکھنو اس اثر میں آیہ مباہلہ کے سبب نزول پر بحث کی گئی ہے۔﴿۱۱۶﴾

۱۵۱۔ **توضیح الرکعات عن آیات الصلاۃ**؛ سید یوسف حسین نجفی امروہوی (۱۹۳۲م؛ ۱۳۵۲ق) رد بر رسالہ'' تصدق حسین دو رکعتی''۔

۱۵۲۔ میزان حق؛ مولانا سید محمد سبطین سرسوی (۱۹۴۷م) لاہور، دفتر البرہان، گلزار ستیم پریس؛ صفحات: ۱۴۸۔ یہ اثر آیہ ''**ولقد ارسلنا رسلنا و انزلنا معھم المیزان**'' کی تفسیر ہے۔

۱۵۳۔ **حقیقۃ الفتنہ**؛ نواب علی رضا خان قزلباش، سیالکوت، ادارہ معارف آل محمد، انسان پریس لاہور (۱۹۵۲م) صفحات: ۱۶؛ یہ اثر آیہ شریفہ : ''**انما اموالکم و اولادکم** .. .الآیہ'' کی تفسیر اور ''فتنہ'' کے کلمے کی تشریح ہے۔

۱۵۴۔ فلسفہ محبت اہل بیت÷؛ سید اقبال احمد نقوی، بنارس، الجواد بکڈپو، (۱۹۵۲م) صفحات: ۲۴۔ یہ اثر آیہ مودت کی تفسیر ہے۔

۱۵۵۔ تفسیر انوار القرآن؛ مولانا سید راحت حسین گوپالپوری (۱۳۷۶ق؛ ۱۹۵۷م)۔ یہ اثر سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کی بعض آیات کی تفسیر ہے، نیز اس میں آزاد ترجمہ، علم صرف، ظاہری تفسیر، شیعہ اور سنی تفسیر اور انبیاء کی عصمت کے موضوعات بھی زیر بحث آئے ہیں۔

۱۵۶۔ ذکر الثقلین؛ سید حفاظت حسین بن ابراہیم بھکپوری (۱۸۹۷۔۱۹۶۴م) یہ اثر قرآن کریم کی آیات سے اہل بیت÷ کے فضائل و مناقب کا بیان ہے۔

۱۵۷۔ تفسیر آیہ تطہیر مع شرایط و تاثیر؛ سید حفاظت حسین بھکپوری (۱۹۶۴م؛ ۱۳۸۴ق) کھجوا ضلع سارن؛ مطبع اصلاح، ۱۹۳۱م۔ صفحات: ۷۱۔﴿۱۱۷﴾

۱۵۸۔ تنویر فی بیان آیہ تطہیر؛ قاضی نور اللہ شوشتری شہید ثالث؛ مترجم مولانا حسن عباس، آگرہ، ۱۳۱۴ق؛ ۱۹۶۶م)﴿۱۱۸﴾

۱۵۹۔ صراط مستقیم؛ سید حسن نواب رضوی؛ راولپنڈی؛ اکتوبر ۱۹۶۸م؛ صفحات: ۲۲۱۔ یہ اثر قرآن کریم کی ۴۷ آیات کی موضوعی تفسیر ہے۔

۱۶۰۔ قرآن حکیم اور آخری پیامبر؛ آیۃ اللہ ناصر مکارم شیرازی کی کتاب ''قرآن و آخرین پیامبر'' کا ترجمہ؛ مترجم ذیشان حیدر جوادی (۱۴۲۱ق) لکھنو، ۱۹۷۶م۔

۱۶۲۔ درس آل محمد کا تعارف، مولانا محمد اسماعیل (۱۹۷۶ء) کراچی۔

۱۶۳۔ تفسیر خلافت؛ مولانا محمد اسماعیل دیوبندی (۱۹۷۷ء؛ ۱۳۹۶ق)، فیصل آباد، مکتب شیعہ دار التبلیغ، پاکستان الکٹریک پریس؛ صفحات: ۱۶۸۔ یہ اثر آیہ استخلاف، ولایت اور مودت کی تفسیر ہے۔

۱۶۴۔ عید غدیر؛ خواجہ محمد لطیف انصاری (۱۹۹۷ء؛ ۱۳۹۹ق) سیالکوٹ، انجمن صادقیہ اثنا عشر، انصاف پریس* لاہور (۱۳۷۴ق؛ ۱۹۵۵ء) صفحات: ۱۶۔

۱۶۵۔ درس قرآن حکیم؛ مولانا سید محمد رضی، جز اول، کراچی، ادارہ نشر علوم دینیہ، انٹرنیشنل پریس (۱۹۸۲ء) یہ اثر ریڈیو پاکستان سے نشر ہونے والے مصنف کے دروس کا مجموعہ ہے۔

۱۶۶۔ **میزان الایمان من آیات الفرقان**؛ مولانا میرزا یوسف (۱۹۸۸ء) لاہور، نامی پریس؛ جلد اول (۱۹۸۴ء) صفحات: ۷۸۶؛ جلد ۲: (۱۴۰۲ق) صفحات: ۵۳۶، اس اثر پر سید مرتضی حسین فاضل (۱۹۸۷ء) نے مقدمہ لکھا ہے اور یہ اثر آیات عقاید و اعمال کی تفسیر ہے۔

۱۶۷۔ درس قرآن، استاد مطہری، کراچی، دار الثقافہ الاسلامیہ، تیموریہ پرنٹنگ پریس (۱۴۰۷ق؛ ۱۹۸۷ء) صفحات: ۳۲۸ یہ اثر استاد مطہری کی کتاب درس قرآن کا ترجمہ ہے۔

۱۶۸۔ انوار الآیات؛ مولانا سید مرتضی حسین فاضل (۱۹۸۷ء) لاہور، یہ اثر سورہ حجرات اور ایک سو سے زائد دیگر آیات کی تفسیر ہے۔

۱۶۹۔ نور علی نور؛ مولانا طالب علی کرپالوی، لاہور، جعفری دار التبلیغ، معراج الدین پرنٹرز (۱۴۰۸ق؛ ۱۹۸۸ء) صفحات: ۳۱۲۔ یہ اثر قرآن کریم سے حضرت علی- کے فضایل کا بیان ہے۔

۱۷۰۔ مجمع الآیات؛ ادیب اعظم سید ظفر حسین امروہوی (۱۴۰۹ق؛ ۱۹۸۸ء) کراچی، شمیم بکڈپو؛ صفحات: ۶۵۶ یہ اثر بعض آیات کا ترجمہ و تفسیر ہے۔

۱۷۱۔ علی فی القرآن؛ مراد علی؛ جھنگ، ولی العصر ٹرسٹ (۱۹۸۹ء) لکھنو، عباس بک ایجنسی؛ صفحات: ۴۰۔ اس اثر میں اہل سنت کی کتب سے فضایل امیر المومنین- کی آیات کی تفسیر کا بیان ہے۔

۱۷۲۔ آیہ تطہیر؛ مولانا سید امیر حسین نجفی (۱۹۸۹ء؛ ۱۴۰۸ق) لاہور؛ امامیہ مشن، تعلیمی پریس، صفحات: ۲۴۔

۱۷۳۔ مہدی فی القرآن؛ سید صادق حسینی شیرازی، مترجم محمد حسین، جھنگ، ۱۴۰۹ق؛ ۱۹۸۹ء)

صفحات:۲۱۹۔ یہ اثر حضرت امام مہدی - کے فضایل کا قرآن سے بیان ہے۔

۱۷۴۔آیۃ الکرسی پیام (آسمانی توحید) یا آیۃ الکرسی پر دس تقاریر کا مجموعہ، آقای محمد تقی فلسفی؛ مترجم مولانا محمد تقی نقوی، لاہور، مصباح ٹرسٹ (۱۹۹۰ء) صفحات:۲۶۰۔

۱۷۵۔قرآن کا دائمی منشور؛ استاد جعفر سبحانی، مترجم سید صفدر حسین نجفی (۱۹۸۹ء) لاہور، مصباح القرآن ٹرسٹ، مجلدات:۷۔

۱۷۶۔اہل بیت آیہ تطہیر کی روشنی میں؛ محمد مہدی آصفی، مترجم مولانا روشن علی نجفی سلطانپوری، کراچی، دارالثقافۃ الاسلامیۃ؛ (۱۴۱۳ق؛۱۹۹۳ء) صفحات:۲۲۴۔

۱۷۷۔ترجمہ پیام قرآن؛ آیۃ اللہ مکارم شیرازی؛ مترجم سید صفدر حسین نجفی؛ لاہور، مصباح القرآن ٹرسٹ؛ مجلدات:۳۔

۱۷۸۔دعوت اتحاد؛ ڈاکٹر محمد ناصر حسین نقوی؛ لاہور، ادارہ علوم الاسلام، نقوش پریس۔ یہ اثر آیۂ قل تعالوا...الآیہ کی تفسیر ہے۔

۱۷۹۔تحقیق آیہ نجویٰ؛ شیخ محمد اسحاق نجفی و میرزا محمد جعفر، کراچی۔صفحات:۳۰۔﴿۱۱۹﴾

۱۸۰۔**التذکیر بآیۃ التطھیر**؛ تجمل حسین گوپاموی، مدراس۔

۱۸۱۔تفسیر پیام قرآن، ناصر مکارم شیرازی، مترجم شیخ محمد امین شہیدی کاشغری۔﴿۱۲۰﴾

۱۸۲۔صراط مستقیم؛ خادم حسین خان، گوجرہ، مکتبہ دارالتبلیغ؛ صفحات:۳۸۔ یہ اثر آیۂ شریفہ" **و انّ من شیعتہ لابراھیم** " کی تفسیر ہے۔

۱۸۳۔قرآن میں ذکر حسین؛ اس اثر میں حضرت امام حسین کے قرآن سے مناقب بیان ہوئے ہیں۔

۱۸۴۔قرآن واہل بیت؛ مولانا شاد حسین گیلانی؛ لاہور، ادارہ علوم اسلامیہ، صفحات:۶۰۔

۱۸۵۔قرآن نظریہ خلافت؛ ناصر حسین فیض آبادی، لاہور، انجمن عباسیہ، نارووال؛ سیالکوٹ﴿۱۲۱﴾

۱۸۶۔قربی ومودت؛ پروفیسر سید زین الدین، کراچی، صفحات:۱۴۰۔

۱۸۷۔توبہ؛ سید عبداللہ دستغیب، مترجم: عابد عسکری، لاہور، امامیہ پبلیشرز، صفحات:۹۰۔ یہ اثر آیۂ شریفہ "**یایھا الذین آمنوا توبوا الی اللہ توبۃ نصوحا**" کی تفسیر ہے۔

۱۸۸۔گلشن جنت؛علی المرغوب نقوی،لکھنو،سرفراز قومی پریس۔اس اثر میں آیت الکرسی، ،آیت شہادت اور آیۃ الملک کے خواص اور اس کا منظوم ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔

۱۸۹۔قصص الانبیاء؛مولانا سید احمد بن رضا بن محمد نقوی،نجف اشرف،صفحات:۲۴۸۔

۱۹۰۔قصہ اصحاب کہف؛رحمت حسین قمر،دہلی،مطبع اثنا عشری۔یہ اثر سورہ کہف کا منظوم ترجمہ ہے۔

۱۹۱۔مفہوم آیہ اطاعت؛ثاقب نقوی،لاہور،الجامعہ پبلی کیشنز؛جامعۃ المنتظر ماڈل ٹاون،نامی پریس۔ اس اثر میں علامہ سید نقی کی آیہ ''یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ...الآیہ کے بارے میں تقریر پیش کی گئی ہے۔

۱۹۲۔آیہ تطہیر میں اہل بیت÷ کا درخشان چہرہ؛محمد فضال،شہاب الدین اشراقی؛مترجم محمد تقی نقوی، لاہور،مصباح الہدی۔

۱۹۳۔آیہ مودت؛مشتاق حسین شاہدی،کراچی،قصر میثب رضویہ سوسایٹی؛صفحات:۱۴۔﴿۱۲۲﴾

۱۹۴۔مودۃ القربی؛کجوا،مطبع اصلاح؛صفحات:۳۲۸؛اس اثر میں آیہ مودت کی تفسیر اور اس کے بارے میں ہونے والے بعض اعتراضات کا جواب پیش کیا گیا ہے۔

انگریزی تألیفات

۱۹۵۔ترجمہ قرآن؛سید حسین بلگرامی(۱۳۴۴ق؛/۱۹۳۵م)۔

۱۹۶۔ترجمہ وحواشی قرآن؛بادشاہ حسین ۱۳۵۶ق؛۱۹۳۷م)لکھنو،مدرسۃ الواعظین؛۱۳۵۰ق؛ ۱۹۳۱م۔

۱۹۷۔Aserene Soul؛پروفیسر سید احتشام حسین؛لکھنو، امامیہ مشن،۱۹۶۶م۔اس اثر کے عنوان کا ترجمہ ''نفس مطمئنہ'' ہوتا ہے۔

۱۹۸۔ترجمہ وحواشی قرآن؛پروفیسر میر احمد علی وفا خان(۱۳۹۶ق؛۱۹۷۶م)اور حجۃ الاسلام مرزا مہدی پویا(۱۳۹۳ق؛۱۹۷۳م)۔

۱۹۹۔ترجمہ تفسیر المیزان؛جلد ۱ تا ۹؛علامہ سید محمد حسین طباطبائی (۱۹۸۳م) مترجم سید سعید اختر رضوی(۱۴۰۰ق؛۱۹۸۱م)تہران،سازمان تبلیغات اسلامی۔﴿۱۲۳﴾

۲۰۰۔ترجمہ البیان؛آیۃ اللہ العظمی خوئی(۱۹۹۲م)مترجم سید سعید اختر رضوی(۱۴۰۰ق؛۱۹۸۱م)۔

۲۰۱۔ترجمہ قرآن؛ایم شاکر؛قم؛انصاریان پبلیکیشنز؛صفحات:۶۴۳۔

عربی تألیفات

۲۰۲۔حاشیہ تفسیر بیضاوی؛ ملاسید طاہر بن رضی الدین ہمدانی (۱۴۷۵۔۱۵۴۵م) یہ اثر خطی نسخہ ہے۔

۲۰۳۔تفسیر سواطع الالہام؛ ابوالفیض فیضی (۱۵۴۷۔۱۵۹۵م) یہ اثر نقطے کے بغیر تفسیر ہے۔

۲۰۴۔حاشیہ تفسیر بیضاوی؛ دوجلد؛ قاضی سید نوراللہ شوشتری (۱۵۴۹۔۱۶۱۰م)۔

۲۰۵۔تفسیر سورہ اخلاص؛ سید ابو المعالی بن قاضی نور اللہ شوشتری (۱۰۰۴۔۱۰۴۶ق؛ ۱۵۸۵۔۱۶۲۷م) یہ نسخہ خطی ہے۔

۲۰۶۔انوار القرآن؛ شیخ غلام نقشبندی لکھنوی (م:۱۱۲۶ق؛ ۱۷۰۷ق) ﴿۱۲۴﴾

۲۰۷۔تفسیر سورۃ الحشر؛ شیخ محمد علی حزین بن (۱۱۰۳۔۱۱۸۰ق؛ ۱۶۸۴۔۱۷۶۱م)

۲۰۸۔تفسیر روائع القرآن؛ مفتی سید محمد عباس لکھنوی (۱۸۸۹۔۱۸۹۰م) یہ اثر ان آیات کی تفسیر ہے جو اہل البیت ÷ کی شان میں نازل ہوئیں۔

۲۰۹۔احسن القصص (تفسیر سورہ یوسف) سید علی محمد بن سلطان العلماء السید محمد بن السید دلدار علی النقوی النصیر آبادی الکھنوی مشہور بہ تاج العلماء (۱۲۶۰ق؛ ۱۸۴۴م) لکھنو؛ ہندوستان (م:۱۳۱۲ق؛ ۱۸۹۲م) عظیم آباد؛ بیہار ہند؛ صبح الصادق: ۱۳۰۵ق؛ ۱۸۸۶م) چاپ سنگی؛ صفحات: ۸۱۲۔ یہ کتاب ۱۳۸۸ق میں نجف اشرف میں چھپی۔﴿۱۲۵﴾

۲۱۰۔امالی؛ سید حسین دلداری، ہندی فرزند سید دلدار علی ۱۲۷۳ق؛ ۱۸۵۴م) اس کتاب میں سورحمد، توحید اور دہر کے ساتھ ساتھ چند سورہ بقرۃ کی چند آیات کی بھی تفسیر پیش کی گئی ہے۔﴿۱۲۶﴾

۲۱۱۔الامالی فی التفسیر؛ حسین بن علی نصیر آبادی، رضوی، لکھنوی، معروف بہ سید العلماء؛ ۱۲۷۳ق؛ ۱۸۵۴م)﴿۱۲۷﴾

۲۱۲۔روائح البیان فی فضایل امناء الرحمٰن؛ مغنی کبیر سید عباس شوشتری (۱۳۰۶ق ۱۸۸۷م) لکھنو؛ مطبع جعفری؛ ۱۲۷۷ق؛ ۱۸۵۸م) صفحات: ۸۰۳۔ یہ اثر فضیلت اہل بیت کی آیات کی تفسیر میں مہم ترین اثر شمار ہوتا ہے۔

۲۱۳۔ینابیع الابرار؛ مولانا محمد تقی (۱۲۹۸ق؛ ۱۸۸۱م) ۲ جلد۔

۲۱۴۔تفسیر احسن القصص؛ سید علی بن محمد بن سید محمد (۱۳۱۲ق؛ ۱۸۹۴م) عظیم آباد، صبح صادق،

۱۳۰۵ق؛۱۸۸۶م)

۲۱۵۔ ینابیع الابرار؛ مولانا سید محمد ابراہیم (۱۳۰۷ق؛۱۸۹۰م؛ مجلداٹ:۳۔﴿۱۲۸﴾

۲۱۶۔ مصباح البیان، تفسیر سورالرحمٰن؛ سید محمد محسن زنگی پوری (۱۸۴۶ق؛۱۹۰۷م)﴿۱۲۹﴾ یہ نسخہ خطی ہے۔

۲۱۷۔ تفسیر آیات الاحکام؛ مولانا محمد ہارون؛ زنگی پوری۔ اس کتاب کا خطی نسخہ مدرسہ الواعظین لکھنو کے کتابخانہ میں موجود ہے۔﴿۱۳۰﴾

۲۱۸۔ الامالی التفسیریہ؛ سید محمد تقی الغفران مآب؛ یہ نسخہ خطی ہے۔ کتابخانہ سید آقا مہدی کراچی۔﴿۱۳۱﴾

فارسی تألیفات

۲۱۹۔ **سراکبر؛ تفسیر سورہ والفجر**؛ مولانا رجب علی دہلوی؛ (۱۲۸۶ق) لاہور، کوہ نور، ۱۲۶۷ق؛۱۸۴۸م)۔

۲۲۰۔ جواب سوال درباره حضرت زہرا؛ سید حسین بن سید دلدار علی غفران مآب (۱۲۷۲ق؛ ۱۸۵۳م) صفحات:۳۸۔ اس خطی نسخے میں ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت زہرا ؑ بھی آیہ تطہیر کا مصداق ہیں اور آیہ تطہیر میں ''**عنکم**'' کا خطاب مردوں کیلئے مخصوص نہیں ہے۔

۲۲۱۔ **تفسیر سورہ های الحمد، البقرہ، هل اتی اور توحید**؛ سیدالعلماء سید حسین بن سید دلدار علی (۱۷۹۶۔۱۸۵۶م) یہ اثر خطی نسخہ ہے۔

۲۲۲۔ **تفسیر لوامع التنزیل**؛ علامہ ابوالقاسم لاہوری (۱۳۲۴ق) مجلدات:۱۴۔ جلد۱: لاہور، گلشن رشیدی پریس (۱۳۰۲ق؛۱۸۸۳م) جلد۲: لاہور، سلطانی پریس، (۱۳۰۳ق) صفحات:۵۲۰۔ جلد ۳: لاہور، سیفی پریس (۱۳۰۲ق) صفحات: ۵۲۰۔ جلد۴: لاہور، اسلامیہ، ۱۳۱۸ق صفحات:۶۲۴۔ جلد ۸: لاہور، احسن المطابع (۱۳۱۴ق) صفحات:۴۸۲۔ جلد۱۳: رفاہ عام (۱۳۲۵ق) صفحات:۵۰۶۔ جلد۱۴: (۱۳۲۶ق) صفحات:۵۲۸۔﴿۱۳۲﴾

۲۲۳۔ انوار الیوسفی؛ السید المفتی میر محمد عباس الموسوی التستری الکھنوی (م:۱۳۰۶ق؛۱۸۸۷م)۔ یہ کتاب سورہ یوسف کی تفسیر ہے۔﴿۱۳۳﴾

۲۲۴۔ تفسیر آیات موضوعی؛ امروہہ، ریاضی پریس؛ ۱۳۲۴ق؛ ۱۹۰۵م۔ صفحات: ۴۲۰۔ یہ اثر

قرآن کریم کی الف، ب کی ترتیب سے موضوعی تفسیر ہے۔

۲۲۵۔تفسیر الآیات؛ مولانا سید اعجاز حسین امروہوی (۱۳۴۰ق؛۱۹۲۱م) امروہہ، ریاضی پریس، صفحات:۴۲۰۔

۲۲۶۔ **حبل المتین و خلاصه تفسیر منهج الصادقین**؛ شیخ محمد حافظ نجفی بلتستانی، مجلدات: ۳؛ لاہور، رضوان پریس، ۱۹۹۱م؛ صفحات:۳۰۴۔

۲۲۷۔شخصیت حضرت زہرا در قرآن از نظر تفاسیر اہل سنت؛ محمد یعقوب بشوی پاکستانی۔ یہ اثر خطی نسخہ ہے۔

سندھی تألیفات

۲۲۸۔ترجمہ قرآن؛ میر حسن خان تالپور، میر بھٹورو، ضلع ٹھٹھہ؛۱۹۱۱م۔

۲۲۹۔ترجمہ وحواشی قرآن؛ قاری امان اللہ۔ یہ اثر حافظ فرمان علی کے اردو ترجمے کا سندھی ترجمہ ہے۔(۱۳۳۴ق؛۱۹۱۴م)

۲۳۰۔ضیاء الایمان تفسیر القرآن؛ محمد خان لغاری؛ مجلدات:۲۔

پشتو تألیفات

۲۳۱۔ترجمہ قرآن؛ مولانا سید جعفر حسین استرزئی پایان؛ پیشاور۔

گجراتی تألیفات

۲۳۲۔ترجمہ وتفسیر قرآن؛ حاجی غلام علی کاتھیاواری۔ اس اثر کے کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔

بلتی تألیفات

۲۳۳۔ ترجمہ قرآن. مولانا محمد یوسف حسین آبادی ؛ سکردو؛ بلتستان بک ڈپو؛ ۱۹۹۵م؛ صفحات: ۱۲۰۸۔

حواشی وحوالہ جات

(۱) بزرگ بن شہر یار، عجائب الہند، ہالینڈ، لائیدن، ۱۸۸۳۔۱۸۸۶ میلادی، ص۳؛ ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۸۴۔۱۹۸۲ میلادی، ج ۳، حصہ اول ص ۶۷۵ و نقوی جمیل، اردو تفاسیر، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۱۹۹۲ میلادی، ص ۲۱، بنقل از تاریخ مسلمانان پاک و ہند، ص ۱۰۷۔

(۲) محمد عالم مختار حق: فہرست تراجم و تفاسیر قرآن مجید، شمارہ ۳؛ سیارہ ڈائجسٹ (قرآن نمبر)، لاہور ۱۹۷۰ م، ص ۷۵۔

(۳) برصغیر میں اسلوب تفسیر اور علمائے امامیہ کی تفسیریں؛ علامہ سید مرتضی حسین فاضل، لاہور، سازمان امامیہ پاکستان، ۱۴۰۹ ق، ص ۱۵۔

(۴) جمیل نقوی، اردو تفاسیر، ایضا؛ ص ۵۵۔

(۵) انجمن ترقی اردو پاکستان، قاموس الکتب اردو، کراچی، انجمن ترقی اردو، ۱۹۷۴ م، ص ۵۶؛ بنقل از فہرست کتابخانہ شخصی مولوی عبدالحق و دکتر ابوالقاسم رادفر دو کتاب شناسی ترجمہ ہای قرآن بہ زبانہای خارجی؛ مرکز باز شناسی اسلام و ایران، تہران، انتشارات باز ۱۳۸۲ ش، ص ۱۱۵۔

(۶) محمد عالم مختار حق؛ فہرست تراجم و تفاسیر قرآن مجید، ایضا، شمارہ ۳، ص ۴۹۵۔

(۷) فہرست کتابخانہ آصفیہ۔

(۸) نقوی جمیل، اردو تفاسیر، ایضا؛ ص ۴۶ و ڈاکٹر احمد خان، نظر ثانی سید عبدالقدس ہاشمی؛ قرآن کریم کے اردو تراجم (کتابیات) اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان؛ ۱۹۸۷ م ص ۱۰۱ و ۱۶۲۔

(۹) محمد مسعود احمد؛ اردو تراجم و تفاسیر (تاریخی تجزیہ و تحلیل) مجلّہ فکر و نظر، اسلام آباد، دسمبر ۱۹۷۴ م؛ ص ۳۳۲؛ و محمد عالم مختار حق، فہرست تراجم و تفاسیر قرآن مجید، ایضا، ص ۸۲۔

(۱۰) عصمت بنیارق و خالد ارن، کتابشناسی جہانی ترجمہ ہا و تفسیر ہای چاپی قرآن مجید بہ شصت و پنج زبان، ایضا؛ ص ۹۴ وانجمن ترقی اردو، قاموس الکتب اردو، ایضا، ص ۳۔

(۱۱) نقوی جمیل، اردو تفاسیر، ایضا؛ ص ۴۵ و محمد مسعود احمد، اردو تراجم و تفاسیر ایضا؛ ص ۳۳۴ و محمد عالم مختار حق فہرست تراجم و تفاسیر قرآن مجید؛ ایضا، ص ۸۹۔

(۱۲) محمد مسعود احمد، اردو تراجم و تفاسیر ایضا ص ۳۳۵۔

(۱۳) دکتر ابوالقاسم رادفر، کتابشناسی ترجمہ ہای قرآن بہ زبانہای خارجی؛ مرکز باز شناسی اسلام و ایران، تہران، انتشارات باز ۱۳۸۲ ش، ص ۴۶۔

(۱۴) بکائی محمد حسین؛ کتابنامہ بزرگ قرآن کریم، تہران، دفتر کتابنامہ، ج۲، ص۶۲۱؛ بنقل از دائرۃ المعارف اسلامی ۵۲۱/۱۳۲۳
(۱۵) نقوی سید شہوار حسین؛ برصغیر میں شیعہ تالیفات؛ قم، دلیل ما، ۱۳۸۴ش، صفحات ۵۸۴۔
(۱۶) نقوی، عارف حسین؛ برصغیر میں قرآن کا مطالعہ، مجلّہ فکر ونظر، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی؛ بین الاقوامی یونیورسٹی، برصغیر میں قرآن کے مطالعہ پر خصوصی ایڈیشن؛ ج۳۶؛ شمارہ ۳۔۴؛ رمضان/ذی الحجہ ۱۴۱۹ق، محرم صفر ۱۴۲۰ق۔ جنوری، مارچ، اپریل، جون ۱۹۹۹م ص۱۲۲؛ وحسین عارف نقوی، برصغیر کے امامیہ مصنفین کی مطبوعہ تصانیف اور تراجم، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد، ۲ جلد، ۱۴۱۸ق/۱۹۹۷م/۱۳۷۶ش، ص۳۔
(۱۷) عصمت بنیارق وخالدارن، کتابشناسی جہانی؛ ترجمہ ہاوتفسیر ہای چاپی قرآن مجید بہ شصت وپنج زبان، ترجمہ ونگارش آصف فرات، بنیاد پژوہشہای اسلامی آستان قدس رضوی، مشہد ۱۳۷۳ش، ص۹۷؛ دکتر احمد خان، ترجمہ ہای قرآن بہ زبان اردو (کتاب شناسی) ایضا، ص۲۱۹، دکتر ابوالقاسم رادفرد، کتاب شناسی ترجمہ ہای قرآن بہ زبان ھای خارجی، ایضا، ص۵۳ وعارف حسین نقوی، برصغیر کے امامیہ مصنفین کی مطبوعہ تصانیف اور تراجم، ایضا، ص۳۔
(۱۸) نقوی جمیل، اردو تفاسیر، ایضا، ص۵۶۔
(۱۹) محمد عالم مختار حق، فہرست تراجم وتفاسیر قرآن مجید، ایضا، ص۸۹۔
(۲۰) محمد مسعود احمد، اردو تراجم وتفاسیر؛ ایضا، ص۴۵۹۔
(۲۱) انجمن ترقی اردو، قاموس الکتب اردو، ایضا، ص۳۵؛ ومحمد مسعود احمد، اردو تراجم وتفاسیر، ایضا، ص۳۸۹۔
(۲۲) دکتر احمد خان، ترجمہ ہای قرآن بہ زبان اردو (کتابشناسی) ایضا، ص۱۸۳، عصمت بنیارق وخالدارن، کتاب شناسی جہانی ترجمہ ہاوتفسیر ہای چاپی قرآن مجید بہ شصت وپنج زبان؛ ایضا، ص۹۵ ودکتر ابوالقاسم رادفرد، کتاب شناسی ترجمہ ہای قرآن بہ زبانہای خارجی، ایضا، ص۴۸، ۴۹؛ ومحمد عالم مختار حق، فہرست تراجم وتفاسیر قرآن مجید، ایضا، ص۸۷ وعارف حسین نقوی، برصغیر کے امامیہ مصنفین کی مطبوعہ تصانیف اور تراجم، ایضا، ص۳۔
(۲۳) نقوی سید شہوار حسین؛ برصغیر میں شیعہ تالیفات؛ قم، دلیل ما، ۱۳۸۴ش، صفحات ۳۶۰۹۔
(۲۴) نقوی حسین عارف؛ برصغیر کے امامیہ مصنفین کی مطبوعہ تصانیف اور تراجم، ایضا، ص۳۔
(۲۵) نقوی سید شہوار حسین؛ برصغیر میں شیعہ تالیفات؛ قم، دلیل ما، ۱۳۸۴ش، صفحات ۳۶۰۹۔
(۲۶) نقوی حسین عارف؛ برصغیر میں قرآن کا مطالعہ، مجلّہ فکر ونظر، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی؛ بین الاقوامی یونیورسٹی، برصغیر میں قرآن کے مطالعہ پر خصوصی ایڈیشن؛ ج۳۶؛ شمارہ ۳۔۴؛ رمضان/ذی الحجہ ۱۴۱۹ق، محرم صفر ۱۴۲۰ق جنوری، مارچ، اپریل، جون ۱۹۹۹م ص۱۲۲۔
(۲۷) نقوی حسین عارف؛ برصغیر کے امامیہ مصنفین کی مطبوعہ تصانیف اور تراجم، ایضا، ص۳۔

(۲۸)عصمت بنیارق وخالدارن، کتابشناسی جہانی؛ ترجمہ ہاوتفسیر ہای چاپی قرآن مجید بہ شصت وپنج زبان، ایضا،ص ۹۷؛ ونقوی؛ جمیل؛ اردوتفاسیر؛ ایضا ص ۸۸؛ ودکتر ابوالقاسم رادفرد؛ کتابشناسی ترجمہ ہای قرآن بہ زبانہای خارجی؛ ایضا ص ۴۷؛ ومحمد مسعود احمد؛ اردوتراجم وتفاسیر؛ ایضا ص ۳۸۵۔

(۲۹)محمد عالم مختار حق ،فہرست تراجم وتفاسیر قرآن مجید، ایضا ص ۸۹۔

(۳۰)نقوی جمیل، اردوتفاسیر، ایضا ص ۶۰؛ انجمن ترقی اردو، قاموس الکتب اردو، ایضا ص ۶۰۔

(۳۱)نقوی جمیل، اردوتفاسیر، ایضا ص ۴۷؛ دکتر احمد خان، ترجمہ ہای قرآن بہ زبان اردو(کتاب شناسی) ایضا ص ۷۱، دکتر ابوالقاسم رادفرد، کتابشناسی ترجمہ ہای قرآن بہ زبانہای خارجی؛ ایضا ص ۲۷؛ محمد عالم مختار حق؛ فہرست تراجم و تفاسیر قرآن مجید، ایضا ص ۸۳؛ بکائی محمد حسین؛ کتابنامہ بزرگ قرآن کریم، تہران، دفتر کتابنامہ، ج ۱ ص ۳؛ بنقل بنقل از الذریعہ ج ۱ ص ۸؛ معجم مولفی الشیعہ ۴۴۳/؛ ودفتر فنوار فہرست کتب فن تفسیر اہل تشیع ،مجلّہ توحید اردوج ۲ شمارہ شمارہ ۱۵۶/۲؛ ،فہرست آثار چاپی شیعہ در شبہ قارہ بخش اول ۱۱/ونقوی عارف حسین؛ برصغیر کے امامیہ مصنفین کی مطبوعہ تصانیف اورتراجم، ایضا ص ۳۔

(۳۲)نقوی، جمیل، اردوتفاسیر، ایضا، ص ۴۳ وانجمن ترقی اردو، قاموس الکتب اردو، ایضا ص ۲۱۔

(۳۳)محمد مسعود احمد، اردوتراجم وتفاسیر؛ ایضا، ص ۴۶۰۔

(۳۴)محمد عالم مختار حق ،فہرست تراجم وتفاسیر قرآن مجید، ایضا، ص ۹۰۔

(۳۵)عصمت بنیارق وخالدارن، کتابشناسی جہانی؛ ترجمہ ہاوتفسیر ہای چاپی قرآن مجید بہ شصت وپنج زبان، ایضا، ص ۱۰۰۔

(۳۶)دکتر ابوالقاسم رادفرد، کتاب شناسی ترجمہ ہای قرآن بہ زبانہای خارجی؛ ایضا ،ص ۷۵ وکتابخانہ مرکز تحقیقات اسلامی اسلام آباد.

(۳۷)نقوی حسین عارف؛ برصغیر کے امامیہ مصنفین کی مطبوعہ تصانیف اورتراجم، ایضا، ص ۳۔

(۳۸)محمد مسعود احمد، اردوتراجم وتفاسیر؛ ایضا ص ۳۸۹۔

(۳۹)نقوی حسین عارف؛ برصغیر کے امامیہ مصنفین کی مطبوعہ تصانیف اورتراجم، ایضا، ص ۸۔

(۴۰)نقوی جمیل، اردوتفاسیر؛ ایضا ص ۳۵۔　　(۴۱)ایضا، ص ۳۷۔

(۴۲)دکتر احمد خان، ترجمہ ہای قرآن بہ زبان اردو(کتاب شناسی) ایضا ص ۵۸؛ وعصمت بنیارق وخالدارن، کتاب شناسی جہانی؛ ترجمہ ہاوتفسیر ہای چاپی قرآن مجید بہ شصت وپنج زبان، ایضا ص ۸۸؛ ودکتر ابوالقاسم رادفرد؛ کتاب شناسی ترجمہ ہای قرآن بہ زبانہای خارجی؛ ایضا ص ۲۵؛ ومحمد مسعود احمد، اردوتراجم وتفاسیر ایضا ص ۴۵۵؛ وکتابخانہ ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد۔

(۴۳) نقوی حسین عارف؛ برصغیر کے امامیہ مصنفین کی مطبوعہ تصانیف اور تراجم، ایضا، ص۸۔

(۴۴) فہرست کتابہای قرآن وتفسیر ودیگر علوم قرآن؛ کتابخانہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور، شمارہ: ۲۸/۳۴۵۔

(۴۵) نقوی جمیل، اردو تفاسیر؛ ایضا، ص۴۱؛ دکتر احمد خان، ترجمہ ہای قرآن بہ زبان اردو (کتابشناسی) ایضا، ص۴۳۷؛ ودکتر ابوالقاسم رادفرد، کتابشناسی ترجمہ ہای قرآن بہ زبانہای خارجی؛ ایضا، ص۲۷؛ وسید محمود قاسم؛ اسلامی انسائیکوپیڈیا؛ لاہور، الفصیل ۵۶۹؛ وکتابخانہ مرکز تحقیقات اسلامی اسلام آباد۔

(۴۶) نقوی جمیل، اردو تفاسیر؛ ایضا، ص۴۸؛ وکتابخانہ ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد۔

(۴۷) نقوی حسین عارف؛ برصغیر کے امامیہ مصنفین کی مطبوعہ تصانیف اور تراجم، ایضا، ص۸۔

(۴۸) نقوی سید شہوار حسین؛ برصغیر میں شیعہ تالیفات؛ ایضا؛ ص۲۰۷۔

(۴۹) نقوی حسین عارف؛ برصغیر کے امامیہ مصنفین کی مطبوعہ تصانیف اور تراجم، ایضا، ص۸۔

(۵۰) نقوی سید شہوار حسین؛ برصغیر میں شیعہ تالیفات؛ ایضا؛ ص۵۷۵۔

(۵۱) نقوی حسین عارف؛ برصغیر کے امامیہ مصنفین کی مطبوعہ تصانیف اور تراجم، ایضا، ص۱۳۔

(۵۲) نقوی سید شہوار حسین؛ برصغیر میں شیعہ تالیفات؛ ایضا؛ ص۱۷۴۔　　(۵۳) ایضا، ص۱۴۶۔

(۵۴) نقوی حسین عارف؛ برصغیر کے امامیہ مصنفین کی مطبوعہ تصانیف اور تراجم، ایضا، ص۳۔

(۵۵) بکائی محمد حسین؛ کتابنامہ بزرگ قرآن کریم، تہران، دفتر کتابنامہ، ج۲، ص۶۸۱؛ بنقل از سیارہ ڈائجسٹ مجلد قرآن نمبر (تراجم وتفاسیر قرآن مجید)۔

(۵۶) دکتر احمد خان، ترجمہ ہای قرآن بہ زبان اردو (کتابشناسی) ایضا، ص۲۷۰؛ وعصمت بنیارق وخالدارن، تابشاسی جہانی ترجمہ ہا وتفسیر ہای چاپی قرآن مجید بہ شصت وپنج زبان؛ ایضا، ص۱۰۱؛ ودکتر ابوالقاسم رادفرد، کتاب شناسی ترجمہ ہای قرآن بہ زبانہای خارجی؛ ایضا، ص۶۱۔

(۵۷) نقوی حسین عارف؛ برصغیر کے امامیہ مصنفین کی مطبوعہ تصانیف اور تراجم، ایضا، ص۳؛ بنقل از الواعظ دسمبر ۱۹۵۱م۔

۵۸۔ نقوی جمیل، اردو تفاسیر؛ ایضا، ص۵۷؛ ودکتر احمد خان، ترجمہ ہای قرآن بہ زبان اردو (کتاب شناسی) ایضا، ص۲۲۷؛ ودکتر ابوالقاسم رادفرد، کتابشناسی ترجمہ ہای قرآن بہ زبانہای خارجی، ایضا، ص۵۴۔

(۵۹) محمد عالم مختار حق، فہرست تراجم وتفاسیر قرآن مجید، ایضا، ص۸۸؛ ودکتر احمد خان، ترجمہ ہای قرآن بہ زبان اردو (کتابشناسی) ایضا، ص۲۱۵؛ ودکتر ابوالقاسم رادفرد، کتابشناسی ترجمہ ہای قرآن بہ زبانہای خارجی؛ ایضا، ص۵۲۔

(۶۰) دکتر احمد خان، ترجمہ ہای قرآن بہ زبان اردو (کتابشناسی) ایضا، ص۷۱۔۷۲؛ وعصمت بنیارق وخالدارن، تابشابی جہانی ترجمہ ہا وتفسیر ہای چاپی قرآن مجید بہ شصت وپنج زبان؛ ایضا، ص۹۷؛ انجمن ترقی اردو، قاموس الکتب اردو؛

ایضا،ص۳۳؛ودکتر ابوالقاسم رادفرد، کتابشناسی ترجمہ ہای قرآن بہ زبانہای خارجی؛ایضا،ص۲۷؛ومحمد عالم مختارحق فہرست تراجم وتفاسیر قرآن مجید،ایضا،ص۸۸۔

(۶۱)نقوی جمیل،اردو تفاسیر؛ایضا،ص۵۲۔

(۶۲)ایضا؛ودکتر ابوالقاسم رادفرد، کتابشناسی ترجمہ ہای قرآن بہ زبانہای خارجی؛ایضا،ص۸۸ومحمد عالم مختارحق، فہرست تراجم وتفاسیر قرآن مجید؛ایضا،ص۸۶۔

(۶۳)نقوی جمیل،اردو تفاسیر؛ایضا،ص۴۱۔

(۶۴)دکتر احمد خان،ترجمہ ہای قرآن بہ زبان اردو(کتابشناسی)ایضا،ص۲۵۴؛وانجمن ترقی اردو،قاموس الکتب اردو؛ایضا،ص۶؛بنقل از فہرست مطبع حیدری؛حیدرآباد،ص۱۸؛دکتر ابوالقاسم رادفرد، کتابشناسی ترجمہ ہای قرآن بہ زبانہای خارجی؛ایضا،ص۵۹؛ومحمد عالم مختارحق،فہرست تراجم وتفاسیر قرآن مجید،ایضا،ص۹۱۔

(۶۵)نقوی جمیل،اردو تفاسیر؛ایضا،ص۳۸؛دکتر احمد خان،ترجمہ ہای قرآن بہ زبان اردو(کتابشناسی)ایضا،ص۶۱۔

(۶۶)دکتر احمد خان،ترجمہ ہای قرآن بہ زبان اردو(کتابشناسی)ایضا،ص۱۹۹؛وانجمن ترقی اردو،قاموس الکتب اردو؛ایضا،ص۳؛بنقل از فہرست مطبع حیدرآباد دکن ص۱۹؛دکتر ابوالقاسم رادفرد، کتابشناسی ترجمہ ہای قرآن بہ زبانہای خارجی؛ایضا،ص۳۴؛ومحمد عالم مختارحق ،فہرست تراجم وتفاسیر قرآن مجید،ایضا،ص۸۱۔

(۶۷)نقوی حسین عارف؛برصغیر کے امامیہ مصنفین کی مطبوعہ تصانیف اور تراجم،ایضا،ص۳۔

(۶۸)محمد عالم مختارحق،فہرست تراجم وتفاسیر قرآن مجید،ایضا،ص۸۶۔

(۶۹)نقوی حسین عارف؛برصغیر کے امامیہ مصنفین کی مطبوعہ تصانیف اور تراجم،ایضا،ص۳؛بکائی محمد حسین؛کتابنامہ بزرگ قرآن کریم،تہران،دفتر کتابنامہ،ج۱،ص۱۰۲؛بنقل از فہرست آثار چاپی شیعہ در شبہ قارہ بخش اول ۱۲رمجلّہ توحید اردو ج۲ شمارہ۱۶۲/۱۔

(۷۰)نقوی حسین عارف؛برصغیر کے امامیہ مصنفین کی مطبوعہ تصانیف اور تراجم،ایضا،ص۸۔

(۷۱)بکائی محمد حسین؛کتابنامہ بزرگ قرآن کریم،تہران،دفتر کتابنامہ،ج۱،ص۱۱۹؛نقل از دفتر فنوار فہرست کتب فن تفسیر اہل تشیع،کتابخانہ نزیریہ؛دہلی،مجلّہ توحید اردو ج۲،شمارہ۱۶۳/۱۔

(۷۲)نقوی سید شہوار حسین تالیفات شیعہ در شبہ قارہ ہند،ایضا،ص۲۰۷۔

(۷۳)نقوی،جمیل،اردو تفاسیر،ایضا،ص۵۴۔

(۷۴)نقوی سید شہوار حسین؛برصغیر میں شیعہ تالیفات؛ایضا؛ص۱۴۳۔

(۷۵)نقوی حسین عارف؛برصغیر کے امامیہ مصنفین کی مطبوعہ تصانیف اور تراجم،ایضا،ص۳۔

(۷۶) نقوی سید شہوار حسین؛ برصغیر میں شیعہ تالیفات؛ ایضا؛ ص۱۹۲۔
(۷۷) نقوی سید شہوار حسین؛ برصغیر میں شیعہ تالیفات؛ ایضا؛ ص۱۱۸؛ ونقوی حسین عارف؛ برصغیر کے امامیہ مصنفین کی مطبوعہ تصانیف اور تراجم، ایضا، ص۳۔ (۷۸) خود تفسیر
(۷۹) نقوی حسین عارف؛ برصغیر کے امامیہ مصنفین کی مطبوعہ تصانیف اور تراجم، ایضا، ص۳۔
(۸۰) بکائی محمد حسین؛ کتابنامہ بزرگ قرآن کریم، تہران، دفتر کتابنامہ، ج۱، ص۱۶۲/۳؛ بنقل از معجم مطوطات الشیعہ حول القران ۱۳۵/۔
(۸۱) محمد عالم مختار حق، فہرست تراجم وتفاسیر قرآن مجید، ایضا، ص۵۰۰۔
(۸۲) نقوی حسین عارف؛ برصغیر کے امامیہ مصنفین کی مطبوعہ تصانیف اور تراجم، ایضا، ص۳۔
(۸۳) نقوی حسین عارف؛ برصغیر کے امامیہ مصنفین کی مطبوعہ تصانیف اور تراجم، ایضا، ص۳۔
(۸۴) دکتر احمد خان، ترجمہ ہای قرآن بہ زبان اردو (کتابشناسی) ایضا، ص۵۷؛ ودکتر ابوالقاسم رادفرد، کتاب شناسی ترجمہ ہای قرآن بہ زبانہای خارجی، ایضا، ص۶۹۔
(۸۵) نقوی، جمیل، اردو تفاسیر، ایضا؛ ص۷۰؛ وانجمن ترقی اردو، قاموس الکتب اردو، ایضا، ص۳۹۔
(۸۶) نقوی حسین عارف؛ برصغیر کے امامیہ مصنفین کی مطبوعہ تصانیف اور تراجم، ایضا، ص۳۔
(۸۷) عصمت بنیارق وخالدارن، کتابشناسی جہانی؛ ترجمہ ہاوتفسیر ہای چاپی قرآن مجید بہ شصت وپنج زبان، ایضا، ص۱۰۷؛ دکتر احمد خان، ترجمہ ہای قرآن بہ زبان اردو (کتابشناسی) ایضا، ص۷۷؛ انجمن ترقی اردو، قاموس الکتب اردو، ایضا، ص۴۸؛ بنقل از فہرست مطبع حیدری حیدرآباد دکن، ص۸۱؛ ودکتر ابوالقاسم رادفرد، کتابشناسی ترجمہ ہای قرآن بہ زبانہای خارجی؛ ایضا، ص۱۱۳۔
(۸۸) انجمن ترقی اردو، قاموس الکتب اردو، ایضا، ص۵۷؛ ودکتر ابوالقاسم رادفرد، کتاب شناسی ترجمہ ہای قرآن بہ زبانہای خارجی، ایضا، ص۹۱۔
(۸۹) نقوی حسین عارف؛ برصغیر کے امامیہ مصنفین کی مطبوعہ تصانیف اور تراجم، ایضا، ص۳۔ (۹۰) ایضا، ص۸۔
(۹۱) بکائی محمد حسین؛ کتابنامہ بزرگ قرآن کریم، تہران، دفتر کتابنامہ، ج۲، ص۶۱۰؛ بنقل از مجلّہ توحید اردو ج۲، شمارہ ۱۶۴/۱؛ مجلّہ مشکوۃ، شمارہ ۲۰/۱۰؛ آثار چاپی شیعہ در شبہ قارہ، بخش اول ۱۲/۔
(۹۲) ایضا، ص۶۲۳؛ بنقل از فہرست کتب محفوظ بک امام بارگاہ شاہ نجف کراچی ۱۵/، فہرست آثار چاپی شیعہ در شبہ قارہ بخش اول ۱۲/۔
(۹۳) عصمت بنیارق وخالدارن، کتابشناسی جہانی؛ ترجمہ ہاوتفسیر ہای چاپی قرآن مجید بہ شصت وپنج زبان، ایضا، ص

۱۱۷؛ ودکتر ابوالقاسم رادفرد، کتابشناسی ترجمہ ہای قرآن بہ زبانہای خارجی؛ ایضا،ص ۱۱۵۔

(۹۴) بکائی محمد حسین؛ کتابنامہ بزرگ قرآن کریم، تہران، دفتر کتابنامہ، ج۱،ص ۳۔۱۶۲؛ بنقل از عیان الشیعہ ج ۲۳۲/۵

(۹۵) نقوی سید شہوار حسین؛ برصغیر میں شیعہ تالیفات؛ ایضا؛ص ۲۰۶۔

(۹۶) نقوی حسین عارف؛ برصغیر کے امامیہ مصنفین کی مطبوعہ تصانیف اور تراجم، ایضا،ص ۸۔

(۹۷) دکتر ابوالقاسم رادفرد، کتاب شناسی ترجمہ ہای قرآن بہ زبانہای خارجی؛ ایضا،ص ۱۱۴۔

(۹۸) دکتر احمد خان، ترجمہ ہای قرآن بہ زبان اردو (کتاب شناسی) ایضا،ص ۱۶۵؛ وانجمن ترقی اردو، قاموس الکتب اردو، ایضا،ص ۵۵۔

(۹۹) بکائی محمد حسین؛ کتابنامہ بزرگ قرآن کریم، تہران، دفتر کتابنامہ، ج۲،ص ۶۲۶؛ بنقل از دائرالمعارف شیعہ ج ۵۴۲/۳؛ الذریعہ ج ۴۳۸/۲؛ نقباء البشر (تہرانی) ج ۷۱۷/۲؛ مرکز تحقیقات اسلام آباد، مجلّہ توحید اردو ج ۲ شمارہ ۱۵۷/۱؛ تفسیر شیعہ وتفسیر نویسان آن مکتب ۸۴/؛ فہرست کتابہای قرآن وتفسیر ودیگر علوم قرآن کتابخانہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور/۳۶؛ معجم مولفی الشیع ۴۴۲/؛ معجم الدراسات القرآنی عند....ص ۳۳/۔

(۱۰۰) بکائی محمد حسین؛ کتابنامہ بزرگ قرآن کریم، تہران، دفتر کتابنامہ، ج۲،ص ۶۲۶؛ بنقل از فہرست ذخیرہ کتب حکیم محمد موسی امرتسری، مخزن پنجاب یونیورسٹی لاہور، فہرست کتابہای قرآن وتفسیر ودیگر علوم قرآن کتابخانہ پنجاب یونیورسٹی لاہور، فہرست جامع کتابہای چاپ زبان اردو وتفسیر وحدیث کتابخانہ عالمی پاکستان ص ۱۴۔

(۱۰۱) نقوی، جمیل، اردو تفاسیر، ایضا،ص ۱۷۔

(۱۰۲) دکتر ابوالقاسم رادفرد، کتابشناسی ترجمہ ہای قرآن بہ زبانہای خارجی؛ ایضا،ص ۸۵؛ وکتابخانہ ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد۔

(۱۰۳) نقوی حسین عارف؛ برصغیر کے امامیہ مصنفین کی مطبوعہ تصانیف اور تراجم، ایضا،ص ۳۔

(۱۰۴) نقوی سید شہوار حسین؛ برصغیر میں شیعہ تالیفات؛ ایضا؛ص ۲۰۵۔

(۱۰۵) ایضا۔ (۱۰۶) ایضا،ص ۲۳۵۔

(۱۰۷) نقوی حسین عارف؛ برصغیر کے امامیہ مصنفین کی مطبوعہ تصانیف اور تراجم، ایضا،ص ۳۔

(۱۰۸) نقوی سید شہوار حسین؛ برصغیر میں شیعہ تالیفات؛ ایضا؛ص ۱۱۸۔

(۱۰۹) نقوی حسین عارف؛ برصغیر کے امامیہ مصنفین کی مطبوعہ تصانیف اور تراجم، ایضا،ص ۳۔

(۱۱۰) نقوی سید شہوار حسین؛ برصغیر میں شیعہ تالیفات؛ ایضا؛ص ۴۳؛ بہ نقل از فہرست کتب شیعہ حیدرآباد.

(۱۱۱) نقوی حسین عارف؛ برصغیر کے امامیہ مصنفین کی مطبوعہ تصانیف اور تراجم، ایضا،ص ۳۔

(۱۱۲) نقوی سید شہوار حسین؛ برصغیر میں شیعہ تالیفات؛ ایضا؛ ص ۱۵۵؛ بنقل از مولفین کتب چاپی ج ۲۔
(۱۱۳) ۔نقوی حسین عارف؛ برصغیر کے امامیہ مصنفین کی مطبوعہ تصانیف اور تراجم، ایضا، ص ۸؛ بنقل از الذریعہ۔
(۱۱۴) ایضا، ص ۳۔ (۱۱۵) ایضا، ص ۸۔
(۱۱۶) نقوی سید شہوار حسین؛ برصغیر میں شیعہ تالیفات؛ ایضا؛ ص ۱۳۱؛ ونقوی حسین عارف؛ برصغیر کے امامیہ مصنفین کی مطبوعہ تصانیف اور تراجم، ایضا، ص ۸۔
(۱۱۷) نقوی حسین عارف؛ برصغیر کے امامیہ مصنفین کی مطبوعہ تصانیف اور تراجم، ایضا، ص ۳۔
(۱۱۸) نقوی سید شہوار حسین؛ برصغیر میں شیعہ تالیفات؛ ایضا؛ ص ۲۳۵۔
(۱۱۹) نقوی حسین عارف؛ برصغیر کے امامیہ مصنفین کی مطبوعہ تصانیف اور تراجم، ایضا، ص ۳۔
(۱۲۰) تذکرہ علمای امامیہ پاستان ترجمہ محمد ہاشم آستان قدس رضوی؛ بنیاد پژوہشہای اسلامی، مشہد ۱۳۷۰ق؛ ص ۱۳۱۔
(۱۲۱) نقوی سید شہوار حسین؛ برصغیر میں شیعہ تالیفات؛ ایضا؛ ص ۴۸۷۔
(۱۲۲) نقوی حسین عارف؛ برصغیر کے امامیہ مصنفین کی مطبوعہ تصانیف اور تراجم، ایضا، ص ۳۔
(۱۲۳) نقوی سید شہوار حسین؛ برصغیر میں شیعہ تالیفات؛ ایضا؛ ص ۱۸۶۔
(۱۲۴) بکائی محمد حسین؛ کتابنامہ بزرگ قرآن کریم، تہران، دفتر کتابنامہ، ج ۲، ص ۶۲۶۷؛ بنقل از مآثر الکرام ج ۱، ص ۲۱۶
(۱۲۵) بکائی محمد حسین؛ کتابنامہ بزرگ قرآن کریم، تہران، دفتر کتابنامہ، ج ۲، ص ۱۶۳۔۱۶۴؛ بنقل از دفتر فنوار فہرست کتب فن تفسیر اہل تشیع؛ فہرست کتابہای چاپی عربی (مشار) ۲۵/؛ ،لغتنامہ دہخدا، ج ۳۳/ ۲۷۶؛ الذریعہ ج ۱/ ۲۸۸؛ علماء معاصرین/ ۵۲؛ اعیان الشیعہ، ج ۸/ ۳۱۰؛ احسن الودیعہ ج ۱و ۲/ ۱۶۶؛ دائرۃ المعارف الاسلامیہ ج ۲/ ۱۵؛ نقباء البشر ج ۴/ ۱۶۲۵؛ معجم مصنفات القرآن الکریم ۲/ ۱۰۵؛ دائرۃ المعارف سیاح، ج ۲/ ۱۰۶۳؛ مجلّہ مشکوۃ شمارہ ۱۰/ ۲۲؛ الاعلام (زرکلی) ج ۵/ ۱۸؛ ریحان الادب، ج ۱/ ۲۰۶؛ معجم المولفین ج ۷/ ۲۲۸؛ مجلّہ توحید (اردو) ج ۲، شمارہ ۱/ ۱۶۲؛ تفسیر وتفاسیر جدید/ ۹ ۱۷؛ معجم المفسرین، ج ۱/ ۳۸۷؛ احسن الودیعہ تتمیم روضات الجنات۔
(۱۲۶) بکائی محمد حسین؛ کتابنامہ بزرگ قرآن کریم، تہران، دفتر کتابنامہ، ج ۲، ص ۵۴۷؛ بنقل از مکارم الآثار، ج ۲، ص ۳۹۴۔
(۱۲۷) ایضا، ج ۲، ص ۵۴؛ بنقل از نجوم السماء، ج ۱/ ۱۲۷؛ معجم المفسرین، ج ۱/ ۱۵۷؛ اعلام الشیعہ، ج ۲/ ۳۸۷؛ اعیان الشیعہ ج ۲۶/ ۳۴۴؛ معجم المولفین، ج ۴/ ۳۶؛ ہندوستانی مفسرین وتفسیر عربی آنہا ۲/ ۲۷۲؛ معجم الدرسات القرآنی عند الشیع ۲۷/....
(۱۲۸) نقوی حسین عارف؛ برصغیر کے امامیہ مصنفین کی مطبوعہ تصانیف اور تراجم، ایضا، ص ۱۲۵۔

(۱۲۹) نقوی سید شہوار حسین؛ برصغیر میں شیعہ تالیفات؛ ایضا؛ ص ۵۷۵۔

(۱۳۰) فہرست کتابخانہ مدرس الواعظین ہند۔

(۱۳۱) بکائی محمد حسین؛ کتابنامہ بزرگ قرآن کریم، تہران، دفتر کتابنامہ، ج ۲، ص ۵۴؛ بنقل از مجلّہ توحید اردو، ج ۲ شمارہ ۱۶۴/۱؛ مجلّہ مشکوۃ، شمارہ ۲۴/۱۰۔

(۱۳۲) نقوی سید شہوار حسین؛ برصغیر میں شیعہ تالیفات؛ ایضا؛ ص ۲۰۷۔

(۱۳۳) بکائی محمد حسین؛ کتابنامہ بزرگ قرآن کریم، تہران، دفتر کتابنامہ، ج ۲، ص ۶۳۲؛ بنقل از الذریعہ ج ۴۴۹/۲؛ مشکوۃ، شمارہ ۲۱/۱۰؛ دائرۃ المعارف الاسلامی، ج ۷۸/۳۔

(۱۳۴) نقوی حسین عارف؛ برصغیر کے امامیہ مصنفین کی مطبوعہ تصانیف اور تراجم، ایضا، ص ۱۲۶۔

کتاب شناسی

(۱) دکتر ابوالقاسم رادفرد، کتابشناسی ترجمہ ہای قرآن بہ زبانہای خارجی مرکز بازشناسی اسلام و ایران، تہران، انتشارات باز، ۱۳۸۲ش.

(۲) دکتر احمد خان، بازنگری سید عبدالقدس ہاشمی، ترجمہ ہای قرآن بہ زبان اردو (کتاب شناسی) قرآن کریم کے اردو تراجم؛ کتابیات، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۷م.

(۳) انجمن ترقی اردو پاکستان، قاموس الکتب اردو، کراچی، انجمن ترقی اردو، ۱۹۷۴م.

(۴) اسلوب تفسیر در شبہ قارہ ہند و تفاسیر علمای امامیہ (برصغیر میں اسلوب تفسیر اور علمائے امامیہ کی تفسیریں) علامہ سید مرتضی حسین فاضل، لاہور، سازمان امامیہ پاکستان، ۱۴۰۹ق، ۲۷ص.

(۵) بکائی محمد حسین، تابنامہ بزرگ قرآن ریم، تہران، دفتر تابنامہ.

(۶) بزرگ بن شہریار، عجائب الہند، ہلند، لائیدن، ۱۸۸۳م، ص ۳

(۷) دکتر جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۸۴-۱۹۸۲م، ۳ج، حصہ اول.

(۸) عصمت بنیارق و خالدارن، تابشناسی جہانی ترجمہ ہا و تفسیر ہای چاپی قرآن مجید بہ شصت و پنج زبان، ترجمہ و نگارش آصف فرات، بنیاد پژوہشہای اسلامی آستانقدس رضوی، مشہد ۱۳۷۳ش.

(۹) سید محمود قاسم، اسلامی انسائیکو پیدیا، لاہور، الفصیل.

(۱۰) محمد مختار عالم حق، اردو تراجم و تفاسیر، جنوری و فروری ۱۹۷۶م) شوال و ذوالقعدہ ۱۳۸۷ج ۲۰ش ۲-۱

مجلّہ فیض الاسلام راولپنڈی
(۱۱) محمد عالم مختار حق، فہرست تراجم وتفاسیر قرآن مجید، شمارہ ۳ مجلّہ سیارہ ویژہ قرآن (سیارہ ڈائجسٹ قرآن نمبر) لاہور، ۱۹۷۰م
(۱۲) محمد عالم مختار حق، فہرست تراجم وتفاسیر قرآن بہ زبان پنجابی، مجلّہ سیارہ ویژہ قرآن (سیارہ ڈائجسٹ قرآن نمبر) لاہور، ۱۹۷۰م
(۱۳) محمد عالم مختار حق، فہرست تراجم وتفاسیر قرآن مجید، شمارہ ۳ مجلّہ سیارہ ویژہ قرآن (سیارہ ڈائجسٹ قرآن نمبر) لاہور، ۱۹۷۰م
(۱۴) محمد مسعود احمد، اردو تراجم وتفاسیر تاریخی جایزہ، مجلّہ فکر ونظر، اسلام آباد، دسمبر ۱۹۷۴م، ص - ۳۲۵/۳۳۵
نقوی حسین عارف، فہرست آثار چاپی شیعہ در شبہ قارہ ہند، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد، ۱۴۱۱ق/۱۹۹۱م/۱۳۷۰
(۱۵) نقوی حسین عارف، فہرست برصغیر کہ امامیہ مصنفین کی مطبوعہ تصانیف اور تراجم، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد، ۲ج، ۱۴۱۸ق/۱۹۹۷م/۱۳۷۶ش .
(۱۶) نقوی حسین عارف، تذکرہ علمای امامیہ پاکستان ترجمہ محمد ہاشم، آستانقدس رضوی بنیاد پژوہشہای اسلامی، مشہد، ۱۳۷۰
(۱۷) نقوی حسین عارف، مطالعہ قرآن در شبہ قارہ ہند (برصغیر میں مطالعہ قرآن) ص ۱۱۲، مجلّہ فکر ونظر، اسلام آباد
ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی یونیورسٹی، ویژہ مطالعہ قرآن در شبہ قارہ ہند (ج ۳۶، شمارہ ۴/۳ رمضان ذی الحجہ ۱۴۱۹ق، محرم صفر ۱۴۲۰ق، جنوری تا جون ۱۹۹۹ء م.
(۱۸) نقوی، جمیل، اردو تفاسیر، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۲ء م
(۱۹) نقوی سید شہوار حسین تالیفات شیعہ در شبہ قارہ ہند، قم، دلیل ما، ۱۳۸۴ش.
(۲۰) فہرست کتابخانہ عمومی پنجاب، لاہور، ۱۹۳۶ء م.
(۲۱) فہرست نسخہ ہای خطی ہندی در کتابخانہ اداری ہندوستان، جمیس فولر ہارت، لندن، دانشگاہ آکسفورد، ۱۹۲۶م
(۲۲) فہرست المیز ان ناشران کتب، لاہور، ۲۰۰۸م.
(۲۳) فہرست مکتب العلم، لاہور، ۲۰۰۸م.
(۲۴) فہرست المیز ان ناشران کتب، لاہور، ۲۰۰۴م.
(۲۵) کتابخانہ مرکز تحقیقات اسلامی اسلام آباد
(۲۶) کتابخانہ مرکزی بہاولپور

☆☆☆☆☆

قرآن کریم کا بلتی زبان میں ترجمہ

محمد حسین ☆

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا آخری دستور حیات ہے جو نوع انسان کی ہدایت کے لیے نازل ہوا ہے۔ یہ کلام جبرئیل امین کے واسطے سے ختم الانبیا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر تقریبا (۲۳) سال کے عرصے میں نازل ہوا۔

قرآن کریم کائنات کے تمام گوشہ و کنار میں بسنے والے انسانوں کے لیے قیامت تک کے لیے سر چشمہ ہدایت ہے۔ یہ الٰہی کتاب اپنی زبانی، مکانی اور معنوی اہمیت و آفاقیت کے سبب اپنے اندر ہر انسان کے لیے سعادت و نجات کا پیغام لئے ہوئے ہے۔ چونکہ یہ پیغام الٰہی عربی زبان میں نازل ہوا ہے اور اس کے ہدایت پر مبنی پیغام سے آشنا ہونے کے لئے غیر عرب لوگوں کے لئے اس کا سمجھنا بھی ضروری ہے۔ اسی لئے دنیا کے ہر انسان نے اسے اپنی زبان میں منتقل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اب تک خالق کائنات کے اس پیغام کا عربی زبان کے علاوہ دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمے و تفسیر کا سلسلہ ساری ہے۔ بلتی زبان پاکستان کے خطہ بلتستان، بھارت کے علاقے کارگل، لداخ، بوریگ اور مقبوضہ کشمیر میں مسکم جین کے تین صوبوں، بھوٹان اور تبت میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔

بلتی زبان میں قرآن کریم کا پہلا مطبوعہ ترجمہ

قرآن کریم کا بلتی زبان میں پہلا مطبوعہ ترجمہ خطہ بلتستان کے ممتاز دانشور محقق، ادیب جناب محمد یوسف حسین آبادی نے کیا ہے۔ بقول مترجم یہ ترجمہ ۱۲ مئی ۱۹۹۲ء کو مکمل ہوا ہے۔ اگست ۱۹۹۳ تک ترجمے پر نظر ثانی کی گئی، یہ ترجمہ نومبر ۱۹۹۵ء میں شائع ہوا۔ چونکہ ترجمے کا کام کسی خاص ادارے کی جانب سے نہیں ہوا، اس لیے اس پر کسی ناشر کا نام نہیں ہے۔ ترجمے پر پاکستان میں اُس وقت اسلامی جمہوریہ ایران کے ثقافتی قونصلر محترم جناب آقای علی ذوعلم نے دیباچہ لکھا ہے۔ تمہید کے بعد محترم جناب سید محمد رضوی ڈائریکٹر الہدیٰ

☆ پی ایچ ڈی سکالر (ایجوکیشن نمل) فاضل جامعۃ الکوثر، اسلام آباد

ثقافتی سنٹر سکردو بلتستان نے حرف تعارف لکھا ہے۔

ترجمے کی خوبیاں

قرآن کریم کا یہ بلتی ترجمہ، بلتی زبان، ہر بلتی بولنے اور سمجھنے والے لاکھوں فرزندان توحید پر بہت بڑا احسان ہے۔ بقول مترجم ترجمے کے عمل میں قدامت پسندی اور جدت پسندی کی درمیانی راہ اختیار کی گئی ہے۔ چنانچہ بلتی زبان کے متروکات سے احتراز بھی کیا ہے اور حتی الامکان دیگر زبانوں کا سہارا بھی کم سے کم لیا گیا ہے۔ ترجمہ سلیس اور عام فہم ہے۔ بقول مترجم ترجمے میں زبان اور بیان کو بالغانہ اور معیاری رکھنے پر خاص توجہ دی گئی ہے۔ ہر آیت کا ترجمہ علیحدہ دیا گیا ہے۔ یہ ترجمہ شائع ہونے سے پہلے بلتستان کے جید علماء کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ جن میں شیعہ مسلک، مسلک اہل حدیث، مسلک اہلسنت، اور مسلک نوربخشیہ کے جید علما شامل ہیں۔ اس ترجمے کا بلاتفریق مسلک و مذہب جید علماء کرام، دانشوروں اور عاشقین قرآن کریم کی جانب سے استقبال ہوا ہے۔ ترجمے کے دوران مختلف مکاتب فکر کی تفاسیر، قرآنی لغات، قرآنی تاریخ، اردو، فارسی اور انگریزی تراجم کا بار بار مطالعہ کیا گیا۔ مطبوعہ ترجمہ قرآن میں ایک طرف معروف کاتب عثمان طٰہٰ کے خط کے ساتھ قرآن مجید کا عربی متن دیا گیا ہے جب کہ دوسری طرف بلتی ترجمہ لکھا گیا ہے۔

اس ترجمے کی تائید جن علماء کرام نے کی ہے، ان میں بلتستان کے نامور عالم حجۃ الاسلام سید علی رضوی مرحوم، حجۃ الاسلام سید عنایت حسن موسوی، حجۃ الاسلام شیخ محسن علی نجفی، مولانا محمد بشر امام جمعہ و جماعت جامع مسجد نوربخشیہ اسلام آباد، مولانا عبدالرحمٰن حنیف امیر جمعیت اہلحدیث بلتستان، مولانا محمد علی جوہر مدیر مرکز اسلامیہ اہل حدیث سکردو، مولانا احسان اللہ صدر مدرس جامعہ اسلامیہ اہل سنت سکردو اور مولانا ابراہیم خلیل نائب صدر انجمن اہل سنت سکردو شامل ہیں۔ بلتی رسم الخط کے بارے میں مترجم نے تخلیقی کام انجام دیا ہے اور تبتی رسم الخط ''اگے'' کو چھوڑ کر نئے حروف تہجی کو متعارف کرایا ہے۔

چنانچہ مترجم خود لکھتے ہیں:

''اشاعت اسلام کے بعد سے بلتی ادب کے منظوم ذخیرے کے لیے فارسی رسم الخط کو نامکمل صورت میں اپنایا گیا ہے، جس میں بلتی زبان میں موجود ساتھ آوازوں کے لیے حروف موجود نہیں۔ چنانچہ عارضی انتظام کے طور پر راقم نے بعض فارسی حروف پر نقطوں اور علامات کا اضافہ کر کے سات نئے حروف ایجاد کئے ہیں جنہیں بعد میں بلتی ادب سے متعلق دیگر کاموں کے لیے بھی اختیار کیا گیا ہے۔

بلتی رسم الخط: یہ والا صفحہ کورل سے لینا ہے فائل کا نام ہے:(1)

حروف تہجی

اب پ ت ٹ ث ج ح چ ح خ د ڈ ذ ر ڑ ز ژ س ش ص ض ط ظ ع
غ ف ق ک گ کُ ل م ن نُ وہ ء ی پھ تھ ٹھ چھ چھ ژھھ کھ

خالص بلتی حروف

ح	جربہ	اندھا	زبر ـَ اَ
چ	چو	گندم	زبر ـَ اَ
ر	رونجس	سواری	زیر ـِ اِ
ژ	ژیلبو	پنجرہ	پیش ـُ اُ
ش	کُی	چاقو	نیم زیر یائے مجھول، آے
ن	یبہ	مچھلی	نیم پیش واو مجھول، آو
ن	کن	تکیہ	لا ـ آ
چھ	چھ	شاھین	
ژہ	ژھمبو	گھورہ	

ترجمے کے نمونہ کے طور پر سورہ الحمد کا بلتی ترجمہ ملاحظہ ہو۔

سورۃ الفاتحہ آیہ ے بود

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تھومید مہربان لیگی رحم چن خدائی مینی کھ

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

ستود کھ چوق خدالہ ببور موان میول کنی اشی پا انمی

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تھومید مہربان لیگی رحم چن انمی

مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ
زدے منمی جنمی رگوان
اِیَّاکَ نَعْبُدُوَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ
ینگ ژالہ نیاسی بلن چھوس بید ینگ ژلے شیدانہ نیاروخ ژلید
اِھْدِنَا الْصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ(
یانی سی نیاترانمولےلم پوے کھ بجوق
صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ(٦)
دے خچو فوقپہ سونگ کھن مین می
غَیْرِالْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلاَ الضَّآلِّیْنَ(٧)
ھنہ لم ستورلہ سونگ کھن مین می یانی سی نعمت شیز دے بیاسفی دے مثر ھونی لمہ پوئے کھ یہ

اور ہم نے تو قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے واسطے آسان کر دیا پس کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے۔(القمر/ 17)

اسے پیغمبرؐ! کہہ دو کہ ایمانداروں کیلئے یہ (قرآن) ہدایت اور (ہر مرض کی) شفا ہے۔(حٰم سجدہ/ 44)

جو آنکھ بھی قرآن کی تلاوت میں آنسو بہائے گی وہ قیامت کے دن ٹھنڈک پائے گی۔ (رسول اکرمؐ۔کنزالعمال)

RELIGIOUS RESEARCH JOURNAL

Quarterly Noor-e-Marfat

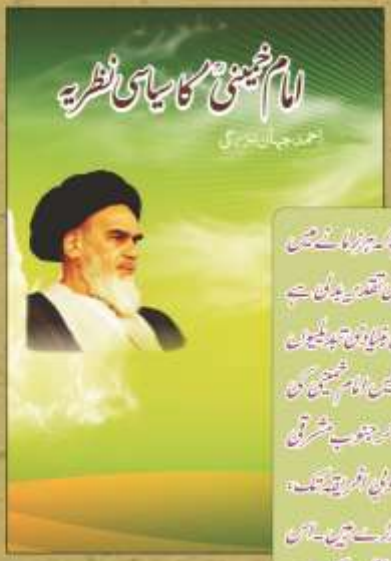

تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ہر زمانے میں سیاسی نظریات نے بہت سی اقوام کی تقدیر بدلی ہے اور سیاسی سوچ ان کی سرنوشت میں بنیادی تبدیلیوں کا باعث بنی ہے۔ آج کے دور میں امام خمینیؒ کی سیاسی سوچ نے بوسنیا سے لے کر جنوب مشرقی ایشیا تک اور ایتھوپیا سے لے کر جنوبی افریقہ تک، بہت سی قوموں پر اپنے اثرات چھوڑے ہیں۔ اس کتاب میں بیسویں صدی کے اس عظیم مفکر کے نظریات کو ان کے عقیدت مندوں کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

از مطبوعات

نور الہدیٰ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

سادات کالونی، بارہ کہو، اسلام آباد فون: 051-2231937

WEB: WWW.NOOREMARFAT.COM